

2

علوم و معارف اور تحقیقات نادرہ کالج گراماں مایہ
المکرمۃ النبویۃ فی الفتاوی المصطفویۃ

فتاویٰ مفتی اعظم

تصنیف منیف

امام الفقہاء اولیٰ شایخ تاجدار اہل سنت شہزادہ اعلیٰ حضرت
حضور مفتی اعظم ابوالبرکات محی الدین حضرت علامہ شاہ

محمد مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن و سنت کا عظیم ادارہ مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی (Boys & Girls)

01 April 2021

جہاں اسلامی و عصری علوم کا عظیم امتزاج

مختصر تعارف

شعبہ ناظرہ: 386

شعبہ حفظ: 150

طلباء و طالبات

شعبہ تجوید: 14

شعبہ درسِ نظامی: 150

اور انہی شعبہ جات میں 400 سے زائد طلباء اسکول کی تعلیم انٹر تک حاصل کر رہے ہیں نیز کم و بیش 100 طلباء جامعہ میں رہائش پذیر ہیں جن کے طعام، قیام اور میڈیکل کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے

شعبہ عصری علوم یعنی اسکول کالج و کمپیوٹر 17 اساتذہ

شعبہ حفظ و ناظرہ 19 اساتذہ

جامعہ کا
اسٹاف

باورچی 3 خادم 5 چوکیدار 2

شعبہ درسِ نظامی و تجوید 17 اساتذہ

کل طلباء کم و بیش 650 اور مکمل اسٹاف 60 افراد پر مشتمل ہے

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی (بادای مسجد) گنوگلی میٹھادر کراچی پاکستان

Account
Detail:

Account Title: Markaz ul alum Islamia (Trust)
Account: 00500025657003 Branch Code: 0050
Bank: Habib Bank Limited Barness Street Branch

ادارے کے زیر اہتمام جامعہ کی تین عمارتیں (طلباء و طالبات کے لئے) اور دو مسجدیں چل رہی ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بفیس رومانی: محمّد مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ
من یرد اللہ بہ خیرًا یفقهہ فی الدین (حدیث)
علوم و معارف اور تحقیقات نادرہ کا گنج گراں مایہ
المکرمۃ النبویۃ فی الفتاویٰ المصطفویۃ

مسمی بہ

فتاویٰ مفتی اعظم

جلد دوم

تصنیف منیف

امام الفقہاء والمشاخ تاجدار اہل سنت شہزادہ اعلیٰ حضرت
حضور مفتی اعظم ابو البرکات محی الدین حضرت علامہ شاہ

محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ
(متوفی: ۱۳۰۲ھ / ۱۹۸۱ء)

شبیر برادرز®
زبیہ سنٹر، بازار لاہور
فون: 042-37246006
Shabbirbrother786@gmail.com

الافتاویٰ المصطفویۃ

نام کتاب: المکرمة النبویة فی الفتاوی المصطفویة

عرفی نام: فتاویٰ مفتی اعظم نمبر 2

مصنف: تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم حضرت علامہ

شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہ

تقدیم و ترتیب جدید: محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

تخریج و ترجمہ: محمد حنیف خاں رضوی، مولانا محمد جابر خاں

مولانا محمد عرفان، مولانا اولیس قرنی، مولانا محمد ندیم

تصحیح کتابت و فہرست: مولانا عبدالسلام صاحب رضوی، محمد حنیف خاں رضوی

کمپوزنگ و سیٹنگ: محمد حنیف رضا خاں برکاتی، مولوی محمد زاہد علی شاہدی

مولوی محمد نعیم نوری، محمد عقیف رضا برکاتی

سنہ اشاعت: (1433ھ / 2012ء) ہ

باہتمام: ملک شبیر حسین

ہدیہ عام: Rs. 3200/- (مکمل سیٹ)

زبیہ سنٹر ۴۰، اڑو بازار لاہور

فون: 042-37246006

Shabbirbrother786@gmail.com

ضروری التماس

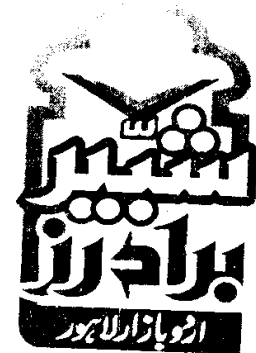
قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

هو القادر

جميع حقوق الطبع محفوظة للناسخ

All rights are reserved

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں



اس جلد کا اجمالی تعارف

اس جلد کے عنوانات و ابواب حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب العقائد والکلام (۲) کتاب الطہارۃ (۳) کتاب الصلاۃ

(۱) کتاب العقائد کے تحت مندرج ذیل سات ابواب ہیں:

توحید۔ رسالت۔ قرآن۔ علم غیب۔

ختم نبوت۔ کفریات۔ اعتقادات و معمولات۔

ختم نبوت پر ایک مستقل رسالہ ”تصحیح یقین بر ختم نبیین“ (ص ۷۹) پر

ہے۔

کل فتاویٰ کی تعداد باون (۵۲) ہے۔

(۲) کتاب الطہارۃ کے تحت مندرجہ ذیل چار ابواب ہیں:

پانی کا بیان۔ وضو۔ غسل۔ حیض۔

کل فتاویٰ کی تعداد تیرہ (۱۳) ہے۔

(۳) کتاب الصلاۃ کے تحت اس جلد میں باب الاذان ہے، نماز کے تعلق سے

باقی فتاویٰ تیسری جلد میں ہیں۔

باب الاذان میں چند فتاویٰ ہیں اور اس کا بڑا حصہ اذان کے سلسلہ میں علمائے اہل

سنت کے درمیان اختلافی مباحث پر مشتمل ہے۔

ستاب شدہ رسائل میں اذان خطبہ کے تعلق سے اس جلد میں تین رسائل شامل

کیے گئے ہیں:

- (۱) مقتل کذب و کید (۱۳۳۲ھ) ص (۲۲۸)
- (۲) نفی العار من معایب المولوی عبدالغفار (۱۳۳۲ھ) ص (۳۳۶)
- (۳) مقتل اکذب واجہل (۱۳۳۲ھ) ص (۳۶۶)

یہ تینوں رسائل مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری کی کتاب ”آثار المبتدعین لاعدام جبل اللہ المتین“ کے رد میں ہیں۔ دلائل کی قوت و کثرت کا اندازہ ہر قاری کر سکتا ہے۔ اس موضوع پر ”مباحث کا خلاصہ“ کے عنوان سے شروع میں ایک مضمون شامل اشاعت ہے۔ (ص ۲۳۱) پر

اذان ہی کے ضمن میں تشویب کے موضوع پر ایک رسالہ ”القول العجیب فی جواز التشویب“ کے نام سے ہے، اس میں اذان کے بعد دوبارہ اعلان (صلاة) پکارنے کے موضوع پر ہے جس میں اس کا جواز پیش کیا گیا۔ یہ (ص ۳۹۵) سے شروع ہوا ہے اور اس کا خلاصہ (ص ۳۸۳) پر ہے۔



کتاب العقائد والکلام

ابواب

- | | | | |
|------------------------------------|------|-----------------------|-------|
| ۱- توحید | (۶) | ۲- رسالت | (۹) |
| ۳- قرآن | (۱۱) | ۴- علم غیب | (۳۱) |
| ۵- رسالہ تصحیح یقین بر ختم النبیین | (۷۹) | ۷- کفریات | (۱۰۲) |
| ۶- ختم نبوت | (۸۰) | ۸- اعتقادات و معمولات | (۱۸۰) |



(۱) توحید

نظم کائنات ازلی وابدی ہے

(۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
 ”اصول کو اہل منطق اور اہل فلسفہ وحدت فطری اور عوام الناس نظم کائنات کہتے ہیں۔ اسی قانون کی برکت اور اسی اصول کا صدقہ ہے کہ کائنات، کائنات کی صورت میں ہے۔ آفتاب کی تیز شعاعیں، مہتاب بگے تسکین دہ لمعات، بادِ سموم کے تیز جھونکے، ریگستان کے رتیلے ذرات کی مہلک لپٹ، بارشوں کا نزول، اور انحرابت کا عروج، غرض کہ کائنات کی ہر حرکت و سکون خاص قوانین اور اصول کے ماتحت ہے۔ جن کو دنیا کی کوئی قوت نہ توڑ سکتی ہے، نہ پھوڑ سکتی ہے، نہ مٹا سکتی ہے، نہ ہلا سکتی ہے، وہ اصول پختہ و دائمی مستحکم اور ابدی ہیں۔“ کیا اس عبارت کے قائل نے نظم کائنات اور کائنات کو دائمی اور ابدی نہیں کہا، اور کائنات کو لافانی اور باقی نہیں مانا؟ حکم شرع بیان ہو۔ بینوا تو جروا۔

از شہر بنارس محلہ بٹیہ مرسلہ اشیر الدین جلال الدین صاحبان۔ ۸ شعبان المعظم ۱۳۹ھ

الجواب

قائل نظم کائنات کو ابدی کہتا ہے نہ کائنات کو۔ کائنات کو نہ اس نے ابدی و دائمی بتایا نہ اس کے کسی لفظ سے یہ مترشح۔ نظم کائنات سے اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ نظام دنیا ابدی ہے، یوں یہ ابد الابد تک رہے گا، بلکہ نظم کائنات اس نے انہیں اصول کا نام رکھا جن پر نظام کائنات برقرار ہے، جن پر نظام کائنات کا مدار ہے۔ رہا یہ کہ کن اصول کو وہ دائمی و مستحکم و ابدی کہتا ہے، یہ اس عبارت میں نہیں، وہ بھی منقول ہوتے تو ان کا حکم بتایا جاتا، مگر ایسے اصول ہیں جنہیں ابدی کہہ سکتے ہیں بلکہ وہ بھی جوازی بھی ہے، اور ابدی بھی، ہمیشہ سے ہے اور ابد الابد تک رہے گا، وہ اصل کیا ہے: لا الہ الا اللہ جس پر نظام کائنات کا مدار ہے کہ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (۱)

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ چند معبود ہوتے تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے۔ اور یوں بھی کہ جب عالم میں کوئی: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا جب ہی قیامت قائم ہوگی، اور یہ نظام عالم درہم برہم اور عالم تہہ وبالا اور نیست و نابود ہو جائے گا۔ فنا کی گھاٹ اتر جائے گا۔ تو اسے ابدی و دائمی کہنے میں کیا حرج کہ قطعاً ابدی دائمی ہے۔ اصول کے دائمی و ابدی ہونے سے عالم و نظام عالم و ابدی و دائمی نہ ہو جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم وأحکم۔

اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز اور اہل اسلام کا معمول ہے

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اللہ عز و جل پر ہی خدا کا اطلاق ہو سکتا ہے، اور سلف سے لے کر خلف تک ہر قرن میں تمام مسلمانوں میں بلا تکثیر اطلاق ہوتا رہا ہے۔ اور وہ اصل میں ”خود آ“ ہے جس کے معنی ہیں وہ جو خود موجود ہو، کسی اور کے موجود کیے موجود نہ ہوا ہو۔ اور وہ نہیں مگر اللہ عز و جل ہمارا سچا خدا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کو ”میاں“ نہیں کہنا چاہیے

(۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا درست ہے یا نہیں؟ جو اللہ میاں کہتے ہیں ان پر کس قدر گناہ ہے؟۔

الجواب

اللہ تعالیٰ، اللہ عز و جل، اللہ عز جلالہ، اللہ سبحانہ، اللہ عز شانہ، یا جل شانہ، وغیرہ کہنا چاہیے۔ میاں نہ کہنا چاہیے۔ عوام میں یہ لفظ بولا جاتا ہے، اس سے انہیں احتراز کرنا چاہیے۔ تفصیل کے لیے احکام شریعت دیکھیں۔ اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مفصل تحریر فرمایا، گناہ نہیں مگر یہ لفظ اس کی جناب میں بولنا برا ہے۔ اس کی شان و عزت کے لائق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ تک کسی عیب کی رسائی ماننا اسے عیبی بتانا ہے

(۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ
(۱) زید باوجود مولوی ہوتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال
لانا نبیل و گدھے سے بُرا ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولے گا نہیں۔ زید کے ان قولوں پر بکر و عمر
وغیر ہم کہتے ہیں کہ زید نے اللہ و رسول کی توہین کی، اور عوام میں گڑ بڑی ہو گئی۔ ایسی صورت میں تین
مولویوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نبیل گدھے کا اطلاق خیال لانے والے پر ہوتا ہے، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم پر۔ اور خدا جھوٹ بول سکتا ہے مگر اس کی شان کے خلاف ہے۔ ان کلمات کے اندر ہرگز توہین اللہ
و رسول کی نہیں لازم آتی ہے۔ انہیں مولویوں کے کہنے سے زید نے کہا کہ میرے قول میں ہرگز توہین نہیں
ہوئی۔ اگر عوام سمجھتے ہوں تو میں توبہ کرتا ہوں۔ اب ایسی صورت میں زید امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

بے شک ان اقوال بدتر از ابوال میں اللہ و رسول۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کی توہین
ہے۔ اور ضرور کذب پر قدرت ماننا، اللہ عز و جل کو عیب لگانا ہے۔ کذب عیب ہے۔ یہاں عیبی وہی نہیں جو
عیب میں ملوث ہو۔ مولیٰ عز و جل کے سراپردہ عزت تک عیب کی رسائی ہو سکتی ماننا بھی اسے عیبی بتانا
ہے۔ اور جو عیبی ہو سکے ہرگز خدا نہیں۔

علمائے اسلام کتب عقائد و کلام میں تصریح فرماتے ہیں:

”الکذب علی اللہ تعالیٰ محال.“ (۱)

کذب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کرنا محال ہے۔ (مترجم)

صدق، اللہ عز و جل کی صفت ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ أَضَدُّ مِنَ اللَّهِ قِيْلًا﴾ (۲)

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

(۱) [موسوعة الفرق المنتسبة للإسلام: المطلب الرابع، ۱/۴۹۱]

(۲) [سورة النساء: ۱۲۲]

وقال عزوجل:

﴿وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ (۱)

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

اور اس کی صفات واجب۔ کذب ممکن ماننا صدق کو غیر واجب ماننا ہے۔ ولا حول ولا قوة الا

بالله العلی العظیم۔

اس مسئلہ کو تفصیلات سے ”سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح“ میں ملاحظہ کیجیے۔ زید کو ہر گز امام نہ بنایا جائے۔ اس کے پیچھے نماز حرام ہے۔ وہ مولوی بھی ملوں سے پرلی طرف ہیں جنہوں نے کہا کہ ”بیل گدھے کا اطلاق خیال لانے والے پر ہے“۔ ان کا یہ قول نہیق حمار سے بدتر ہے، اور صوت حمیر سے انکر ہے۔ قائل صاف بک رہا ہے کہ ”خیال لانا بیل گدھے سے برا ہے“۔ نہ خیال لانے والا۔ پھر یہ بولی بول کر بھی کیا بنا لیا؟ اب یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا خیال نماز میں لانے والا ایسا ہے کہ بیل گدھے اس سے اچھے ہیں“۔ حضور کا خیال معاذ اللہ اس درجہ شنیع ہے کہ خیال کرنے والا ان بے تمیزوں کے نزدیک بیل اور گدھے سے بدتر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔ واللہ هو الموفق للسداد وهو تعالیٰ اعلم۔

(۲) رسالت

غیر رسول کو رسول اللہ بمعنی قاصد کہنا بھی کفر ہے

(۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے چند لوگوں کے سامنے کہا (بلکہ اس کی تحریر دستخط بھی بندہ کے پاس موجود ہے) کہ مجھے رسول بالمعنی القاصد کہہ سکتے ہیں۔ اب شریعت ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے، اس کے یہ شخص کوئی جاہل بے علم نہیں بلکہ شرح و قایہ، شرح جامی، قطبی وغیرہ پڑھتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس کہنے سے ایمان سے خارج نہ ہو گیا اور کافر نہ ہوا؟ گو کہ اس نے اپنے کو رسول بالمعنی المذکور ہی کہا ہے۔ کیا کسی کو رسول بمعنی

مذکور کہہ سکتے ہیں، اگر کہہ سکتے ہیں تو پھر لاکھوں کروڑوں رسالت کا دعویٰ بمعنی مذکور کر سکتے ہیں، تو پھر لاتعد ولا تحصی رسول دنیا کے اندر موجود ہو سکتے ہیں، اور کیا زید کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور اس کو دوبارہ عقد و تجدید اسلام کی ضرورت ہے؟ صاف جواب عنایت فرمائیں اور بادشاہ حقیقی سے اجر عظیم کے مستحق بنیں۔ بینوا بالکتاب مفصلاً تو جرو ایوم الحساب کثیراً۔
از موضع اداری محلہ ملا ہاضع اعظم گڑھ مرسلہ مولوی حکیم عبدالسلام سلمہ، ۳۰ جمادی الاخرہ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب

اگر کوئی رسول کو اللہ عزوجل کی طرف مضاف کر کے اپنے کو یا کسی غیر رسول کو رسول اللہ کہے اور کہے، میں نے اس سے قاصد و پیامی ہونے کا ارادہ کیا تھا اس کی یہ تاویل مردود ہوگی ہرگز نہ سنی جائے گی، کہ صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ زہار مسموع نہیں، ورنہ کوئی کفر کفر نہ رہے، اپنے آپ کو خدا کہے اور ارادہ بتائے کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں خود آیا ہوں۔

خلاصہ و فصول عمادی و جامع الفصولین و فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے:

”واللفظ للعمادیۃ قال: أنا رسول اللہ أو قال بالفارسیۃ من پیغمبرم یرید بہ

من پیغام می برم یکفر“ (۱)

اور لفظ عمادیہ کے ہیں کہ کسی نے کہا کہ..... میں اللہ کا رسول ہوں۔ یا فارسی میں کہ.... من پیغمبرم،

اور اس سے مراد لیا کہ میں پیغام لے جاتا ہوں تو کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

علمائے تاویل کی نسبت فرماتے ہیں: ”لا یقبل۔ (شفا شریف)

نیز فرماتے ہیں:

”هو مردود عند القواعد الشریعة“ (۲)

قواعد شریعت کی رو سے یہ تاویل مردود ہے۔

اور فرماتے ہیں: ”لا یلتفت لمثله ویعد ہذیاناً.“ (۳)

ایسی تاویل کی طرف دھیان نہ دیا جائے گا اور اس کو پاگل پن خیال کیا جائے گا۔ (مترجم)

(۱) [فتاویٰ عالمگیری، کتاب السیر، باب التاسع فی احکام المرتدین: ۲/۳۳۴]

(۲) [شرح الشفا للملا علی القاری الباب الأول فی بیان ماہو فی حقہ، ۲/۳۹۶]

(۳) [نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض، ۲/۳۳۴]

یوں ہی ہماری زبان میں بے اضافت اگر مثلاً یوں کہیں کہ میں رسول ہوں، یا وہ رسول ہے،
عماد یہ وغیرہا کی عبارت پھر دیکھیے :

”أوقال بالفارسیة من پیغمبرم الخ“ (۱)

یا فارسی میں کہا من پیغمبرم (میں پیغمبر ہوں) (مترجم)

ہاں غیر مولیٰ تعالیٰ کی طرف اس لفظ کی جب اضافت ہوتی ہے تو وہاں اس لفظ کے لغوی معنی ہی
مراد ہوتے ہیں، اور یوں بھی اس کا استعمال شائع ہے، خود احادیث میں بھی موجود ہے۔ اردو میں بھی اگر
کوئی یوں کہے کہ میں فلاں شخص کا رسول ہوں، اور قاصد کا ارادہ کرے تو اس میں کوئی محذور نہ ہوگا۔ اگر
شخص مذکور نے اس سے کہ ”مجھے رسول بالمعنی القاصد کہہ سکتے ہیں“ یہی ارادہ کیا تھا کہ غیر مولیٰ تعالیٰ کی
جانب مضاف کر کے، جب تو ٹھیک ہے۔ اسے بھی رسول۔ زید یا عمرو یا بکر وغیرہ اگر کوئی کہے تو مواخذہ نہ
ہوگا۔ اور اگر اس کی یہ مراد نہ تھی تو اسے تو بہ چاہیے اور تجذید ایمان و تجذید نکاح بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) قرآن

قرآن کی بے مثل فصاحت و بلاغت آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے

(۶) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ زید کہتا ہے کہ قرآن شریف آسمانی کتاب ہے اور خدا کا فرمان ہے، لیکن
بکر کہتا ہے کہ نہیں، لہذا زید کو کیا کیا دلیلیں پیش کرنی چاہیے کہ جس سے اس کی تسکین ہو۔ بیـنـوا
توجروا۔ از بریلی سنہری مسجد۔

الجواب

آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ قرآن خود اپنی دلیل آپ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔ اس
زمانہ میں جب فصاحت و بلاغت کا بازار گرم تھا، زبان عربی کی ترقی کا عہد شباب تھا، فصاحت و بلاغت کا دور دورہ
تھا، بچہ، فصیح و بلیغ ماں باپ کی گود میں پلتا، زبان کھلتے ہی فصیح و بلیغ ہوتا، لڑکیاں قصائد بر جستہ کہا کرتی تھیں

(۱) [نسیم الرياض شرح الشفا للقاضي عياض ۲۰/۳۳۴]

شعر اپنے قصیدے لکھ کر کعبہ معظمہ کے دروازے پر لٹکایا کرتے اور پھر ان کے جواب ہوا کرتے۔ قرآن عظیم حضرت سیدنا آمنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہا وسلم کے یتیم فرزند ارجمند پر (جن کے سر مبارک پر برائے تربیت و تعلیم باپ دادا نہ تھے جن کی عمر شریف اوائل ایام، حلیمہ سعدیہ بدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بادیہ میں بسر ہوئی۔ جنہوں نے کسی انسان سے کسی کتاب کا کوئی حرف نہ پڑھا) نازل ہوا، جس نے تحدی فرمائی کہ:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ (۱)

یعنی اے مے فصاحت کے متوالو! اے شراب بلاغت سے سرشارو! اے زبان کے ایسے مدعیو کہ دوسروں کو گونگا بنانے والو! اگر تم دربارہ قرآن کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شک میں پڑے ہو تو اس کی سی ایک چھوٹی سی سورت کہہ لاؤ۔ اور نہ تم ہی بلکہ:

﴿وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ (۲)

اور اللہ عزوجل کے سوا جنہیں تم نے معبود بنا لیا ہے انہیں بھی مدد کے لیے پکار لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

کہیں فرمایا:

﴿فَاجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ﴾ (۳)

سب کے سب جمع ہو جاؤ اپنے شرکاء کو بھی جمع کر لو۔

کہیں فرمایا:

﴿لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (۴)

ہرگز اس کی مثال نہ لاسکیں گے، اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہوں۔

قرآن تو کلام اللہ صفتہ من صفات اللہ ہے۔ کوئی اس کا مثل کیوں کر لاسکے۔ جوشی بھی اللہ عزوجل کے یہاں سے ہومحال ہے کہ تمام عوامل مل کر بھی اس کا مثل بنا سکیں، پانی کا قطرہ قطرہ، مٹی کا ذرہ ذرہ، ہوا کا

[سورة البقره: ۲۳، ۲۴] (۲)

[سورة البقره: ۲۳] (۱)

[سورة الاسرا: ۸۸] (۴)

[سورة يونس: ۷۱] (۳)

ہر حصہ، آگ کی ہر چنگاری، نور کا ہر ہلچہ، غرض کے عوالم کی ہر ہرشی کا ہر ہر ریزہ اس پر گواہ ہے، نہ اصل کی مثل کوئی لاسکتا ہے، نہ فرع کی مثل کوئی بنا سکتا ہے، اصل و فرع، روح و جسم کا مثل کیا معنی، کوئی محض صورت کا مثل بھی نہیں بنا سکتا، وہ رنگ و روپ نہیں لاسکتا۔ ایسی جو چیز عالم میں نظر آتی ہے، یا محسوس ہوتی ہے جس کا مثل عوالم میں کسی سے ممکن نہ ہو عقل و شعور رکھنے والا بلکہ پاگل بھی اسے اللہ عزوجل کی محض قدرت سے جانتا اور سچے دل سے اسے اللہ عزوجل کی مخلوق مانتا ہے۔ تو قرآن عظیم جو اس خالق جل مجدہ کی صفت ہے، جس کی کسی مخلوق کا مثل تمام عالموں میں کسی شی سے ممکن نہیں تو اس کی صفت کا کوئی کیوں کر کس طرح لاسکے۔ قرآن کا مثل ناممکن ہونا باعلیٰ ندامت ادیٰ کہ قرآن منجانب اللہ ہے۔ علما وبلغائے عرب جس کے مقابلہ سے عاجز ہوئے ان میں بہت وہ جن کے نصیب میں ہدایت تھی اسے سن کر ہی ہدایت یاب ہوئے اور پکار اٹھے کہ یہ کلام کلام بشر نہیں، اور سچے دل سے اسے کلام اللہ اعتقاد کر کے ایمان لائے، اور بدنصیب جن کے قلوب پر عناد و جہالت کے غطاء تھے اگرچہ دل سے وہ بھی: ”ماہذا کلام البشر“ مجبوراً مانا کیے مگر عناداً یہی کہتے رہے کہ:

﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا﴾ (۱)

مگر عقلا بے شک می دانند کہ اگر انہیں کچھ مخفی قدرت ہوتی تو کس دن کے لیے اٹھارکتے، قرآن کلام بشر ہوتا تو کیا وہ زبان داں جو اپنے آگے تمام دنیا کو گونگا جانتے، وہ فصحا وبلغا جن کے آگے فصاحت و بلاغت ہاتھ باندھے کھڑی رہتی، جن کی لہنڈیاں برجستہ قصائد پڑھا کرتیں، قرآن کے آگے کیوں گونگے ہو جاتے، قرآن اگر کلام بشر ہوتا تو اس میں ایسی گرفتگی، ایسا جذبہ، ایسی خوبی، ایسی خوش اسلوبی، یہ حسن، یہ ملاحت، یہ سلاست، یہ لطافت کہاں ہوتی، یہ اثر کب ہوتا کہ معاندوں کو جب کچھ نہ بن پڑتا تو کہتے:

﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۲)

اس قرآن کو نہ سنو نہ کسی کو سننے دو کہ جو سنے گا اسی کا کلمہ پڑھے گا، ہم سے ٹوٹ کر اسی کا ہور ہے گا، جب قرآن پڑھا جائے تو غل شور مچاؤ، غل بل غل بل کرو کہ تم غالب آؤ، کہ نہ لوگ قرآن سنیں گے نہ ایمان لائیں گے۔

ظاہر ہے کہ اگر وہ کلام بشر ہوتا تو وہ فصحا وبلغا اس کے مقابلہ سے کیوں عاجز و در ماندہ رہتے، خود ہی ہر شخص علاحدہ علاحدہ مستقل قرآن اس کے مقابل بنا کر پیش کرتا۔ پھر جب کہ قرآن کی وہ تحدی دیکھتا

جب توجان توڑ کوشش سے مقابلہ کرتا۔ جب کافر اس تحدی پر بھی اس کی سی ایک سورت نہ بنا کر لاسکے، جب معاند اس کے سننے سے رکے، اور اوروں کو روکا، اور اس کی آواز کان میں نہ پڑ جائے، غل شور مچانے غل بل غل بل کرانے لگے، تو روز روشن سے زیادہ روشن و آشکار ہوا کہ قرآن ایسی بے مثل کتاب ہے جس کا مثل کسی سے ممکن نہیں، جو ایسی چیز ہو جس کا مثل ممکن نہ ہو وہ خدا ہی کی ہوتی ہے، تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و تاباں کہ قرآن کلام اللہ ہے، ہرگز کلام بشر نہیں۔

پھر قرآن کے اہل احکام لم یزل، اور اوامر و نواہی، محکم قواعد و قوانین اپنے مخالفوں کو بھی مجبور کر کے کہلوا لیتے ہیں کہ بے شک یہ احکام خداوندی ہیں ہرگز یہ بشری نہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ عقلاً جمع ہو کر جو قوانین وضع کرتے ہیں کبھی فوراً کبھی کچھ دن بعد زمانہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ ان میں ترمیم کریں، یا منسوخ کر کے نئے قوانین بنائیں۔ مگر قرآنی قوانین ایسے قوانین نہیں جن میں کوئی تبدیل، کوئی تغیر، ذرا بھی ترمیم، یا کسی تھوڑی سی تنسیخ کی حاجت ہو۔ وہ آج سے تیرہ سو برس پہلے جیسے ضروری تھے ڈیڑھ ہزار برس کے قریب زمانہ گزرتا ہے آج بھی ویسے ہی ضروری ہیں، اور تا قیامت ان کی اسی طرح حاجت و ضرورت رہے گی۔ دنیا بھر میں قرآنی قوانین کا شہرہ ہے، قرآنی قوانین عالمگیر و ہمہ گیر قوانین ہیں، دنیا بھر کے سلاطین انہیں قوانین کی سرکار کے بھکاری ہیں، یہ اور بات ہے کہ عناد سے تسلیم نہ کریں، یا کسی قرآنی قانون کی من مانتی صورت بنا لیں۔ قرآن خدا کا کلام ہونے کے ثبوت میں کسی کے کہنے کا محتاج نہیں کہ دنیا کے معتبر لوگ کہیں کہ یہ کلام خدا ہے تو اس کا کلام خدا ہونا ثابت ہو، وہ خود آپ اپنی دلیل ہے، مشک آنت کہ خود بوید نہ کہ عطار بگوید۔ واللہ تعالیٰ هو الموفق للصواب۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

قرآن کو ناقص کہنے اور اس میں تغیر و تبدیل ماننے والے پر توبہ فرض ہے

(۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک پیر جی اپنے مریدوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ قرآن کا چالیس پارہ تھا، دس پارہ فقیروں نے چاٹ لیا ہے۔ آیا اس پیر جی کے متعلق شریعت و معرفت میں کیا حکم ہے؟۔ بینوا بالدلیل

توجروا۔

از: تودہ جو ریاں ڈاک خانہ اینڈ ٹنگر ضلع بریلی مرسلہ مسلمانان قصہ مذکورہ، ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب

وہ جاہل پیر روافض کا ہمنوا و ہمسر ہے، اس پر اپنے اس گندے عقیدے سے توبہ فرض ہے۔ بعد توبہ تجدید ایمان، تجدید نکاح بھی اگر بیوی رکھتا ہو کرے۔ قرآن اللہ عزوجل کی وہ مبارک کتاب ہے جس میں کمی و بیشی، تغیر و تبدل سے حفاظت و صیانت کا خود اسی نے اسی قرآن میں وعدہ فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ﴾ (۱)

اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

اور فرمایا:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (۲)

باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔

اس جاہل نے روافض کی طرح وہ بک کر کہ چالیس پارے تھے، دس پارے کم ہو گئے، قرآن کے محفوظ ہونے کا انکار کیا۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔ واللہ تعالیٰ الهادي والموفق۔

کسی جاہل نے اپنے آپ کو قرآن کہا تو یہ قول برا ہے

(۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ... پیر و مرید کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ اس میں ایک شخص نے کہا قرآن عظیم کی قسم کھاؤ کہ یہ بات ٹھیک ہے، پیر نے کہا کہ قرآن کی قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ سمجھے تو اس کا قرآن میں خود ہوں۔ پیر کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

ازرانی کھیت ضلع الموڑہ مسئلہ طالب حسین صاحب ۲۰ رذی قعدہ ۱۳۵۳ھ۔

الجواب

پیر نے جو وہ کلمہ کہا برا کیا اگر وہ جاہل ہے۔ عالم ہو جب بھی ایسا کہنا نہ چاہیے۔ قرآن اللہ عزوجل کا کلام اس کی صفت غیر مخلوق ہے۔ پیر اگر صاحب مرتبہ بھی ہو، تو کتنا ہی بلند پایہ رکھتا ہو اللہ کا بندہ

اس کی مخلوق ہے۔ قرآن کی جگہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اگر پیر عالم ہے اور اس نے وہ کلمہ بایں معنی کہا کہ اگر یہ سمجھے تو میں اس کا ہادی، اور قرآنی تعلیم کرنے والا خدا تک رسائی کا واسطہ ہوں، تو مطلب ٹھیک ہے، مگر لفظ برے ہیں۔ اور اگر جاہل ہے تو ہرگز اس مطلب کا وہم بھی اسے نہیں ہو سکتا، اور اگر ہو تو نرا ادعا محض جھوٹ۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی نے قرآن اپنے آپ کو نہ کہا قرآن کی جگہ اپنے آپ کو نہ رکھا، مصحف فرمایا کہ فرمایا: ”هذا مصحف صامت وانا مصحف ناطق. او كما قال رضي الله تعالى عنه.“ اُس میں اس میں بڑا فرق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”کتبت هذا تفقهاً، ثم بعد زمان راجعت ”الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية“ لسیدی المولیٰ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی فی مسئلة فوجدت فيها بحمد الله ما يؤيد هذا الفتوى ولله الحمد. وهذا نصه: نعم الخلوۃ وهمة الشيخ الصادق العارف الكامل في مرتبتي العلم والعمل الجامع بين علمي الظاهر والباطن كافية للمريدين ومغنية لهم عن قراءة الكتاب والمطالعة والاشتغال في العلوم، اذ همته وحدها وغيرته الالهية لا تتركهم على جهل في حكم من الأحكام مطلقاً، وحيث دخلوا تحت تربيته فهو كتاب لهم وزيادة؛ لأن عنده جميع ما يحتاجون إليه مما في الكتاب، وربما كانت قرأتهم ومطالعتهم ودراستهم على أستاذ غيره مانعة لهم من الدخول تحت أمره ونهيه فيما يعلمه من صلاح أحوالهم على مقتضى الشريعة المحمدية، فهو ينهاهم عن طلب العلم لئلا تآلف قلوبهم الإكثار من العلم مع ترك العمل به، فيكون علمهم حجة عليهم، ويعلمهم ما ينفعهم شيئاً فشيئاً؛ لأنه أعرف بمصالحهم منهم۔ وأما إذا كان شيخهم قاصراً جاهلاً لا يعلم حكم الله تعالى عليه ولا عليهم وقد أمرهم بذلك فهو ضال مضل اه. واللہ تعالیٰ اعلم۔“

میں نے یہ اپنی فقہی بصیرت کی روشنی میں لکھا تھا، پھر کچھ دنوں کے بعد میں نے علامہ عبد الغنی نابلسی کی کتاب ”حديقة ندية شرح طريقة محمدية“ میں کسی مسئلہ کے لیے رجوع کیا تو میں نے اس میں اپنے اس فتویٰ کی تائید پائی، واللہ تعالیٰ ذلک، جس کی عبارت یہ ہے کہ ہاں خلوت اور شیخ صادق عارف کامل کی صحبت علم و عمل کے درجہ میں ہے جو ظاہری اور باطنی علوم کو جامع ہے، جو مریدین کے لیے کافی ہے اور انہیں کتاب اللہ کی تلاوت اور علوم فنون کے مطالعہ کی مصروفیت سے بے نیاز کرنے والی ہے۔ کیوں کہ صرف اس کی صحبت اور شیخ کی غیرت ربانی مطلقاً کسی حکم میں مریدین کو جاہل نہ رہنے دے گی، اور جب وہ اس کی

تریت میں آگئے۔ تو وہ شیخ ان کے لیے کتاب بل کہ اس سے بھی بڑھ کر ہو گیا، اس لیے شیخ کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی انہیں کتاب میں ضرورت ہے اور بسا اوقات ان کا مطالعہ، تلاوت اور شیخ کے علاوہ دوسرے استاذ سے پڑھنا انہیں شیخ کے امر و نہی میں داخل ہونے سے ان امور میں مانع ہوگا جن میں وہ شریعت محمدیہ کے مطابق ان کے حالات کی اصلاح کا علم رکھتا ہے۔ پس وہ انہیں حصول علم سے روکتا ہے تاکہ ان کے دل ایسے کثیر علم کے نہ عادی ہو جائیں جس پر وہ عمل نہ کر سکیں، تو وہ علم ان کے خلاف حجت بن جائے، حالاں کہ شیخ انہیں تھوڑا تھوڑا علم نافع سکھاتا ہے، اس لیے کہ وہ ان کی مصحتوں کو ان سے زیادہ جانتا ہے، لیکن جب شیخ جاہل بے فیض ہو، تو وہ اپنے اوپر عائد شدہ احکام خدا کو نہ جان سکے گا، اور نہ ہی ان کے لیے احکام الہی کو جان پائے گا، حالاں کہ وہ انہیں اس کا حکم دیتا ہے، پس وہ گمراہ اور گمراہ گر ہے۔ (مترجم)

کسی مجلس میں قرآن پڑھا جائے تو سب پر سننا لازم

(۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
زید دریافت کرتا ہے کہ طالب علم قرآن عظیم کا سبق یاد کرتا ہو اس حالت میں کہ اس کا ہر حرف غلط ادا ہوتا ہو اور استاد ایک جلسہ کیے ہوئے ہو اس حالت میں کہ کچھ حقہ نوشی کرتے ہوں اور کچھ گفتگو دنیوی اور استاد بھی ہر شخص سے باتیں کر رہے ہیں، اور کھانا کھا رہے ہیں مگر طالب علم کو سبق صحیح کرانے کی استاد کو کچھ فکر نہیں ہے یہ معاملہ دیکھ کر بکرنے کہہ دیا کہ ایسی حالت میں یہ سب کام حرام ہیں، تو استاد نے جواب دیا کھانا کھانا بھی؟ بکرنے کہا کہ ہاں جب کہ اس کی کوئی خبر ہی نہیں لی جا رہی ہے۔ لہذا حکم شرع استاد و بکر و عام کے واسطے کیا ہے؟ از بریلی صالح نگر مسئولہ کفایت حسین صاحب رضوی یکم شعبان ۵۶ھ

الجواب

قرآن عظیم کا سننا ہر شخص پر جو وہاں جہاں قرأت ہو رہی ہو حاضر ہو فرض ہے اس وقت بولنا ہی نہیں ہر کام کہ نخل استماع ہوگانا جائز ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۱)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔
 خصوصاً استاد کہ اس پر اصلاح کے لیے بھی سننا ضروری ہے اور طالب علم جو غلطی کرے اس کا بتانا
 لازم خصوصاً قرآن عظیم میں۔ بے شک وہ استاد بے پرواہی اور ترک فرض استماع دونوں باتوں کا ملزم
 ہوگا جب کہ بعد قرأت وہ کلام یا کسی کام میں مشغول ہوا ہو۔ یوں ہی وہ لوگ جو وہاں بیٹھے ہوں۔ اور اگر
 مشغول تھے پھر ان کے نزدیک طالب علم نے اپنا پڑھنا شروع کیا۔ تو اس صورت میں یہ لوگ معذور رکھے
 جائیں گے۔ ان پر الزام نہ ہوگا۔

غنیۃ میں ہے:

”صبي يقرأ في البيت وأهله مشغولون بالعمل يعذرون في ترك الاستماع
 إن افتتخوا العمل قبل القراءة وإلا فلا. واللہ تعالیٰ اعلم“ (۱)

ایک بچہ گھر میں قرآن عظیم کی تلاوت کر رہا ہے اور گھر والے کام میں مشغول ہیں تو وہ ترک
 استماع میں معذور سمجھے جائیں گے، اگر انھوں نے تلاوت شروع ہونے سے پہلے کام کا آغاز کیا ہو۔ ورنہ
 نہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (مترجم)

قرآن کریم سے طلب شفا حضور کے زمانہ سے رائج ہے

(۱۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
 ایک اشتہار دہلی سے آیا ہے اس میں تحریر ہے کہ سورہ انا انزلنا کھانے کی چیز پر دم کر لے ہیضہ
 سے محفوظ رہے گا۔ زید کہتا ہے کہ کیسا بناتے ہیں لیکن کسر رہ جاتی ہے۔ جیسے حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ
 تعالیٰ علیہ نے سورہ اخلاص پڑھ کر مٹی پر دم کیا سونا ہو گیا، زید کو دے دیا۔ پھر زید نے وہی سورہ اخلاص مٹی
 پر پڑھ کر دم کیا وہ مٹی رہی۔ اسی طرح اس سورت کے پڑھنے سے کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔ اس کے بیان سے
 بھی منشا پایا جاتا ہے اس مثال کے بیان کرنے سے اور لوگوں کو اس عمل سے روک دیا۔ زید پر کیا شرعی جرم
 عائد ہو سکتا ہے۔ بینوا تو جو روا۔ نقل اشتہار:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں امراض ظاہرہ و باطنہ دونوں کا علاج رکھا (۱)

ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ آج کل ہیضہ کی ہوا بکثرت چل رہی ہے۔ اسی واسطے الدال علی الخیر کفاعلہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ جب تک اس مرض کا چرچا ہو اس وقت تک کے لیے پابندی کے ساتھ تین مرتبہ سورہ ﴿انا انزلنا﴾ آخر تک پڑھ کر ہر کھانے پینے کی چیز پر دم کر لیں۔ خدا نخواستہ یہ صورت پیش آئے اسی وقت تین مرتبہ سورہ ﴿انا انزلنا﴾ پڑھ کر دم کر کے پلا دیں انشا اللہ العزیز شفا ہوگی۔

نوٹ: استغفار۔ کلمہ سوئم کی کثرت کی جائے گناہوں سے پرہیز کرو۔ نماز کی تبلیغ کرو زیادتی کے ساتھ۔ از محلہ گھیر جعفر خاں مسئولہ مولوی غلام محمد یسین صاحب ۷ ارجمادی الثانی۔

الجواب

اس شخص نے جو کہا برا کہا۔ اور بہت بے ہودہ حرکت کی کہ نیک عمل سے روک دیا۔ بے شک قرآن عظیم ظاہر و باطن ہر مرض کی دوا ہے شفا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾ (۲)

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ اور اللہ نے ارشاد فرمایا: تم فرماؤ وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔

مومنوں کے لیے شفا ہے اور ظالموں کے لیے خود فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ (۳)

اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔

قرآن عظیم سے طلب شفا عہد کریم حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم سے آج تک تمام مسلمانوں میں ہی وساری ہے، اس کا تو کوئی مسلمان کیوں انکار کر سکتا ہے۔ کسی مسلمان سے یہ، منظون کیسا موہوم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کا مطلقاً منکر ہو۔ اس شخص نے جو الفاظ بکے بہت برے بکے جن سے توبہ و رجوع کرے۔ مگر اس کا مطلب انکار نہ ہوگا، بلکہ یہ کہ قرآن عظیم شفا ہے مگر ہمارا طریق استعمال ویسا نہیں جس

(۲) [سورة فصلت: ۴۴]

(۱) [سورة الإسراء: ۸۲]

(۳) [سورة الإسراء: ۸۲]

سے خاطر خواہ فائدہ ہو۔ جیسا قرآن عظیم کی تلاوت یا کتابت سے بطریق حسن ہو سکتا ہے۔ لہذا بزرگان دین کی زبان کہاں اور ہماری زبان کہاں۔ ہماری زبان بروقت ملوث بعصیان رہتی ہے۔

سورہ اخلاص سے مٹی سونا ہو گئی مگر ہماری زبان سے تلاوت ہونے پر بھی سونا نہیں ہوتی، تو تاثیر قرآن کا وہ مطلقاً منکر نہیں معلوم ہوتا۔ عصیان آلود زبان سے پڑھا جائے اس کی تاثیر کا منکر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ اس کی ناہمی ہے۔ بلاشبہ دوا میں اللہ عزوجل نے شفا رکھی ہے دوا کا اثر باذنہ تعالیٰ ضرور ہوتا ہے۔ طبیب حاذق ہونا ضرور نہیں کہ طبیب حاذق استعمال کرے تو فائدہ ہو غیر طبیب حاذق استعمال کرے تو فائدہ نہ ہو۔ اس شخص کے طور پر تو بوعلی سینا، افلاطون، بقراط، مقراط، ارسطو، جالینوس ہی نسخہ لکھیں تو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں، یہ اسکی جہالت ہے۔ اگر وہ لوگوں کو ایسا کہہ کے روکے تو لوگ اس کو پاگل سمجھیں گے، اور کبھی دوا سے نہ رکیں گے۔ مگر آہ از ضعف اسلام آہ۔ آہ افسوس ان بے خبروں پر جو اس بد عقل، بد منش، بے خرد کی اس بے ہودہ مخالفت پر قرآن عظیم سے شفا حاصل کرنے سے رکیں ایسے لوگ سخت بد نصیب ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ. واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے وقت بلند آواز سے تلاوت درست نہیں

(۱۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیین شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جامع مسجد بریلی شریف میں جمعہ کی اذان اول سے خطبہ کے شروع ہونے تک منبر کے قریب کھڑے ہو کر بعض میلادخوان نعت شریف یا شاہ نامہ اسلام یا ذکر شہادت لاؤڈ اسپیکر پر باواز بلند پڑھتے ہیں، اور بعض لوگ تقریر کرتے ہیں، اور اس دوران میں بعض سامعین اس طرح نعرے بلند کرتے ہیں کہ تمام مسجد گونج جاتی ہے۔ اور ایام محرم میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ نماز پڑھنے کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ مجلس عرس میں شرکت دینے کی غرض سے جمع ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ حضور مفتی اعظم ہند صاحب مدظلہ العالی نے سید عباس علی صاحب کو منع فرمادیا تھا اور انھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ حضرت نے مجھ کو منع فرمادیا ہے، اس لیے مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ حضرت کے منع فرمانے کے بعد میں پڑھ سکوں، مگر اسی وقت شفیق احمد جو کہ ماسٹر کے نام سے مشہور ہے وہ قطعاً جاہل ہے شیطان کی طرح آگیا اور اس نے حضرت کے فرمان کی یہ ترمیم کی کہ عباس علی صاحب اذان سے پندرہ منٹ تک پڑھا کریں اور اس کے بعد پندرہ منٹ سنتیں پڑھتے، اور دیگر عبادت کرنے کے لیے چھوڑ دیے جائیں، مگر اس پر بھی عمل نہیں ہوا، جامع مسجد

بریلی میں ہر نماز کی اذان جماعت سے آدھا گھنٹہ پہلے ہوتی اور پندرہ منٹ پہلے صلاۃ ہوتی ہے مگر جمعہ کی صلاۃ خطبہ سے صرف پانچ منٹ پہلے ہوتی ہے، اور نعت خواں یا مقررین حضرات صلاۃ ہونے تک پڑھتے رہتے ہیں اور صلاۃ کے بعد خطبہ تک صلاۃ و سلام بہ آواز بلند مع حاضرین کے پڑھتے ہیں، جامع مسجد بریلی شریف میں اول تو جمعہ کی اذان اول کے بعد سے خطبہ شروع ہونے تک نمازی آتے رہتے ہیں اور سنتیں پڑھتے رہتے ہیں۔ دوسرے کچھ لوگ تلاوت کرتے رہتے ہیں، اور بعض اشخاص صلاۃ التسخیر پڑھتے ہیں، اور بعض لوگ دوسرے وظائف پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں بلند آواز سے پڑھنا یا تقریر کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ اور ان کی بلند خوانی سے نماز میں خلل پڑتا ہے یا نہیں؟۔ اور نماز میں دھیان بٹتا ہے یا نہیں؟۔ اور بلند خوانی والے حضرات اپنے اس عمل سے ثواب حاصل کرتے ہیں یا گنہ گار ہوتے ہیں؟۔ ایک کانپوری مولانا بھی اس دوران میں کبھی وعظ فرماتے ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ آپ بعد نماز وعظ فرمایا کیجیے تو انھوں نے خفا ہو کر فرمایا کہ آپ مجھے منع کرتے ہیں، عباس علی صاحب پر آپ کا کچھ نہیں چلتا۔ بینوا تو جروا

المستفتی محمد شاہ حسن خاں ساکن بریلی شریف، مہذبذخیرہ، ۱۴/۱۳ اگست

الجواب

جس وقت لوگ نماز پڑھتے یا ذکر و تلاوت قرآن کرتے ہوں اس وقت بلند آواز سے قرآن عظیم بھی نہیں پڑھ سکتے، لوگ پہلے وعظ و نصیحت کا وقت مقرر کر لیں۔ ایسا جس وقت کوئی نمازی ذکر شاغل یا قرآن حکیم پڑھنے والا نہ ہو، نہ نعت خواں اور واعظ ضد کریں، نہ ذکر شاغل وغیرہ کہ واعظ و نعت خواں کے لیے وقت نہ دیں، یا واعظ و نعت خواں جمعہ کی نماز کے بعد نعت خوانی کریں، واعظ وعظ کہے، جو ضد کرے گا وہ ظلم کرے گا۔ وقت نماز و ذکر و تلاوت قرآن، بلند آواز سے قرآن خوانی یا وعظ یا نعرہ لگانے والے توبہ کریں، آئندہ اس سے باز رہیں۔ ہر سخن موقع ہر نکتہ مقامے دارد۔ نیکی برباد گناہ لازم والا مضمون نہ ہونے دین۔ واللہ تعالیٰ هو الہادی وهو تعالیٰ اعلم

مسئلہ علم غیب پر فتویٰ کا خلاصہ

از: محقق عصر حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی

صدر شعبہ افتا و ناظم مجلس شرعی الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور
فقیہ فقید المثل اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے آئینہ جمال و کمال، مسند الوقت، حضور سیدی و مرشدی مفتی
اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خدارسیدہ بزرگ، بلند پایہ فقیہ اور بہت ہی عظیم مفتی تھے۔ آپ نے خلق خدا کی رشد و
ہدایت اور تبلیغ دین کے لیے اپنے لیل و نہار وقف کر دیے تھے، پھر بھی کچھ وقت فارغ کر کے گاہے بہ گاہے فتاویٰ
بھی تحریر فرماتے، یہ بھی وقت کا ایک عظیم المیہ ہے کہ آپ کے بہت سے فتاویٰ محفوظ بھی نہ رہے، تاہم جو کچھ محفوظ
ہے، اس سے بھی آپ کی فقہی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اس بے مایہ نے بڑی عجلت میں آپ کے مجموعہ فتاویٰ کی فہرست اور چند فتاویٰ کا سرسری اور بعض کا بہ نظر
غائر مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ آپ کی ذات بابرکات میں خدائے سبح و قدوس نے وہ تمام خوبیاں جمع فرمادی
ہیں جو ایک کامل فقیہ اور ماہر مفتی میں ہوا کرتی ہیں۔ یعنی وسعت مطالعہ، جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت و
ضعف میں امتیاز، شواہد کا احاطہ، متعارض جزئیات میں تطبیق، ترجیح کی قدرت، استخراج کا ملکہ، حالات زمانہ کی
رعایت، اہل زمانہ کے حالات سے آگاہی، مسائل کی عقل و فہم کے لحاظ سے گفتگو، جامع اور بہتر تعبیر، مسائل کے
خلجان کا ادراک اور اس کا شافی حل۔ مختصر یہ کہ علمائے اعلام نے فقہاء کے جو سات طبقات بیان فرمائے ہیں ان
میں سے آپ دوسرے اور تیسرے طبقے کے فقہائے ممتازین و مرتبین کے زمر سے نظر آتے ہیں۔

جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت و ضعف میں امتیاز اور تطبیق و ترجیح کی قدرت:

آپ کے مجموعہ فتاویٰ کا پہلا فتویٰ بحر الرائق کی ایک عبارت سے پیدا کی جانے والی غلط فہمی کو دور کرنے
کے تعلق سے ہے جو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے اس فتوے کے چند ضروری
گوشوں کو نمایاں کرتے ہیں۔

آپ سے سوال ہوا۔

زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحر الرائق

جلد: ۳، ص: ۹۴ میں ہے:

و فی الخانیة و الخلاصة : لو تزوج بشهادة الله و رسوله لا ینعقد لا اعتقاده ان
 النبی صلی الله تعالیٰ علیہ و سلم ینعلم الغیب۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۱، کتاب الایمان)
 فتاویٰ خانیاہ اور خلاصہ میں ہے کہ اگر کسی نے اللہ اور اس کے رسول کو شاہد بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا
 کیوں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔
 اور ایسا ہی بڑا یہ میں ہے، جو اب شافی بادل میں مرمت فرمائیں۔
 اس کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:
 ☆ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔
 ☆ یہ حق ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہ ہوگا، مگر اس کی توجیہ صحیح نہیں، ضعیف ہے، مرجوح
 ہے، موول ہے، ظاہر پر ہرگز محمول نہیں۔

(مسئلہ صحیح ہے):

یہ مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کی صورت میں نکاح
 نہ ہوگا، اس کو حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے تشفی بخش انداز میں سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:
 مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا اور رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ
 شرط العقاد نکاح گواہوں کا حاضر رہنا ہے۔ حدیث میں ہے: لا نکاح الا بشہود مردوں یا ایک مرد و عورتوں کا حضور شرط ہے، جو عاقل و بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔
 وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہے، اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں مثلاً کرانا
 کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۶، ۷)

ان چند جملوں میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ صورت مذکورہ میں
 نکاح نہ ہونے کی وجہ اگر یہ ہو کہ رسول گرامی و قاری صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں ہے تو اللہ عزوجل کی
 شہادت سے نکاح ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ وہ یقیناً عالم الغیب والشہادۃ ہے، حالاں کہ اس کو شاہد بنانے سے نکاح
 نہیں ہوتا۔ یوں ہی کرانا کاتبین وغیرہ فرشتوں کی شہادت سے بھی نکاح ہو جانا چاہیے تھا، کیوں کہ وہ انسان کے
 ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اقوال و افعال، و حرکات و سکنات کا بخوبی علم بھی رکھتے ہیں، حالاں کہ ان کو شاہد
 بنانے سے بھی نکاح نہیں ہوتا، اس لیے ثابت ہوا کہ نکاح نہ ہونے کی بنیاد عدم علم پر نہیں، بل کہ کسی اور چیز پر
 ہے، اور وہ ہے محسوس شکل میں گواہوں کا مجلس نکاح میں حاضر ہونا۔ اس شرط کی حکمت و ہابی سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن

الحمد للہ ہم اہل حق خوب سمجھتے ہیں کہ شریعت طاہرہ نے یہ شرط لگا کر ایک بہت بڑے فتنے و فساد کا دروازہ بند فرما دیا ہے، ورنہ لڑکے لڑکی، مرد و عورت بالکل آزاد ہوتے، جب چاہتے یہ کہ، کرنا جائز طور پر ساتھ ہو جاتے کہ ہم نے خدائے پاک، یا کرانا کاتبین کی شہادت سے باہم نکاح کر لیا ہے، پھر جب چاہتے طلاق کا دعویٰ کر کے الگ ہو جاتے۔ پھر کیا ہوتا؟ دنیا سے امان اٹھ جاتا اور نسب کا تقدس محفوظ نہ رہ جاتا۔ اس حکمت بالغہ اور مصلحت مہمہ کی بنیاد پر شریعت نے حضور شہود کی شرط لگائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے نکاح کو غیر منعقد قرار دیا۔ وہابیوں نے موقع غنیمت جانا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسے تحقیق علم رسالت کی دلیل بنا دیا، مگر ہزار بار حمتیں نازل ہوں حضور سیدی مفتی اعظم پر کہ صرف چند جملوں میں آپ نے اس مسئلے کی ایسی نقاب کشائی فرمائی کہ وہابیہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کی بنیاد ہی مسمار ہو گئی۔

ماہر مفتی کی ایک امتیازی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے جواب میں خاص اس اشتباہ کو حل کرنے پر خصوصی توجہ دیتا ہے جو سائل اور عوام الناس کے لیے خلیجان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے اُسے سوال کے مضمرات میں سائل کی دکھتی رگ کو تلاش بھی کرنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کی عقل و فہم کے اندازے سے آسان یا دقیق، مختصر یا مطول ایسا جواب بھی دینا ہوتا ہے جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے تشفی بخش بھی ہو، یا سائل معاند ہے تو مسکت ہو اور فتوے کو اپنے یا پرانے کے لیے بے جا استعمال نہ کر سکے، اس لیے ہم لوگ اپنے فتاویٰ میں اس کا التزام کرتے ہیں مثلاً اگر اس طرح کا سوال آتا ہے کہ:

شیعہ مذہب کے امام کے پیچھے سنی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

تو جواب اس طرح لکھا جاتا ہے کہ:

دیوبندی، وہابی، قادیانی، رافضی وغیرہ بد مذہبوں میں سے کسی بھی بد مذہب کے پیچھے سنی کی نماز نہ ہوگی۔

تاکہ کوئی دیوبندی فتوے کا سہارا لے کر سنی شیعہ کو یا وہابی سنی اور دیوبندی کو لڑا نہ سکے اور خود کنارے کھڑا ہو کر تماشا دیکھے۔ فتاویٰ مصطفویہ میں ایسے فتاویٰ کے بہت سے شواہد ہیں، انہیں میں سے زیر بحث یہ فتویٰ بھی ہے کہ حضرت نے چند جملوں میں جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ سائل کی دکھتی رگ کا شافی علاج بھی ہے اور اگر وہ معاند وہابی ہو تو خاموش کن جواب بھی۔ اور بہر حال مسئلے کے اصل خدو خال کو واضح کر کے عوام اہل سنت کو کسی غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچالیا ہے۔

مسئلے کی توجیہ صحیح نہیں:

رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت پر نکاح نہ ہونے کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنانے والا، آپ کو غیب داں ماننے کی وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح مسلم کے ساتھ نہیں

ہوتا۔

(الف) پہلی وجہ تو وہی ہے جو گزر چکی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا اعتقاد اگر قائل کے نزدیک کفر ہے تو اللہ عزوجل کی غیب دانی کا اعتقاد تو کفر نہیں، وہ تو یقیناً قائل کے نزدیک بھی عالم الغیب والشہادۃ ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی شہادت میں نکاح منعقد ہو جائے، حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں۔ یوں ہی کرانا کاتبین کی شہادت میں بھی نکاح کا انعقاد تسلیم کر لینا چاہیے کیوں کہ وہ حضرات ضرور طرفین کے ایجاب و قبول کو سنتے جانتے ہیں بلکہ نوٹ بھی فرماتے ہیں اور یہ اعتقاد بھی قائل کے نزدیک کفر نہیں تاہم ان کی شہادت پر کوئی بھی نکاح کے منعقد ہونے کا قائل نہیں۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کی عطا سے غیب داں نبی ہیں۔ یہ قرآن حکیم کی کثیر آیات اور بے شمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے، یہی فقہائے کرام، ائمہ اعلام اور جملہ اہل حق، اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ قدیم زمانے میں ایک گمراہ فرقہ معتزلہ اس کا مخالف رہا ہے مگر ان کی مخالفت اہل حق کے اجماع اور کتاب و سنت کے واضح نصوص کے مقابل قطعی بے اثر ہے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مطلب نفیس کی وضاحت کے لیے بڑے اختصار کے ساتھ صرف دس آیات قرآنیہ اور دس احادیث نبویہ سے استناد کیا ہے، جن سے روز روشن کی طرح حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

صحابہ و اہل بیت حضرات اور عرفا و علمائے دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیاء اولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۹)

پھر جمع النہایہ، فتوحات وہبیہ، صاوی حاشیہ جلالین، تفسیر نیشاپوری، مدارج النبوة، درۃ الغواص، الجواہر و الدرر، فتوحات مکیہ، الشفا بتعريف حقوق المصطفى، مثنوی مولوی معنوی، تفسیر روح البیان اور نسیم الریاض سے سرکار علیہ التحیۃ والثنا کی غیب دانی کے ثبوت کے تعلق سے صریح عبارات نقل فرمائی ہیں، جن سے یہ امر بہ خوبی عیاں ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ حضور داناے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا اعتقاد ایمان کی سلامتی کے لیے ضروری ہے اور مطلقاً آپ کے علم غیب کا انکار کفر ہے کیوں کہ یہ قرآن حکیم کے نصوص قطعیہ کا انکار و تکذیب ہوگا، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ معاذ اللہ آپ کی غیب دانی کا اعتقاد کفر ہو جائے اور اس کی وجہ سے نکاح باطل قرار پائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتوے کے آغاز میں ہی یہ واضح فرمادیا کہ:

زید بے قید کا حضور عالم ماکان و مایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلق انکار کفر مبین ہے

کہ یہ قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۱)

پھر آیات واحادیث اور ارشادات علما سے دلائل وشواہد کا ایک تسلسل قائم فرمادیا۔

(ج) صاحب بحر الرائق نے وہ مسئلہ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے نقل کیا ہے حالانکہ امام قاضی

خاں رحمۃ اللہ علیہ نے خود کفر کا علم نہیں دیا ہے اس لیے صاحب بحر سے یہاں خانیہ کی ترجمانی میں یہ تقاضا سے بشریت لغزش ہوئی۔ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرمائی:

امام فقیہ النفس قاضی خاں رضی اللہ عنہ نے اپنے فتاویٰ (جلد اول، ص:) میں فرمایا:

رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِشَهَادَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ كَانَ بَاطِلًا لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشَهْوِدِ وَبَعْضُهُمْ جَعَلُوا ذَلِكَ كُفْرًا، لِأَنَّهُ يُعْتَقَدُ أَنَّ الرَّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ:

(ترجمہ: کسی شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی شہادت سے نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہوگا، اس لیے

کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: گواہ حاضر نہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا اور بعض نے اسے کفر قرار دیا کہ نکاح کرنے والا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا اعتقاد رکھتا ہے۔)

امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے، بل کہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرا دیا، اس کے

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۷)

ضعف کا اشعار فرمادیا۔

اس عبارت سے صاف عیاں ہے کہ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نکاح نہ ہونے کی وجہ عدم

حضور شہود بتائی ہے جو بلاشبہ ایک بے غبار استدلال ہے۔

ہاں بعض نے علم غیب رسول کے اعتقاد کو کفر قرار دے کر نکاح کو باطل مانا مگر وہ بعض مجہول ہیں ممکن ہے

وہ بعض معتزلی ہوں جن کا عقیدہ ظاہر کتاب و سنت کے خلاف ہے، اس لیے یہ توجیہ صحیح نہیں قرار دی جاسکتی۔ نہ

اس کا انتساب امام قاضی خاں کی طرف کیا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خلجان واقع ہو کر پھر امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کیوں

نہیں فرمائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض الناس کے اس کلام کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے لیے بغیر اللہ عزوجل کی عطا کے علم غیب کا اعتقاد کفر ہے جسے علم غیب ذاتی کہا جاتا ہے، اس لیے اس کی تردید

سے گریز کیا مگر چونکہ یہ توجیہ واقع میں دوسرے مسائل سے منقوض ہے اس لیے بعضہم جعلوا فرما کر اس

کے ضعیف ہونے کا اشارہ فرمادیا۔ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اس میں بعض مجاہدیل نے یہ اضافہ کیا کہ۔ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا۔ کیوں کہ وہ معتقد علم غیب

رسول ہوا، ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہدین معتزلی ہوگا، اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔ پھر یہ تاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے، کہ علم ذاتی ہی نہیں ہوتا، دوسری قسم علم عطائی بھی ہے۔ لہذا جب یہ احتمال ہے تو (رسول کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والوں کو) کافر نہیں کہہ سکتے، اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں ہو سکتی۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۷)

اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ:

☆ بحر میں امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف تکفیر کی جو نسبت کی گئی ہے وہ صحیح نہیں، یہاں صاحب بحر سے لغزش ہوئی ہے۔ اور امام قاضی خاں نے قول بعض کی تردید سے سکوت اس لیے اختیار فرمایا کہ اس میں تاویل کی گنجائش تھی۔

☆ نکاح نہ ہونے کے تعلق سے بعض کی یہ توجیہ ضعیف ہے اس کا اشارہ امام قاضی خاں کے کلام میں موجود ہے۔

☆ علم غیب رسول کا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر قرار دینا درست نہیں ہے کیوں کہ مسلمان اپنے رسول کے لیے علم غیب عطائی کا عقیدہ رکھتا ہے، نہ کہ علم غیب ذاتی کا، اس لیے یہاں اس کا عین امکان ہے کہ نکاح کرنے والے کی نیت علم غیب عطائی ہو۔

(د) زید نے بحر کی عبارت پیش کر کے یہ بھی کہا ہے کہ:

اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۱)

جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ فتاویٰ بزازیہ میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے عقیدے کو کافر قرار دیا گیا حالانکہ ایسا نہیں اس لیے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فریب کو بے نقاب کرنے کے لیے فتاویٰ بزازیہ کی اصل عبارت ہی نقل فرمادی تاکہ ہر انصاف پسند خود فیصلہ کر لے کہ یہ بات بے بنیاد ہے۔

آپ رقم طراز ہیں:

فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف بہ ابن بزاز کردری میں فرمایا:

تزوجها بشهادة الله تعالى ورسوله عليه الصلاة والسلام لا ينعقد - ويخاف عليه الكفر، لانه يوهم انه عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب، وعنده مفاتيح الغيب الآية -

وما اعلم الله تعالى لخيار عباده بالوحي والالهام، لم يبق بعد الا اعلام غيباً

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہ ہوگا)

اور اس پر کفر کا اندیشہ ہے اس لیے کہ وہ اس بات کا ایہام پیدا کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم (ذاتی) رکھتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم میں ہے غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں

ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو غیب کا علم و حیا اور الہام کے ذریعہ عطا فرمایا ہے مگر اس کے عطا فرمانے کے بعد وہ (مفاتیح الغیب) کا غیب مخصوص نہیں رہ جاتا یخاف علیہ الکفر (یعنی اندیشہ کفر کے لفظ) نے صاف کر دیا کہ مراد امام بزاز کی علم ذاتی ہے کہ اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو یخاف (یا اندیشہ) نہ فرماتے۔ اور ما علم اللہ تعالیٰ بالوحی والالہام بخیار عبادہ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو وحی اور الہام کے ذریعہ علم غیب عطا فرمایا ہے) کہ، کر خیار عباد کے لیے من جانب اللہ وحی اور الہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔

لہ یبق غیباً میں غیب سے امام کی مراد غیب ذاتی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ بعد اعلام وہ غیب باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۷، ۸)

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقتباس سے درج ذیل امور کا افادہ فرمایا ہے:

☆ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے اعتقاد کو کفر نہیں قرار دیا ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے آپ کے لیے اور دوسرے خیار عباد کے لیے علم غیب کا اعتراف کیا ہے۔

☆ ہاں یہ فرمایا ہے کہ نکاح کرنے والے کے کلام سے حضور کے لیے علم غیب ذاتی کا ایہام ہوتا ہے، اس لیے اندیشہ کفر ہے۔

کہاں ایہام اور کہاں اعتقاد، دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔ یوں ہی کفر اور اندیشہ کفر میں بھی واضح فرق ہے، جسے ہر صاحب عقل سمجھتا اور مانتا ہے، پھر ایہام کو اعتقاد اور اندیشہ کفر کو کفر قرار دینا کھلی ہوئی خیانت اور بددیانتی ہے، جو کسی وہابی سے ہی متصور ہو سکتی ہے۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ نکاح کا گواہ اللہ اور رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی جاہل ہی بنا سکتا ہے اور جاہل کو علم ذاتی و عطائی کا فرق معلوم نہیں ہوتا، اس لیے اس کے کلام سے علم ذاتی کا ایہام ہو سکتا ہے لہذا اسے ایسے قول سے اجتناب کا حکم دیا جائے گا، مگر اس کی جہالت کی بنیاد پر اس کو کفر قرار دینا زیادتی ہے۔

☆ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے اللہ عز و جل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کرنے پر دو احکام صادر فرمائے ہیں:

(۱) لا ینعقد - نکاح نہ ہوگا۔

(۲) ویخاف علیہ الکفر - اور نکاح کرنے والے پر اندیشہ کفر ہے۔

اس عبارت میں غور فرمائیے، وہ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ نکاح نہ ہونے کی وجہ اندیشہ کفر ہے، بل کہ یخاف علیہ الکفر فرما کر الگ سے ایک حکم جاری کر رہے ہیں، پھر کفر کا اندیشہ یا ایہام نکاح نہ ہونے کی وجہ

بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے امام ابن بزاز کردری کی طرف تکفیر کی وہ نسبت غلط ہے اور عقیدہ علم غیب رسول کو نکاح نہ ہونے کی وجہ بنانا قطعاً مرجوح ہے۔

(۵) درمختار میں ہے:

تزوج بشهادة الله ورسوله لم یجز ، بل قیل : یکفر۔

(اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا، بل کہ کہا گیا کہ تکفیر کی جائے گی۔ اس قیل نے ضعف و مرجوحیت تکفیر کا اشعار فرمایا۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۸)

اس عبارت کو نقل فرما کر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ ذہن دیا ہے کہ صاحب درمختار نے بعض الناس کے اس قول کو قیل سے نقل کیا ہے، جو اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے، پھر انھوں نے بھی اسے نکاح نہ ہونے کی دلیل کے طور پر نہیں ذکر کیا، جس سے صاف عیاں ہے کہ اسے دلیل بنانا صحیح نہیں۔

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ملقط، فتاویٰ حج، فتاویٰ تارخانہ، ردالمحتار حاشیہ در مختار اور سل الحسام الہندی سے اس مضمون کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں کہ اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے، اس لیے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

(ملاحظہ ہو، فتاویٰ مصطفویہ: ص: ۸)

پھر یہ افادہ فرمایا کہ ہدایہ، تجنیس، اور ہندیہ میں تو اس قول کو بالکل ہی ترک فرمادیا، یعنی اسے قابل ذکر نہ سمجھا، جس سے نہ صرف اس کے ضعف، بل کہ بطلان کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

(ملاحظہ ہو فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۸)

(و) اخیر میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اس بات پر نص صریح فرما کر حجت تمام فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کرنے والا کافر نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جو شک و شبہ سے بالاتر ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

مضمرات، خزائنہ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے:

والصحيح انه لا يكفر ، لان الانبياء عليهم الصلاة والسلام يعلمون الغيب وتعرض عليهم الاشياء ، فلا يكون كفراً۔

اور صحیح یہ ہے کہ (بے شک) بہ تحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا اس لیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں تو ان کے لیے علم غیب کا اعتقاد کفر نہ ہوگا۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۹)

جب یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیب داں ماننے والا کافر نہیں، یہی صحیح ہے تو اس کے خلاف حکم جاری کرنا غیر صحیح ہوا۔

خلاصہ مباحث:

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

(۱) کسی شخص نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نکاح کا گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ

ہوگا کیوں کہ نکاح کے لیے یہ شرط ہے کہ گواہ مجلس نکاح میں محسوس شکل میں حاضر ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔

(۲) بعض مجہول اہل علم نے نکاح نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ رسول کو گواہ بنانے والا ان کو غیب داں ماننے کی

وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح کسی بھی مسلمان کے ساتھ باطل ہے۔

(۳) مگر کثیر آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ و ارشادات فقہا و تصریحات علماء و عرفا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کا غیب داں ہونا ثابت ہے، اس لیے عقیدہ علم غیب رسول کو مطلقاً کفر قرار دینا باطل ہے۔

(۴) لیکن چوں کہ ہمارے کچھ فقہانے اسے نقل فرما کر اس کی تردید نہ فرمائی اس لیے اس قول کی یہ تاویل کی

جائے گی کہ یہ حکم علم غیب ذاتی پر محمول ہے تاکہ ایک صاحب عقل کے کلام کو ممکن حد تک لغو ہونے سے بچایا جا

سکے۔

(۵) لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنے رسول کے لیے علم غیب ذاتی کا عقیدہ نہیں رکھتا، بل

کہ خدائے قدیر کی عطا سے ہی آپ کو غیب داں مانتا ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نکاح کا

گواہ بنانے والا کافر نہیں اور اس کا عقیدہ علم غیب کتاب و سنت کے مطابق ہے۔

(۶) صاحب فتاویٰ بزازیہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ نکاح کرنے والے کے قول مذکور سے علم غیب ذاتی

کا ایہام ہوتا ہے، اس لیے اس پر ایہام کا حکم جاری ہوگا، نہ کہ اعتقاد کا، مگر یہ ایہام بھی کسی بڑے جاہل سے ہی

متصور ہو سکتا ہے۔

(۷) اور بہر حال عقیدہ علم غیب رسول کو نکاح نہ ہونے کی وجہ بتانا ضعیف و مرجوح ہے ورنہ لازم آئے گا کہ

اللہ عزوجل اور فرشتوں کی شہادت میں نکاح منعقد ہو جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۸) صاحب بحر سے بہ تقاضاے بشری امام فقیہ النفس قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کی ترجمانی میں

لغزش واقع ہوئی ہے، اس لیے اسے حجت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ وہ فتویٰ یہ ہے

(۴) علم غیب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا

(۱۲) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب کو نہیں جانتے تھے، اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ
بحر الرائق جلد ۳ ص ۹۴ مطبوعہ مصر میں ہے:

”وفي الخبائية والخلصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد
ويكفر؛ لا اعتقاده أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يعلم الغيب. اهـ“
اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے۔ جواب شافی بالدلیل مرحمت فرمائے جاویں۔ فقط بینوا تو جروا۔

الجواب

زید بے قید پُر از مکرو کید بدترین وہابی لعین ہے، اس کا حضور پر نور، شافع یوم النور، ایمان جان،
جان ایمان، عالم ماکان وما یکون، سرور عالم و عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر
مبین ہے، قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے، قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے:

﴿تَلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ﴾ (۱) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہاری طرف وحی فرماتے
ہیں۔ اور ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ (۲) یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔

اور ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ (۳)
اللہ اس لیے نہیں کہ اے عامۃ الناس خود تمہیں غیب پر مطلع فرمادے اور لیکن اللہ (اس کے
لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ اور ﴿عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا
مَنْ أَرَادَ أَنْ يُرْسِلَ﴾ (۴) خدا کسی کو غیب پر مسلط نہیں فرماتا مگر رسول مرتضیٰ کو۔

اور ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ (۵)
خدا نے سکھا دیا تمہیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے (غیب و شہادت سے) اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے۔

(۱) [سورة هود: ۴۹] (۲) [سورة التكرير: ۲۴]

(۳) [سورة آل عمران: ۱۷۹] (۴) [سورة الجن: ۲۶] (۵) [سورة النساء: ۱۱۳]

اور ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱)

ہم نے یہ کتاب تم پر اتاری ہرشی کے روشن تر بیان کو۔

اور ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ (۲)

وہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہرشی کے علیم ہیں۔

اور ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (۳)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں: ما بین ایدیہم وما خلفہم کو۔

اور ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَم﴾ (۴)

اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھا دیا جو نہ جانتے تھے۔

وغیر با آیات شریفہ اس لعین کا یہ ملعون انکار احادیث شریفہ کثیرہ بشیرہ شہیرہ کا انکار ہے۔ حدیث میں ہے:

((إن الله قدر فع لي الدنيا، فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم

القيامة كأنما أنظر إلى كفي هذه.)) (۵)

بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی (میرے پیش نظر فرمادی) تو میں اسے اور جو کچھ

اس میں روز قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس کف دست مقدس کو۔

اور حدیث میں ہے:

((أخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل أهل الجنة منازلهم، وأهل النار

منازلهم.)) (۶)

ہمیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے

اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔

(۱) [سورة النحل: ۸۹] (۲) [سورة الأنعام: ۱۰۱]

(۳) [سورة البقرة: ۲۵۵] (۴) [سورة العلق: ۵]

(۵) [مجمع الزوائد، باب إخباره بالمغيبات: ۲۸۷/۸]

(۶) [صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، حديث: ۳۱۹۲-۷۸۳/۲]

اور حدیث میں ہے:

((إن الله زوى لي الأرض فرأيت مشارقها ومغاربها)) (۱)
تحقیق اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو
ملاحظہ فرمایا۔

اور حدیث میں ہے:

((تجلی لي كل شيء وعرفت)) (۲)
ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور میں نے پہچان لی۔

اور حدیث میں ہے:

((علمت ما في السموات والأرض)) (۳)
میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔

اور حدیث میں ہے:

((قطرت في حلقي قطرة فعلمت ما كان وما يكون)) (۴)
میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکایا گیا تو میں نے جان لیا ماکان وما یكون کو (جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ
ہونے والا ہے سب کو)۔

اور حدیث میں ہے:

((ما من شيء كنت لم أره إلا وقد رأيته في مقامي هذا حتى الجنة والنار)) (۵)
جو چیز میں نے دیکھی تھی اسے میں نے اسی جگہ دیکھ لیا یہاں تک جنت و دوزخ بھی۔ (مترجم)

اور حدیث میں ہے: ((تجلی لي ما بين السماء والأرض)) (۶)

(۱) [مشكاة المصابيح: باب فضائل سيد المرسلين: ۵۱۲]

(۲) [مشكاة.. باب الستر، ص: ۷۲]

(۳) [مشكاة. باب المساجد ومواضع الصلاة، ص: ۷۰]

(۴) [تفسير روح البيان: سورة الأنعام: ۵۲-۳/۳۵]

(۵) [نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الصلاة، حديث: ۲۹۱۱-۲۳۶/۲]

(۶) [مشكاة المصابيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة: ۷۲]

زمین و آسمان کی ہر چیز مجھ پر ظاہر ہوگئی۔ (مترجم)

اور حدیث میں ہے:

((علمت ما بین المشرق والمغرب.)) (۱)

میں نے مشرق و مغرب کے درمیان کی ہر چیز کو جان لیا۔ (مترجم)

اور حدیث میں ہے:

((أخبرنا بما كان وبما هو كائن فأعلمنا أحفظنا.)) (۲)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ماکان و مایکون (گذشتہ و آئندہ) کی خبر دی، لہذا

زیادہ علم والا وہ ہے جس نے اس دن کی بتائی ہوئی باتوں کو زیادہ یاد رکھا۔ (مترجم)

اللہ عزوجل بار بار ارشاد فرمائے:

ہم نے رسول کو غیب کی خبریں دیں۔

ہم نے رسول مجتبیٰ کو غیب پر مطلع فرمایا۔

رسول مرتضیٰ کو غیب پر مسلط کر دیا۔

اور رسول کو سکھا دیا جو کچھ وہ نہ جانتے تھے۔

اور ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

ہم نے رسول پر وہ کتاب اتاری جو ہر شی کا روشن بیان ہے۔

ہمارا رسول ہر شی کا علیم ہے۔

ہمارا رسول ”ما بین ایدیہم“ (ابتدائے آفرینش سے) اور ”وما خلفہم“

(روز آخر تک) جانتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارہا اعلان سے فرمائیں: میں اپنی کف دست مبارک کی طرح

دنیا و مافیہا تار و زقیا مت سب کو دیکھ رہا ہوں۔

میں جو کچھ آسمانوں زمینوں میں ہے سب کو جانتا ہوں۔

میں ہر شی کو پہچانتا ہوں۔

(۱) [سنن الترمذی : باب سورة ص - ۵ / ۲۲۰]

(۱) [صحیح مسلم . کتاب الفتن : ج ۲ ، ص : ۳۹۰]

برہن پر روشن ہو گئی ہے۔

کوئی چیز جو میری دیکھی نہ تھی وہ ایسی باقی نہ رہی جو میں نے اس مقام میں دیکھ نہ لی۔
جو کچھ مشرق و مغرب میں ہے سب کو میں نے جان لیا۔

مگر بے ایمان و باہبی نہ رسول کے فرمانے پر یقین لاتا ہے، نہ خدا کے ارشاد پر ایمان۔ وہ کافر دونوں سے کفر کرتا ہے اور بکے جاتا ہے کہ رسول غیب کو نہیں جانتے تھے۔ اور بے ایمانی اور دھوکے اور فریب سے ان نصوص کو اپنی برہان بناتا ہے جن میں علم ذاتی مراد ہے۔ اس سے کہو کہ بے ایمان عبارت میں ”الغیب“ سے مراد علم ذاتی ہے۔ اور یہ تیری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو اسے بھی مطلقاً علم غیب کا انکار سمجھتا ہے۔ تو تو (بحر الرائق) پر ایمان رکھتا ہے، مگر رسول کے فرمان اور اللہ عز و جل کے قرآن کا منکر ہے۔ اللہ و رسول۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے ارشاد و فرمان کے آگے بحر کی عبارت پیش کرنا، اس کے بھروسہ رسول کے علم سے مطلقاً انکار کرنا، یہ تیرے ہی جیسے بے حیا، بے ایمان کا ملعون کام ہے۔

اے لعین! تو ان ملعون منافقوں کی طرح قرآنی فتوے سے کافر ہے جنہوں نے بکا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلاں کا ناقہ فلاں وادی میں ہے اور انہیں غیب کی کیا خبر، وہ غیب کیا جانیں۔ اور پھر منکر ہو گئے اور جھوٹے بہانے بنانے لگے جس پر قرآن عظیم کا وہ قہری فتویٰ نازل ہوا اور جتایا گیا:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ. لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ (۱)

اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے ہنستے ہو۔ بہا۔ نے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

منافقوں نے بھی تو یہی بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے، وہ غیب کیا جانیں، انہیں غیب کی کیا خبر۔ اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا: کہ تم اللہ اور قرآن اور رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔ اسی پر تو واحد قہار نے ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کو کہ: ہم تو یوں ہی ہنس بول رہے تھے، فرمایا: کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ، بے شک تم کافر ہو چکے بعد (اظہار) ایمان کے۔

آمنّا باللّٰہ الرحمن ورسولہ والقرآن۔

ہم مسلمان آیات قرآن و احادیث نبی ذیشان پر ایمان رکھنے والے باتجاع قرآن اس وہابی بے ایمان کے کفر پر حکم کرتے ہیں جس نے کہا: رسول غیب کو نہیں جانتے تھے۔

اور جس نے لکھا:

یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔ (۱)

اور بکا کہ:

دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (۲)

اور بک دیا:

کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ:

اللہ و رسول ہی جانیں، کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر۔ (۳)

اور لکھا:

کسی انبیاء، اولیا، یا امام، یا شہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے

ہیں، بلکہ حضرت پیغمبر صاحب کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے۔ (۴)

اور لکھا:

جو کہتے ہیں کہ علم غیب جمیع اشیا آں حضرت کو ذاتی نہیں بلکہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔ سو محض باطل

اور خرافات سے ہے۔ (۵)

اور لکھ دیا:

جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں

، نہ نبی کو، نہ ولی کو، نہ اپنا حال، نہ دوسرے کا۔ (۶)

(۱) [فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲ ص ۱۰]

(۲) [براہین قاطعہ، ص: ۵۱]

(۳) [تقویۃ الایمان، ص: ۶۶]

(۴) [تقویۃ الایمان، ص: ۳۰]

(۵) [فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ / ص / ۳۶]

(۶) [تقویۃ الایمان ص / ۳۱]

اور لکھا:

اللہ کا سا علم اور کسی کے لیے ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی الہتہ مشرک ہو جاتا ہے، خواہ یہ عقیدہ انبیا اولیا سے رکھے، خواہ پیر و شہید سے، خواہ امام و امام زادے سے، خواہ بھوت و پری سے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے، خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (۱)

اور ہر چہ ائمہ مذاہب اور جملہ علما پرافتر کرتے ہوئے بکا:

اس میں ہر چہ ائمہ مذاہب جملہ علما متفق ہیں کہ انبیا علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں۔ (۲)

غیب کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، نہ فرشتہ، نہ آدمی، نہ جن۔ (۳)

اللہ اللہ۔ اللہ عز و جل اپنے حبیب و محبوب، طالب و مطلوب، داناے غیوب کو علم غیب عطا فرمائے، اور اپنی کتاب مجید میں اس عطا کا اعلان فرمادے، اور جو ملعون یہ بکے: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب کیا جانیں، اس کے کفر کا وہ قہری فتویٰ دے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار بر سر مجالس خطبات میں اپنے رب کی اس عظیم نعمت کا اظہار فرمائیں، اور طاعنین کا رد ”علی رؤس الاشهاد“ ارشاد فرمائیں۔
حدیث میں ہے:

((قام علی المنبر فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: ما بال أقوام طعنوا في

علمي، لا تسئلوني عن شيء فيما بينكم وبين الساعة إلا نبأتكم به)) (۴)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام من ربہ العزیز الودود الغفور نے منبر مقدس پر قیام فرمایا، اللہ عز و جل کی حمد و ثناء بیان فرمائی پھر فرمایا: کیا حال ہے ان اقوام کا جو میرے علم شریف میں طعن کرتی ہیں، تم مجھ سے نہ پوچھو گے کسی شی کو جو تمہارے اور قیامت کے درمیان ہے مگر یہ کہ میں تمہیں اس سے خبردار فرما دوں گا۔

مگر وہابی مردود، منافق مطرود کی طرح یہی بکے جائے کہ انہیں غیب کی کیا خبر، وہ علم غیب کیا جانیں۔ رسول غیب نہیں جانتے تھے۔ ﴿قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (۵)

(۱) [تقوية الايمان، ص: ۱۰] (۲) [مسئله علم غیب، ص: ۲]

(۳) [تقوية الايمان، ص]

(۴) [تفسير البغوي: سورة آل عمران، ۱/ ۵۴۵]

(۵) [سورة التوبة: ۳۰]

آیات و احادیث جن سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے علم غیب کا ثبوت ہے، اور بھی ہیں، مگر وہ بابیہ کے دس انکار کے مقابل دس آیات و احادیث پر بس کریں۔

مشہور ہے: ”الغریق یتشبث بالحصیث“ ڈوبتا سوار پکڑتا ہے۔

بے ایمان وہابی جب بحر کفر میں غوطے کھانے لگا اور قعر کفر میں ڈوبا تو بچاؤ کے لیے ”بحر الرائق“ کی اس عبارت کو پکڑا، اس مرجوح قول سے سہارا لیا، جس کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح اور آشکارا۔ اور وہابیہ دیوبندیہ کا گرومان چکا کہ:

”شرائط تعارض سے تساوی فی القوۃ ہے، پس جواب میں اتنا کافی ہے کہ رائج کے سامنے مرجوح ساقط و متروک ہے، اور ادب یہ ہے کہ مرجوح میں تاویل مناسب کی جائے“۔ (بسط البنان مصنفہ مولوی) اس مرجوح قول میں مناسب تاویل نہ کرنے والا، اسے اپنی سند بنانے والا، بے ادب گستاخ ہے۔ ساقط و متروک و مرجوح کو قرآن و حدیث کے نصوص کے رد کے لیے پکڑنے والا ہے، اور اپنے ساتھ کفر کے گڑھے میں صاحب بحر کو بھی ڈبا دینے والا ہے۔ اور طائفہ کے گرو گھنٹال کی معقول بات کو بھی رد کر دینے والا ہے۔

جب طائفہ کے استاد جی کو بھی یہ مسلم ہے کہ ایسی جگہ تاویل مناسب کرنی چاہیے، تو لازم تھا کہ بحر وغیرہ علما کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کی مراد علم ذاتی ہے، نہ کہ اس عبارت کو قرآن و حدیث کے رد کے لیے لے دوڑا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ کیا یہ علما، دین کے ائمہ جن کی وسعت نظر ہم جیسوں کے حسابوں سے بے انتہا۔ جس کی حد تک ہمارا مرغ و ہم بھی پرواز نہ کر سکے۔ تو یہ کیا کوئی سلیم الحواس ادنیٰ عالم بھی ان آیات و احادیث پر جس کی نظر ہو وہ مطلقاً انکار علم غیب برائے انبیاء کر سکے گا۔ ”لا الہ الا اللہ آمننا برسول اللہ“۔ کیا کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والے کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ اکابر ان آیات و احادیث پر نظر نہ رکھتے تھے۔ یا ان کو دیکھتے ہوئے معتزلیوں اور وہابیوں کی طرح ان کو رد کرتے تھے۔ یا یہ کہ ان آیات و احادیث پر نظر تو رکھتے تھے اور یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں تو دیں، انہیں غیوب پر مطلع تو فرمایا، وہ ایسے امور سے واقف تو تھے جن کا بجاہت عقل اقتضائے کرے، جو کسی طرح حواس سے معلوم نہ ہو سکیں، جس تک مرغ عقل کتنا ہی اڑے ہرگز نہ پہنچ سکے، جو بے اعلام الہی معلوم نہ ہو سکیں۔ مگر اسے علم غیب کہنا چاہتے نہ رکھتے تھے، اسے علم غیب اعتقاد کرنے کو کفر ٹھہراتے تھے باوجودے کہ اللہ عزوجل نے اسے غیب ہی فرمایا۔

اور عقلاً بھی یہ ظاہر ہے کہ وہ امور غیب جن کا علم خدا نے بخشا، غائب سے حاضر نہ ہو گئے۔ علم بخشا

نہ کہ غائب کو حاضر اور جو ہو چکا اور جو ابھی تک نہ ہو اسے زمانہ حال میں موجود کر دیا۔ ماکان وما یکون کو معلوم و مشہود فرما دیا۔ نہ کہ خارج میں حاضر و موجود۔ اور ہر کس و ناکس کے لیے مشہود۔ تو علم غیب عطا فرمانے سے غیب غیب ہی رہا شہادت نہ ہو گیا۔ اور اپنے حبیب عالم کے لیے معلوم فرما دینے، اور اپنے محبوب شاہد کے لیے مشہود کر دینے سے غیب شہادت ہو گیا، غیب باقی نہ رہا۔ یہ کہا جائے تو کیا معاذ اللہ یہ جہلا یہ بھی کہیں گے کہ: خدا کو بھی غیب نہیں کہ وہاں تو سب شہادت ہی ہے، اس سے کوئی شی غائب نہیں۔ شہادت وہ ہے جو حواس سے معلوم ہو سکے، وہ موجود کہ ہر ایک کے لیے مشہود ہو سکے، یہ بھی بعطائے الہی ہے اوروں کے لیے۔ ایک ذرہ شہادت کا علم بے عطا بھی دوسرے کو ناممکن۔ جس طرح علم غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہے یوں ہی علم شہادت کے ساتھ، جس طرح علم غیب اس کی صفت ہے یوں ہی علم شہادت۔

قال تعالیٰ: ﴿عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ (۱)

ہر نہاں و عیاں کا جاننے والا۔

اور غیب وہ ہے جو بے اعلام الہی معلوم نہ ہو سکے، جس تک حواس و عقل کی رسائی کسی طرح بے تعلیم الہی نہ ہو سکے، جو ذاتی طور پر خدا ہی کو ہے اور اس کی عطا سے اس کی محبوبوں کو ہوتا ہے، ہر ایک کو نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ شہادت وہ جو ہر ایک کے لیے عقل و حواس سے ظاہر فرما دیا ہے۔ اور غیب جو اس کے ساتھ خاص ہے، اپنے محبوبوں کو اس سے جتنا جتنا چاہا بخشا ہے، اور ان کو نہیں دیا ہے۔ حواس سے معلوم کر لینے پر قادر نہیں کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے مطلقاً انکار غیب یہ عقیدہ باطلہ بعض معتزلہ ہے، اور یہ وہابیوں ہی کا اب سے پہلا نام ہے، اس سے پہلا نام اس طائفہ باطلہ کا خارجی تھا۔ جیسے اب دیوبندی وہابی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، اور نجدی وہابی اپنے آپ کو حنبلی بتاتے ہیں، دیوبندی فقہ حنفی میں کتابیں لکھتے ہیں، اور اس میں اپنے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے مسائل ٹھونسے ہیں۔ یوں ہی معتزلی اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے، اور فقہ حنفی میں تصنیف کیا کرتے، اور اس میں اپنے مذہب اعتراض کی رعایت کرتے ہوئے بعض مسائل ٹھونس دیا کرتے تھے۔ ان ہی مسائل سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ بعض نے اسے اخذ کیا اور ان کے بارے میں حسن ظن یہی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس سے علم ذاتی مراد لیا۔ پھر ان حضرات

صاحب بحر وغیرہ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اپنی تصانیف میں نقل کیا۔

اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض جامع اقوال ہر گونہ اقبال نقل کرتا ہے، مثلاً مجمع الانہر میں لکھا کہ:

”ولو سب ضعاماً بکلمة الجماع یکفر، ولو شتم حیواناً لمأکولات أو

لماء فعند الإمام یکفر وعندهما لا“ (۱)

اگر ما کول اللحم جانور کو کلمہ جماع کے ساتھ گالی دی تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

پھر اس سے اوروں نے نقل کیا، اور ایسا ہوتا ہے۔ تو بعض کا نقل کردہ قول جب کہ اس میں مطلقاً

انکار علم غیب مراد ہو جو معتزلہ کے عقیدہ باطلہ کے موافق ہے، یا اس کا اپنا سہی جب کہ وہ حنفی ہو معتزلی نہ ہو

اس نے ذاتی مراد لیا ہو، اسے دیکھنا اور اسے عطائی پر ڈھالنا اور اکابر علماء، جہانڈہ ائمہ کا اس قول کے ضعف

و مرجوحیت کا جو اشعار فرمایا اسے دیکھ کر ان دیکھا کر لینا کس درجہ حیا داری ہے؟ ولا حول ولا قوۃ

إلا باللہ العلی العظیم۔ نیز اس سے بھی وہابی کا نظر چرانا بلکہ بعض خبثا و ہابیہ کا اس اشعار ذاتی کو بھی مطلقاً

انکار کی سند ٹھہرانا کس قدر ڈھٹائی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا و رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا

کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا موجود رہنا ہے۔

حدیث میں ہے:

((لا نکاح إلا بشہود)) (۲)

مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد و دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ

سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔

وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہو، اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں مثلاً

کرانا کا تبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا، کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی۔ اس میں بعض مجاہیل

نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کا فر ہو جائے گا، کیوں کہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ ظاہر تو

یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔ اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔ پھر یہ بتاویل علم ذاتی

بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا۔ مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ علم ذاتی ہی نہیں

(۱) [مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر کتاب السیر ولا جہاد، ۲/۳۳۶]

(۲) [الجامع للترمذی، ۱۰/۲۱۰]

ہوتا، دوسری قسم علم عطائی بھی ہے، تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے، اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔

امام فقیہ النفس قاضی خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادخلہ فی الجنان نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا:
 ”رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله كان باطلاً“ لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: ((لا نكاح إلا بشهود))، وکل نكاح یكون بشهادة الله وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه یعتقد أن الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم یعلم الغیب“ (۱)
 اگر کسی نے خدا ورسول کی شہادت سے نکاح کیا تو یہ نکاح باطل ہے، اس لیے کہ سرکار فرماتے ہیں: کہ بغیر گواہوں کے نکاح جائز نہیں، جب کہ ہر نکاح رب کی شہادت سے ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے اسے کفر ٹھہرایا ہے، اس لیے کہ ناکح معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ (مترجم)
 امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے، بلکہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرایا، اس کے ضعف کا اشعار فرمادیا۔ فتاویٰ خلاصہ میں یہ مسئلہ دو جگہ لکھا، جلد اول کتاب النکاح میں تو تجرید سے اتنا لکھا: ”لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا یعتقد، وهل یكفر عرف في ألفاظ الكفر.“
 اگر کسی نے اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا۔ (مترجم)
 اور جلد ۲ کتاب الفاظ الکفر میں تحریر فرمایا:

”رجل (عه) تزوج ولم یحضر شاهد فقال:“خدا اور رسول خدا را گواہ کر دم۔“یکفر فی الفتاوی؛ لأنه یعتقد أن الرسول والملك عالم بالغیب بخلاف قوله.“فرشته دست راست را فرشته دست چپ را گواہ کر دم۔“حيث لا یكفر؛ لأنهما یعلمان.“

(عه) اس عبارت میں اگر چہ اشارہ ضعف و مرجوحیت نہیں مگر جب اور علما کے کلام سے یہ ثابت ہے، نیز اس طائفہ وہابیہ کے گروہ نے ملک الموت بلکہ ابلیس کے لیے بھی علم غیب مانا ہے، اور نصوص سے ثابت لکھا ہے۔ تو قطعاً ظاہر کہ اس عبارت میں بھی علم ذاتی ہی مراد ہے، یہ تکفیر بر بنائے علم ذاتی ہے نہ کہ علم عطائی ماننے پر۔ ہم نے یہ عبارت مطبوعہ نسخہ سے نقل کی ہے، ممکن ہے کہ قدیم نسخہ کی عبارت میں ضعف و مرجوحیت کی طرف اشارہ کے الفاظ بھی ہوں، جو اس طبع کرنے والے نے نکال دیے ہوں۔ اس طبع کرنے والے نے چند جگہ الحاق کیا ہے جو نسخہ قدیمہ قلمیہ میں نہیں اور جو عقلاً محض باطل ہے۔ ۱۲ منہ

اگر کوئی شخص شادی کرے اور گواہ موجود نہ ہوں تو وہ کہے کہ میں نے اللہ اور رسول کو گواہ بنایا تو وہ کافر ہے، کیوں کہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول و فرشتہ ہوا۔ اور اگر وہ کہے کہ میں نے اپنے اپنے اور بائیں فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر نہ ہوگا کیوں کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ (مترجم)

فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن محمد شہاب المعروف بابن بزاز کردری میں فرمایا:

”تزوجها بشهادة الله تعالى - جل جلاله - ورسوله - عليه الصلاة والسلام - لا ينعقد، ويخاف عليه الكفر؛ لأنه يوهم أنه عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ الآية - وما أعلم الله تعالى لخيار عباده بالوحي والإلهام لم يبق بعد الإعلام غيباً، فخرج عن حصرين المسنفادين من تقديم المسند والحصر بالآلة. يخاف عليه الكفر.“

اگر کسی نے خدا اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا، اور اس پر اندیشہ کفر ہے، اس لیے کہ وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثبوت علم غیب کا ظن رکھتا ہے، جب کہ قرآن کریم میں وارد ہے کہ اسی (اللہ عزوجل) کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، اور وحی یا الہام کے ذریعہ جو کچھ اللہ عزوجل نے اپنے نیک و پسندیدہ بندوں کو بتا دیا تو وہ اسی اعلام کے بعد غیب نہ رہا، اور وہ ان دونوں حصروں سے خارج ہو گیا جو مسند کی تقدیم اور کلمہ الا سے مستفاد ہیں، نیز اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ (مترجم)

اس نے صاف کر دیا کہ مراد امام بزازی علم ذاتی ہے کہ: اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو یہ بخاف نہ فرماتے اور: ”ما أعلم الله تعالى بالوحي والإلهام لخيار عباده.“ کہہ کر خیار عباد کے لیے منجانب اللہ وحی و الہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔ ”لم يبق غيباً.“ ”پر وہابیہ بہت بغلیں بجاتے ہیں، اور قول بزازی دکھا دکھا کر مسلمانوں کو اکثر فریب میں ڈالا کرتے ہیں۔ مگر ہماری تقریر بالا سے روشن ہو گیا کہ: ”لم يبق غيباً.“ خود اسی طرف مشیر ہے کہ یہاں مراد امام غیب سے غیب ذاتی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیب بعد اعلام باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ علما اہل فہم کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے ایسی قیود ضروریہ اکثر ترک فرما دیا کرتے ہیں جنہیں شرح و محشین ذکر کرتے ہیں۔ ”لم يبق غيباً أي مختصاً بالله تعالى.“

در مختار میں ہے: ”تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز. بل قيل يكفر.“ (۱)

اگر کسی نے خدا اور رسول کی شہادت سے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

اس ”قیل“ نے ضعف و مرجوحیت تکفیر کا اشعار فرمایا۔

علامہ شامی قدس سرہ السامی نے اس قول پر ”ردالمحتار جلد ۲“ میں تحریر فرمایا:

”قال في التارخانية وفي الحجة ذكر في الملتقط أنه لا يكفر؛ لأن الأشياء

تعرض على روح النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وإن الرسل يعرفون بعض

الغيب، قال تعالى: ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَيَّ غَيْبِي أَحَدًا إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ﴾ (۱)

یعنی ”تاتارخانیہ“ اور ”فتاویٰ حجہ“ میں فرمایا: کہ ”ملتقط“ میں ذکر کیا کہ وہ کافر نہ ہوگا، اس لیے کہ

اشیاء روح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں، اور بے شک رسل علیہم السلام بعض غیب کی معرفت

رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَيَّ غَيْبِي أَحَدًا إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ﴾

پھر ”قلت“ لکھ کر مقطع کا بند یہ فرمایا جس نے وہابیہ کو بالکل ہی ذبح کر دیا، ان کی رگ گردن یکسر

قطع فرمادی:

”قلت: بل ذكروا في كتب العقائد أن من جملة كرامات الأولياء الاطلاع

على بعض المغيبات، وردوا على المعتزلة المستدلين بهذه الآية على نفيها بأن

المراد الإظهار بلا واسطة، والمراد من الرسول الملك لا يظهر على غيبه بلا

واسطة إلا الملك، أما النبي والأولياء فيظهرهم بواسطة الملك أو غيره۔ وقد

بسطنا الكلام على هذه المسألة في رسالتنا المسماة ”سل الحسام الهندي لنصرة

سيدنا خالد النقشبندی“ فراجعها، فإن فيها فوائد نفيسة.“ (۲)

یعنی میں کہتا ہوں: بلکہ بعض علما نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ: اولیا کو کرامات سے بعض

مغیبات پر اطلاع ہے، اور ان ائمہ نے معتزلیوں کا رد فرمایا جو اس آیت سے نفی غیب پر دلیل لاتے تھے، کہ

مراد آیت اظہار بلا واسطہ ہے، اور مراد رسول سے ملک ہے۔ یعنی نہیں مسلط فرماتا اپنے غیب پر کسی کو بلا

واسطہ، مگر ملک کو، لیکن نبی اور اولیا تو غیب پر انہیں بواسطہ ملک یا کسی اور واسطہ سے مسلط فرماتا ہے۔ اور بے

(۱) [الدر المختار مع رد المحتار، ۲/۲۰۰]

(۲) (رد المحتار على الدر المختار فروع قال زوجيني ابتك على أن أمرها بيدك: ۲۷/۳)

شک ہم نے اس مسئلہ پر کلام مبسوط کیا ہے اپنے رسالہ ”سل الحسام الہندی نصرۃ سیدنا خالد نقشبندی“ میں تو اس کی طرف مراجعت کرو، اسے دیکھو کہ اس میں فوائد نفیسہ ہیں۔

امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے ”التجنیس والمزید“ اور علمائے کرام اصحاب فتاویٰ عالم گیری نے ”فتاویٰ ہندیہ“ میں اس قول کے ضعف یا بطلان کی طرف اس کے ترک سے اشارہ فرمایا کہ صرف اتنا ہی لکھا:

”من تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لا يجوز النكاح. كذا في التجنیس۔ (۱) وہ ٹکڑا“ لاعتقاده أن النبي عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب.“ چھوڑ ہی دیا۔ ”قیل“ لگا کر بھی نہ لکھا۔

مضمرات و خزانة الروایات اور معدن الحقائق میں ہے:

”والصحيح أنه لا يكفر؛ لأن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام يعلمون الغيب وتعرض عليهم الأشياء فلا يكون كفراً.“
اور صحیح یہ ہے کہ بہ تحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں، اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں۔ تو (ان کو علم غیب کا اعتقاد) کفر نہ ہوگا۔ وہابیہ بحر الرائق کی عبارت ہی دھوکہ کو نہیں دکھاتے، اکثر شرح عقائد و شرح فقہ اکبر و بزازیہ کی عبارتیں بھی فریب دینے کو پیش کیا کرتے ہیں، عبارت بزازیہ تو اوپر گزر چکی۔

شرح عقائد کی عبارت یہ ہے:

”العلم بالغيب تفرد به الله تعالى لا سبيل إليه العباد.“ (۲)
علم غیب باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کہ اس تک بندوں کی رسائی ممکن نہیں۔ (مترجم)
مگر عبارت اتنی ہی نہیں، اس کے ساتھ اسی میں یہ بھی ہے:

”إلا باعلام منه أو إلهام.“

مگر اللہ عزوجل کے بتلانے، یا اس کے الہام کرنے سے۔ (مترجم)
تو یہ عبارت علم عطائی ثابت کر رہی ہے، نہ کہ علم عطائی ماننے والے کو کافر مشرک ٹھہرا رہی ہے۔

(۱) [الفتاویٰ الہندیہ، کتاب النکاح، باب الأول فی تفسیر شرعاً: ۱/۳۴۴]

(۲) [شرح العقائد النسفیة. ۱۷۰]

یوں ہی شرح فقہ اکبر کی یہ عبارت:

”ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 یعلم الغیب.“ (۱)

احناف نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے عقیدہ علم غیب پر کفر کی صراحت فرمائی
 ہے۔ (مترجم)

اتنی پیش کرتے ہیں، اور اس کے متصل اس سے اوپر کا اتنا ٹکڑا ہضم کر جاتے ہیں:

”ثم اعلم أن الأنبياء عليهم السلام لم يعلموا الغيب إلا ما أعلمهم الله
 تعالیٰ أحياناً.“

خیال رہے کہ انبیاء علیہم السلام غیب نہیں جانتے مگر صرف اتنا ہی جتنا اللہ رب العزت نے انہیں
 وقتاً فوقتاً دیا ہے۔ (مترجم)

اس کے بعد ہی وہ عبارت ہے: ”وذكر الحنفية الخ“

اوپر کی عبارت نے روز روشن سے زیادہ واضح و آشکار کر دیا کہ علم عطائی کا اثبات کفر نہیں۔ وہ تو
 عقیدہ اسلامیہ ہے۔ ”ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر الخ.“ میں علم ذاتی ہی کے اثبات پر تکفیر
 ہے۔ علم عطائی تو: ”أعلمهم الله تعالیٰ“ کہہ کر مصنف نے خود مانا۔ تو کیا آگے خود اپنی تکفیر کا ذکر
 کیا۔ و ذکر الحنفیہ الخ.

وہابی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے پیشواؤں کے کلام میں بھی علم ذاتی کے اثبات پر حکم کفر و شرک ہے
 کہ وہابیہ کے پیشواؤں کی عبارتیں جو اوپر گزریں ان میں صاف تصریح ہے کہ علم ذاتی ماننے یا عطائی ہر طرح
 شرک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

کیا معاذ اللہ یہ اکابر علما اور دین کے ائمہ قدیم و حدیث ذات احدیت اور خود اپنے اوپر اپنی
 عبارتوں میں حکم کفر کر رہے ہیں؟ صحابہ و اہل بیت اطہار اور عرفا و علمائے دین کی تصریحات سے آفتاب
 سے زیادہ روشن کہ انبیاء و اولیاء علوم غیب پر مطلع ہیں۔ حضور تو حضور ہیں — صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علی آلہ
 و صحبہ و بارک وسلم۔

جمع النہایہ میں علامہ شنوائی فرماتے ہیں:

”وقد ورد أن الله تعالى لم يخرج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حتى اطلعته على كل شيء.“

اور کتب میں وارد ہوا ہے کہ اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھایا جب تک آپ کو ہر چیز پر مطلع نہ فرمایا۔ (مترجم)۔

فتوحات وہیہ شرح اربعین نوویہ میں ہے

”الحق كما قال جمع أن الله سبحانه وتعالى لم يقبض نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم حتى اطلعته على كل ما أبهمه عنهم إلا أمر بكنتم بعض والإعلام ببعض...“
حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت اس دنیا سے نہ اٹھایا جب تک ہر مبہم چیز آپ پر ظاہر نہ فرمادی البتہ بعض کو ظاہر کرنے اور بعض کو مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔ (مترجم)

علامہ صاوی حاشیہ جلالین زیر آیات کریمہ:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ . قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (۱)

تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ کب ٹھہری تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے اسے وہی اس کے وقت ظاہر کرے گا، بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمینوں میں تم پر نہ آئے گی مگر اچانک تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، لیکن بہت لوگ جانتے نہیں۔ تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔ میں تو یہی ڈرا اور خوشی سنانے والا ہوں انھیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

تحریر فرماتے ہیں:

”قوله: ﴿كَأَنَّكَ حَمِيٌّ عَنْهَا﴾ عن بمعنى الباء، والمعنى: كأنك عالم بها ومتيقن لها، قوله: تأكيد أي لما قبله لبيان أنها من الأمر المكتوم الذي استأثر الله بعلمه، فلم يطلع عليه أحداً إلا من ارتضاه من الرسل، والذي يجب الإيمان به أن رسول الله لم ينتقل من الدنيا حتى أعلمه الله بجميع المغيبات التي تحصل في الدنيا والآخرة، فهو يعلمها كما هي عين يقين لما ورد: ((رفعت لي الدنيا فأنا أنظر فيها كما أنظر إلى كفي هذه))۔ وورد أنه اطلع على الجنة وما فيها والنار وما فيها وغير ذلك مما تواترت به الأخبار، ولكن أمر بكتمان البعض، قوله: ﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبِ﴾ إن قلت: إن هذا يشكل على ما تقدم لنا أنه أطلع على جميع مغيبات الدنيا والآخرة. والجواب أنه قال ذلك توضعاً أو أن علمه بالمغيب كلاً علم من حيث إنه لا قدرة على تغيير ما قدر الله وقوعه، فيكون المعنى حينئذ: لو كان لي علم حقيقي بأن أقدر على ما أريد وقوعه لأستكثر الخ. (۱)

ترجمہ: ﴿گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے﴾ یہاں ”عن“ بمعنی ”بنا“ ہے، مطلب یہ ہے کہ..... گویا تم کو اس کا یقینی علم ہے، امام سیوطی نے یہاں لفظ ”تاکید“ کا اضافہ فرما کر یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے قرآن کریم میں قیامت کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جو خاص فرمایا ہے ﴿قُلْ إِنَّمَا عَلَّمَهَا عِنْدَ رَبِّي﴾ سے ”ذبی“ کی تاکید ہے اور یہ بتانا ہے کہ قیامت کا علم ایک پوشیدہ راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں چھپا رکھا ہے اور اپنے پسندیدہ رسولوں کے علاوہ کسی کو اس پر اطلاع نہیں بخشی۔ چنانچہ اس بات پر ایمان رکھنا لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے جہی تشریف لے گئے جب آپ کو دنیا و آخرت کے تمام علوم غیبیہ سکھادیئے گئے، لہذا آپ کو قیامت کا علم یقینی طور پر حاصل تھا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے لیے دنیا اٹھادی گئی تو میں اس میں ہونے والے واقعات کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو۔ اور یہ بھی متواتر روایتوں میں آیا کہ آپ کو جنت اور اس کی نعمتوں، دوزخ اور اس کی ہلاکتوں اور ان کے علاوہ بہت چیزوں پر آپ کو اطلاع بخشی گئی۔ البتہ بعض کو چھپانے کا حکم ہوا۔

(۱) [حاشیة الصاوي على الجلالين، تفسير سورة الأعراف: ۱۸۷، ۱۸۸، ۱-۵۷۸]

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ اے محبوب! تم فرماؤ کہ اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بھلائی جمع کر لی..... اس پر یہاں ایک اشکال ہے کہ جب آپ کو جمع غیب پر اطلاع دی گئی تو پھر یہ حکم کیوں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ تو اضعاً فرمایا۔ یا یہ کہ تمام غیب کا علم ہوتے ہوئے بھی آپ کو تقدیر الہی کی تبدیلی کی قدرت نہیں دی گئی، لہذا اب مطلب یہ ہوا کہ اگر مجھے اس چیز کا حقیقی علم ہوتا کہ میں اپنے مقصد کے حصول پر مکمل طور پر قادر ہوں تو میں بھلائی جمع کر لیتا۔ (مترجم)

ہاں ہاں اودل بیمار و ہابی جل کر خاک ہو جا، واحد قہار اور زیادہ تجھے دنیا و آخرت میں جلنا نصیب کرے، پھر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ تجھے جلائے، دم بدم تیری جلن زیادہ کرے۔

﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا﴾ (۱)

ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی۔

ہاں ہاں اود یو بندی! اپنی آتش غیظ میں بھن کر کباب ہو جا، اللہ تجھے بھننا رکھے۔

﴿فَيَسُجِّتْكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَى﴾ (۲)

انہیں عذاب سے ہلاک فرما دے گا، اللہ کے دشمنوں کا بدلہ جہنم ہے۔

﴿قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (۳)

تم فرما دو کہ مر جاؤ اپنی اپنی گھٹن میں، اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔

او کذاب مفتری، او بہتان پر جری! تو، تو علمائے اسلام پر اتہام رکھتا ہے، کہ وہ انبیاء کے علم غیب

ماننے والے کو کافر کہتے ہیں۔ مگر ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَائِنِينَ﴾ (۴)

اللہ دعا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔

او کیا دمکار، خائن! تیرا کوئی مکر، چھل، فریب نہ چلا، تیرے مکر، کید، چھل، فریب کی دھجیاں تو اتنی

ہی عبارات علما سے اڑ گئیں۔ آگے اور اپنی بے نور آنکھیں پھاڑ کر دیکھ:

تفسیر نیشاپوری مصری جلد ۳ ص: ۴۴ میں ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ هذا الاستثناء راجع إلى النبي صلى الله

تعالیٰ علیہ وسلم كأنه قيل: من ذا الذي يشفع عنده يوم القيامة إلا عبده محمد صلى

(۱) [سورة البقرة: ۱۰۰] (۲) [سورة طه: ۶۱]

(۳) [سورة آل عمران: ۱۱۹] (۴) [سورة يوسف: ۵۲]

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ويعلم محمد صلى الله تعالى عليه وسلم ما بين أيديهم) من أوليات الأمور قبل خلق الخلائق وما خلفهم من أحوال القيامة“ (۱)
 کون ہے جو اللہ کے نزدیک اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے، یہ استثنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، گویا کہ کہا گیا کہ کون ہے جو قیامت کے دن رب کے حضور شفاعت کرنے سوائے اس کے بندے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخلوقات کی تخلیق سے پہلے کے حالات اور قیامت کے حالات کا تم ہے۔

حضرت سیدی شیخ محقق عبدالحق قدس سرہ مدارج شریف میں فرماتے ہیں: ”ہرچہ دردنیاست از زمان آدم تا اوان نوحہ اولی بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال اور از ازل تا آخر معلوم گردید، یاران خود را نیز از بعضی ازاں احوال خبر داد“۔

نیز فرماتے ہیں: رحمہ اللہ تعالیٰ۔ وهو بکلی نسیء علیم۔ وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داناست ہمہ چیز از شیونات واحکام صفات حق واسما وفعال وآثار وجمع علوم ظاہر وباطن واول وآخرا حاطہ نمودہ ومصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ۔ علیہ من الصلوات أفضلها ومن التحیات أتمها وأكملها۔
 دنیا میں زمانہ آدم علیہ السلام سے پہلا صورت پھونکے جانے تک جو کچھ ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا گیا ہے یہاں تک کہ ازل سے آخرت تک کے حالات آپ کو معلوم ہو گئے ان میں سے بعض احوال کی خبر اپنے پیاروں کو بھی دیتے ہیں۔ (مترجم)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام چیزوں کو جاننے والے ہیں، مخلوقات اور صفات حق کے احکام اور اسما اور افعال وآثار اور جمع علوم ظاہر و باطن اور اول و آخر آپ کے احاطہ علم میں ہیں، گویا کہ آپ فوق کل ذی علم علیم کے مصداق ہو گئے۔ (مترجم)

”درة القواص“ اور ”الجواهر والدرر“ کلاهما للعارف سیدی الامام عبد الوہاب الشترانی قدس سرہ الربانی میں ہے:

”محمد صلى الله تعالى عليه وسلم هو الأول والآخِر والظاهر والباطن، قد ولج حين أسرى به عالم الأسماء، أولها مركز الأرض، وأخرها السماء الدنيا بجميع أحكامها وتعلقاتها، ثم ولج البرزخ إلى إنتهائه وهو السماء السابعة، ثم ولج

عالم العرش إلى مالا نهاية له، وانفتح في برزخيته صور العالم الإلهية والكونية.“
 محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وہی اول ہیں، وہی آخر ہیں، وہی ظاہر، وہی باطن، (یعنی خلق میں) وہ
 شب معراج عالم اسما میں داخل ہوئے جس کی ابتدا مرکز ارض اور انتہا آسمان دنیا ہے، اس عالم کے جملہ
 احکام و تعلقات جان لیے، پھر عالم برزخ میں داخل ہوئے اس کے انتہی ساتویں آسمان تک، پھر عالم عرش
 میں وہاں تک جس کی انتہا ہی نہیں۔ اور حضور کے باطن میں مکان و لامکان کی صورتیں منکشف ہو گئیں۔
 حضرت سیدی عارف باللہ شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”فتوحات مکیہ“ کے باب دہم میں
 فرماتے ہیں:

”وصل زمان نشأة الجسم الظاهر المحمدي - صلى الله تعالى عليه
 وسلم - فظهر مثل الشمس الباهرة إلى قوله: وظهرت بسيادته التي كانت باطنة
 فهو الأول والآخرة والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم، فإنه قال: أوتيت جوامع
 الكلم، وقال عن ربه: ((ضرب بيده بين كتفي فوجدت برداً نامله بين ثدي،
 فعلمت علم الأولين والآخريين. الخ))“

جسم ظاہری محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آفرینش کا وقت پہنچا تو روشن سورج کی طرح حضور نے
 ظہور فرمایا (تا) اور حضور کی سیادت باطن ظاہر ہو گئی تو (مخلوق میں) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اول و آخر
 اور ظاہر و باطن ہیں، اور ان کا علم ہر شی کو محیط ہے۔

امام اجل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفا شریف میں فرماتے ہیں:

”لكنه صلى الله تعالى عليه وسلم أوتي علم كل شيء.“ (۱)
 لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔

حضرت عارف مولانا رومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا:

گر چہ ہر غیبے خدا مارا نمود
 دل دریاں لحظہ بخود مشغول بود
 تفسیر روح البیان میں زیر کریمہ:

﴿مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾ (۲) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

(۱) [الشفا بتعريف حقوق المصطفى: الفصل السادس والعشرون معارفه وعلومه

صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱: ۷۰]

[سورة القلم: ۲]

فرمایا: ”بل أنت عالم بما كان، خبير بما سيكون“ (۱)
 بلکہ آپ ماضی و مستقبل کے حالات سے باخبر ہیں۔
 نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۳ میں فرمایا:

”الأنبياء صلاة الله وسلامه عليهم أجمعين من جهة الأجسام والظواهر مع
 البشر، وبواطنهم وقواهم الروحانية ملكية. ولذا ترى مشارق الأرض ومغاربها،
 وتسمع أطيظ السماء وتشم رائحة جبرئيل عليه الصلاة والسلام إذا أراد النزول
 إليهم“ (۲)

سب انبیاء بنظر ظاہری اجسام بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملائکہ کی سی
 ہیں، اسی لیے مشارق ارض و مغارب زمین ان کی نظر میں ہوتے ہیں، اور آسمان کی چرچراہٹ سنتے، اور
 جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو جب وہ انبیاء کی طرف نزول کا ارادہ کرتے ہیں، اسی وقت سے
 سونگھ لیتے ہیں۔

عارف کبیر سیدی حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر امام شعرانی قدس سرہ النورانی ”
 طبقات کبریٰ“ میں بندہ کامل کے بارے میں فرماتے ہیں:

”أطلعه على غيبه لا تنبت شجرة ولا تخضر ورقة إلا بنظره.“ (۳)
 مولیٰ تعالیٰ اپنے غیب پر اسے مطلع فرماتا ہے یہاں تک کہ کوئی پیز نہیں اگتا اور کوئی پتہ نہیں ہر یا تا
 مگر اس کی نظر کے سامنے۔

حضرت عارف سامی مولانا جامی قدس سرہ ”نفحات الانس شریف“ میں فرماتے ہیں:
 سلسلہ عالیہ نقش بندیہ کے امام جلیل الشان حضرت سیدی عزیزان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا
 کرتے: زمین در نظر اس طائفہ چوسفرہ ایست:-
 اس خدا رسیدہ جماعت کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے۔

(۱) [تفسیر روح البیان: سورة القلم: ۲۔۔ ج ۱۰/۱۰۴]

(۲) [نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض. باب الأول، الکلام فی عصمة نبینا و سائر

الأنبياء: ۳/۵۴۵]

(۳) [الطبقات الكبرى للشعراني: ومنهم الشيخ أحمد بن أبي الحسين الرفاعي، ۱/۱۲۲]

نیز ”نجات“ میں ہے:

کہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عزیزان رضی عنہ اللہ المنان کا وہ کلام شریف نقل فرماتے پھر فرماتے:

وما لی وکیم چوں روی ناخنے است بیچ چیز از نظر ایشان غائب نیست۔

ہمیں یہ کہنے میں کیا خوف ہے کہ جب ان کے نزدیک روئے زمین ایک ناخن کی طرح ہے تو کوئی چیز بھی ان سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت پر نور سید الاسیاد غوث الاعنواث قطب الاقطاب غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدہ خمریہ مبارکہ میں اپنی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

نظرت الی بلاد اللہ جمعاً کخرد لہ علی حکم اتصال (۱)

میں نے پوری دنیا کو ایک رائی کے دانے کی طرح دیکھا، رب تعالیٰ کے حکم سے۔ (مترجم)
حضرت سیدی شریف عبدالعزیز، پھر حافظ الحدیث سبلماسی اپنی کتاب مستطاب ”ابریز“ میں فرماتے ہیں:

”ما السموات السبع والأرضون السبع إلا كحلقة ملقاة في فلاة من الأرض.“ (۲)

ساتوں آسمان اور ساتوں زمین میدان میں پڑے ہوئے ایک حلقہ کے مانند ہیں۔ (مترجم)
اولیا کی نظر میں زمین مثل دسترخوان ہے، عارف کی نگاہ میں روئے ناخن کی طرح کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔

سید العرفا کی نظر اقدس کے حضور رائی کے دانے کے مانند۔ مومن کامل کی نظر میں ساتوں آسمان ساتوں زمینیں ایسی جیسے کسی لقمہ و دق میدان میں چھلا پڑا ہوا۔

وہابی بے دین تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب کے اعتقاد کو کفر لکھتا، اور حنفیہ کی طرف معتقد علم غیب عطائی کی تکفیر کا اقرار بہتان کرتا ہے، کیا حنفیہ کے نزدیک معاذ اللہ یہ

(۱) [أرشيف ملتقى أهل الحديث : رسالة إلى شيخ الطريقة القادرية، ۱۷/۱۰۴]

(۲) [شرح الزرقاني : على المواهب اللدنية، ۶۰/۱]

[التبصرة لابن الجوزي : المجلس الثاني في ذكر السموات، ۱۶۵/۲]

علماء، اولیاء، عرفا جنہوں نے انبیاء، اولیاء کے لیے یہ کچھ فرمایا کافر ہیں؟ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔
ایسی نجس ناپاک گندی گھنونی خبیث تکفیر و انکار پر حضرت مولانا روم قدس سرہ نے خوب فرمایا ہے:

رومی سخن کفر نہ گفتہ است و نہ گوید، منکر مشویدش کافر شدہ آں کس کہ بانکار برآمد مردود جہاں شد۔
رومی نے نہ کفر یہ بات کہی ہے اور نہ کہے گا انکار مت کرو، کافر ہے وہ شخص جو کہ انکار کرے (علم غیب کا) دنیا و آخرت میں مردود و ملعون ہے۔ (مترجم)

وہابیہ دیوبندیہ کے گروہ گنگوہی کا اندھا پن ملاحظہ ہو:

قرآنی ارشاد ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱)

ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری ہر چیز کے روشن بیان کو۔

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (۲)

ہم نے اس کتاب میں کوئی شی اٹھانہ رکھی۔

﴿وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ (۳)

ہر تر و خشک کتاب مبین میں ہے۔

اور ان کے سوا اور آیات باہرات جو اوپر گزریں اور ان کے علاوہ اور احادیث شریفہ زاہرہ جو اوپر بیان ہوئیں، اور ان کے علاوہ۔ ان سب کو پیٹھ دے کر البصراہین قاطعہ، لما أمر اللہ بہ أن یوصل "ص: ۵۱۸" میں اپنے ایک اٹیٹھی خلیل احمق، عدو احمد کے نام سے۔ اللہ کے حبیب محبوب کو یہ صریح دشنام اور ابلیس کی مدح تام چھاپ دی کہ.....

”شیطان کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں، تو کون سا حصہ ایمان کا ہے، شیطان کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص رد کر کے ایک شرک ثابت کرنا ہے“

معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ وهو تعالیٰ أعلم

(۲) [سورة الأنعام: ۳۸]

(۱) [سورة النحل: ۸۹]

(۳) [سورة الأنعام: ۵۹]

حضور کو غیوب خمسہ کا علم دیا گیا ہے

(۱۳) مسئلہ:

قرآن مجید، روایت شریعت و مروج احکام فطرت دامت عظمتہ
بعد سلام سنت و اسلام معروض کہ...

کیا معنیات خمسہ کا علم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے یا نہیں؟ اگر دیا گیا ہے تو کون سی صحیح حدیث، یا آیت قرآن شریف، یا تفسیر معتبرہ میں اس کا ثبوت ہے۔ اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق کوئی کتاب تحریر فرمائی ہے یا نہیں؟

اور اگر نہیں دیا گیا ہے تو بھلا جب کل کی بات نہیں جانتے تو قیامت کی باتیں کیسے جانتے ہوں گے۔

دوم یہ کہ حدیث معراج میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں:

((فتجلی لی کل شیء۔ فعلمت ما فی السموات والأرض أو كما قال)) (۱)

میرے لیے ہر چیز آشکارا ہو گئی تو میں نے آسمان اور زمین کی ہر چیز جان لی۔ (مترجم)

جب شب معراج میں سب کچھ آپ نے جان لیا تو بھلا بعد میں مدینہ منورہ میں کئی ایک ایسے واقعات ہیں جو آپ سے پوچھے گئے آپ نے وحی کا انتظار کیا اور اسی وقت نہ بتایا بلکہ یہ فرمایا: کہ انشاء اللہ العزیز وحی کے آنے پر بتاؤں گا۔ ان سوالات کا مفصل جواب مرحمت فرمایا جائے۔ والسلام۔

از گجرات پنجاب مدرسہ پیر ولایت شاہ صاحب۔ مسئلہ جناب مولانا مولوی عبدالغفور صاحب چشتی ہزاروی مدرس اول مدرسہ مذکورہ، ۴ رجب ۱۳۵۲ھ۔

الجواب

اللہ رب و مولیٰ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب و محبوب مطلع الغیوب کو ان غیوب خمسہ کا بھی علم عطا فرمایا اور ان سے بھی پوشیدہ تر نہایت خفی و انہی خاص اسرار کا علم بھی بخشا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ سائر الأنبیاء و بارک و سلم۔ یہ پانچ تو بے شمار غیوب کی بہ نسبت اخف ہیں، ان کی خصوصیت جو حدیث میں ارشاد فرمائی گئی اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کو کسی طرح خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، بلکہ معنی یہ ہیں کہ خدا

کے بے بتائے ان کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ جب ان کو بھی بے تعلیم الہی کوئی نہیں جان سکتا تو جو ان سے اخفی ہیں وہ بے خدا کے بتائے کسی کو کیوں کر معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ مطلب تو کسی عاقل کے نزدیک نہیں ہو سکتا کہ یہ غیوب خمسہ ایسے ہیں کہ انہیں کوئی اور کسی طرح جان ہی نہیں سکتا۔ ان کے سوا اور غیوب تو خدا دے سکتا ہے یہ ایسے ہیں کہ کسی کو نہیں دے سکتا یا نہیں دیتا۔ علمائے اہل سنت نے اپنی تصانیف مبارکہ میں ان غیوب کا علم حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے غلاموں کے لیے بھی علمائے اعلام، ائمہ کرام کی تصریحات سے ثابت کر دکھایا۔ حضور تو حضور ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ ہو: ”الدولة المکیة بالمادة الغیبیة، خالص الاعتقاد، افتاء حرین کا تازہ عطیہ، ادخال السان، الکلمة العلیا“ وغیرہ۔

یہاں بھی کچھ مختصر طور پر ثبوت پیش کریں۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ (۱)

سکھا دیا تمہارے رب نے جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے، اب اس ”جو کچھ“ میں کیا کچھ نہیں آگیا؟ حدیثوں میں بکثرت ثبوت موجود ہے۔ حدیث بھی دیکھ لیجیے۔

ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((إن الله قد رفع لي الدنيا فانا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم

القيامة كأنما أنظر إلى كفي هذه)) (۲)

بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا بلند فرمادی، آشکارا فرمادی۔ لہذا میں دنیا اور دنیا میں

قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو اپنے کف دست کی طرح ملاحظہ کر رہا ہوں۔ (مترجم)

بلکہ حضرت ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

((صلى بنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوماً الفجر وصعد على

المنبر فخطبنا) (إلى) ثم صعد المنبر حتى غربت الشمس فأخبرنا بما هو كائن إلى

يوم القيامة، فأعلمنا أحفظنا)) (رواه مسلم) (۳)

(۱) [سورة النساء: ۱۱۳]

(۲) [مجمع الزوائد، باب إخباره بالمغيبات: ۲۸۷/۸]

(۳) [صحيح مسلم . كتاب الفتن: ۳۹۰/۲]

ایک دن سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور پھر آپ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور آپ نے (عصر تک خطاب فرمایا) پھر عصر کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور غروب تک ہم سے خطاب فرمایا، پس آپ نے ہمیں قیامت تک ہونے والی ہر چیز کی خبر دے دی، لہذا ہم میں زیادہ جاننے والا وہ ہے جس نے ان باتوں کو زیادہ یاد رکھا۔ (مترجم)

آیت کریمہ میں تو کج بحثوں کو اتنا زبردستی کا موقع تھا بھی کہ وہ کلمہ ”ما“ میں کچھ کٹھجتیاں کرتے کہ اس سے یہ مراد ہے، یہ مراد نہیں کہ حضور کو ظلم غیب عطا ہوا، مگر ان حدیثوں نے تو تسمہ لگانا رکھا۔ یہ علوم شاید وہابیوں کے طور پر دنیا سے الگ ہوں گے؟ دنیا میں نہ پانی برستا ہے، نہ دنیا میں ماں کے پیٹ میں بچہ نرو مادہ ہوتا ہے، نہ دنیا میں گل ہوتی ہے، نہ گل میں کچھ ہوتا ہے، نہ دنیا میں کوئی مرتا ہے؟ جب حضور نے صراحتاً بالکل وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمادیا کہ میں، دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اور ہونے والا ہے اسے اپنے کف دست مبارک کی طرح دیکھ رہا ہوں۔ تو پانی برسنے اور ماں کے پیٹ میں بچے اور گل کی بات اور موت وغیرہ حضور کے پیش نظر ہے، اور سب کچھ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ علیہ الصلاة والسلام
مادامت اللیالی والایام۔

اللہ عزوجل فرمائے: ہم نے وہ سب اپنے حبیب کو سکھا دیا جو وہ نہ جانتے تھے۔ اور حضور فرمائیں: خدا نے دنیا و کائنات سب میرے پیش نظر فرمادیے ہیں۔ اس سب کو جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے مثال کف دست ملاحظہ فرما رہا ہوں۔ صحابی فرمائیں کہ حضور نے قیامت تک کی ساری کائنات کی ہمیں خبر دی، ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جسے زیادہ یاد رہا۔ مگر وہابی کو کسی طرح یقین نہیں آتا۔ نہ صحابی کا اعتبار، نہ رسول کردگار کے ارشاد پر یقین، نہ خود پروردگار عزوجلہ کے ارشاد پر ایمان۔ وہ یہی کہے جاتا ہے کہ حضور کو گل کی بات معلوم نہیں، حضور پیٹ کے حال سے بے خبر ہیں، حضور کو یہ علم نہیں کہ کون کہاں مرے گا، انتہا یہ کہ گنگوہی پھنکار اٹھا کہ معاذ اللہ ”حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی حال معلوم نہیں“ اور اس کو شیخ محقق کے سرمنڈھ دیا کہ انہوں نے اسے روایت کیا۔ حالانکہ شیخ محقق محدث دہلوی قدس سرہ نے اسے روایت نہ کیا، بلکہ اس کا رد فرمایا۔ روکو روایت بنالیا، حد یہ ہے کہ وہابی نے یہ بک دیا کہ حضور کو اپنے خاتمہ کا بھی حال معلوم نہیں۔ مفسرین کرام کے اقوال اگر وہ سب جمع کیے جائیں جو ہر آیت علم غیب کے نیچے ہیں جب تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو جائے، اور اس کی حاجت نہیں۔ علما اپنی تصانیف مبارکہ میں بہت سے اقوال پیش فرما چکے، یہاں تو صرف امی آیت کریمہ مذکورہ بالا کی تفسیر میں جو کچھ فرمایا گیا وہ زیادہ نہیں دو ایک عبارت پیش کریں۔

مدارک میں زیر آیت کریمہ مذکور فرمایا:

”من أمور الدين والشرائع، أو من خفيات الأمور وضمائر القلوب“ (۱)

دین اور شریعت کی ہر چیز، یا مخفی امور اور دلوں کے راز۔ (مترجم)

خازن میں ہے:

”قيل: علمك من علم الغيب مالم تكن تعلم، وقيل: معناه وعلمتك من

خفيات الأمور وأطلعك على ضمائر القلوب، وعلمك من أحوال المنافقين وكيد

هم مالم تكن تعلم“ (۲)

کہا گیا ہے کہ غیب کی وہ چیزیں تمہیں سکھادی گئیں جو تم نہیں جانتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ

مخفی چیزیں تمہیں سکھادی گئیں اور دلوں کے راز سے باخبر کر دیا، اور منافقین کے حالات اور چالیں

سکھادیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ (مترجم)

بیضاوی میں ہے:

”من خفيات الأمور“ (۳)

مخفی چیزیں۔ (مترجم)

خاص خمس کے بارے میں امام ابن حجر کا ارشاد بطور نمونہ ذکر کروں، جسے اور زیادہ دیکھا میں وہ

اہل حق کے رسائل کا مطالعہ کریں، جن سے آفتاب کی طرح روشن کہ یہ خمس حضور تو حضور حضور کے غلام بھی

باعطاء الہی بطفیل سرکار رسالت پناہی جانتے ہیں۔

امام ابن حجر کی ”منح الملکیہ شرح قصیدہ ہمزیہ“ میں فرماتے ہیں:

”أكثر علوم نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم تتعلق بالمغيبات بدليل ”فعلمت

علم الأولين والآخرين“ في الحديث المشهور، ولأنه تعالى اختص به لکن من حیث

الاحاطة به والشمول لعلمه بالکلیات والجزئیات، فلا ینافی ذلك اطلاع الله تعالى

لبعض خواصه علی كثير من المغيبات حتی من الخمس التي قال فیهن صلى الله تعالى

عليه وسلم ”خمس لا يعلمهن إلا الله تعالى“؛ لأنها جزئیات معدودة لا غیر، وإنکار

(۱) [تفسیر النسفی: ۱/۲۹۱] (۲) [تفسیر الخازن: ۱/۴۲۶]

(۳) [تفسیر البيضاوي: ۱/۲۳۶]

المعتزلة لذلك مكابرة، فقد وقع للأنبياء والأولياء من ذلك ما لم يمكن عده، لا سيما ما وقع لنبينا صلى الله تعالى عليه وسلم وسيأتي بسط جملة مما أخبر به صلى الله تعالى عليه وسلم“

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکثر علوم کا تعلق غیب کی چیزوں سے ہے، دلیل یہ ہے کہ اپنے حدیث مشہور میں فرمایا کہ میں نے اولین و آخرین کو جان لیا، اور دوسری دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کو اپنے لیے خاص فرمایا احاطے کے طور پر اور اس طور پر کہ اس کا علم کلیات و جزئیات کو شامل ہے لہذا یہ اس بات کے منافی نہیں کہ اللہ اپنے کچھ خاص بندوں کو بہت سے غیوب پر مطلع فرمادے یہاں تک کہ ان پانچ پر بھی جس کے تعلق سے فرمایا: پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کیوں کہ یہ محض چند جزئیات ہیں، اور معتزلہ کا اس سے انکار کرنا محض مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے، کیوں کہ انبیا اور اولیا سے بے شمار غیوب کا وقوع ہو چکا ہے، خاص کر ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نیز عن قریب آپ کے اخبار عن الغیب کی تفصیل آئے گی۔ (مترجم)

یہ ”سیاتی“ جہاں کے لیے فرمایا وہاں بہت اخبار غیبیہ کا بیان فرمایا۔
فرماتے ہیں:

” (ثانیہما) فی بیان ما أشار إلیہ الناظم من کثرة ما أحزبه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الغیوب ما فی القرآن منها بما لا یحیط بہ حد۔“
اور دوسری (فصل) ان کثیر اخبار غیبیہ کے بیان میں جن کی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہے، اور ان غیوب کا تذکرہ قرآن میں بے شمار جگہ ہوا ہے۔

وخبیر الطبرانی:

((إن الله قد رفع لي الدنيا فإنا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كما أنظر إلى كفي هذه)) (۱)
وخبیر ابي داؤد: ((قام فينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مقاماً فما ترك شيئاً إلى قيام الساعة إلا حدثنا به)) (۲)

(۱) [مجمع الزوائد للهيثمى، باب اخباره بالمغيبات: ۲۸۷/۸]

(۲) [مسند الإمام احمد، حديث حذيفة، ۳۸/۳۰۷]

وفي الحديث الصحيح: ((فعلمت علم الأولين والأخرين)) (۱)
 وصح أنه صلى الله تعالى عليه وسلم أخبر بموت النجاشي يوم موته
 بالحبيشة وصلى عليه بأصحابه. (۲)
 وصح أنه أبو بكر وعمر وعثمان سعدوا أحداً فتحرك فضربه برجله وقال
 له: ((أثبت فإنما عليك نبي وصديق وشهيدان فاستشهدا)) (۳).
 وأن ملك كسرى وقيصر ينقطعان بعده من العراق والشام، فكان ذلك في
 زمن عمر،

وأبه قال لسراقة: ((كيف بك إذا ليست سوارى كسرى، فأليسهما عمر
 له نمازال ملك كسرى في زمنه تحقيقاً لذلك)) (۴)
 وأخبر بكتاب حاطب إلى أهل مكة. (۵)
 وبموقع ناقته حين ضلت وتعلقت بخطامها في الشجرة، (۶)
 وبأن قريشاً بعد الأحزاب لا يغزونه.
 وباستشهاد أمراء الجيش الذي أرسله لموتة بلداً بأرض الشام يوم قتلهم زيد بن
 حارثة، فجعفر بن أبي طالب، فعبد الله بن أبي رواحة. رضى الله تعالى عنهم. (۷)
 وبأن فاطمة أول أهله لحوقاً به، فعاشت بعده ثمانية أشهر أو ستة. (۸)
 وبأن أشقى الأولين والأخرين قاتل عليّ كرم الله تعالى وجهه يضربه في يافوخه

- (۱) [روح البيان: سورة الانفال، ۳/۳۳۰]
- (۲) [مؤطا مالك: باب ماجاء في التكبير على الجنائز، ۲/۳۱۷]
- (۳) [شرح السنة للبخاري: باب فضائل عثمان، ۱۴/۱۰۶]
- (۴) [فيض القدير، حرف الخاء، ۳/۴۹۸]
- (۵) [صحيح البخاري: باب الجاسوس، ۴/۵۹]
- (۶) [المعجم الكبير للطبراني: ۱۲/۱۳۷]
- (۷) [مصنف ابن أبي شيبة: غزوة موته، ۷/۴۱۲]
- (۸) [مناهل الصنفا في تخريج احاديث الشفا، ۱/۱۵۴]

فيبتل من دمها لحيته. فضربه الشقي ابن ملجم ضربة كذلك فمات منها- (١)
وأن معاوية رضى الله تعالى عنه يلي أمر أمته وبأن لم يغلب - رواهما ابن
عساكر-

ومن ثم قتل علي كرم الله تعالى وجهه يوم صفين: لو ذكرت هذا الحديث
ماقاتلته،

وبأن عثمان يقتل مظلوماً. (٢)

وبواقعة الحرة من عساكر يزيد - عامله الله بعد له - بالمدينة فاستحيت
نفوس أهلها وأبضاعهم وأموالهم، وقتل سبع مائة يحفظون القرآن. منهم ثلث مائة
صحابي، وأفتض منها ألف عذراء. (٣)

واقعة الحمل وصفين وقاتل عائشة والزبير بعلي رضى الله تعالى
عنهم. ولذلك قال علي للزبير لما برزله يومئذ انشدك: هل سمعت رسول الله؟ تقاتله
وأنت له ظالم، فانصرف الزبير وقال: بلى ولكن نسيت. وقد يشكل الوصف بالظلم
مع أن الزبير مجتهد. فغاية أنه مخطي وله أجر بنص الحديث الصحيح، ويجاب بأن
أصل الظلم وضع الشيء في غير محله وإن لم يكن فيه إثم، فالمراد وأنت قد وضعت
القتال في غير محله خطأ منك لا تعمداً، أو فأنت له ظالم حقيقة لو نظرت في
الدليل حق النظر بقريظة ما تقرر أن المجتهد المخطي أجر - (٤)

وبقوله في الحسن بن علي كرم الله تعالى وجهه إن ابني هذا سيد وسيصلح
الله به بين فئتين عظيمتين من المسلمين، فكان كذلك، فإنه بويع بعد أبيه فمكث
خليفة ستة أشهر، ثم سار لمعاوية بأربعين ألفاً، فلما رأى الجمعان علم كثرة الفريقين
وأنه لا يغلب أحدهما حتى يقتل الفريق الآخر، فرق على المسلمين ورحمهم ورفض

(١) [تاريخ دمشق لابن عساكر: ٣٥٢/٤٠]

(٢) [الشرية للأجري: باب سبب قتل عثمان، ١٩٨٠/٤]

(٣) [فتح الباري: باب قوله ثاني اثنين، ٣٢٧/٨]

(٤) [البدء والتاريخ ذكر وقعة الحمل: ٢١٣/٥]

الملك في جنب ذلك ابتغاء لوجه الله تعالى كما جاء عنه رضى الله تعالى عنه، ثم أرسل لمعاوية ليشتري عليه شروطاً وينزل له عن الخلافة فأرسل إليه قرطاساً أبيض وقال: اشترط ما شئت فاشترط ونزل له عن الملك فصار معاوية من يومئذ خليفة حقيقة. (۱)

(۱) بے شک اللہ عزوجل نے دنیا میرے پیش نظر فرمادی تو میں اسے اور جو کچھ روز قیامت تک ہونے والا ہے ان کو اپنے کف دست کی طرح دیکھ رہا ہوں۔
(۲) ابوداؤد نے خبر دی: سرکار ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو روز قیامت میں ہونے والی ہر چیز بیان فرمادی۔

(۳) اور حدیث صحیح میں آیا ہے، کہ میں نے اولین و آخرین کا علم حاصل کر لیا۔
(۴) اور یہ بات بھی درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ آپ نے نجاشی کی موت کی خبر ان کے انتقال کے دن دی جب کہ ان کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا۔ اور آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

بے شک آپ، ابو بکر صدیق اور عمر فاروق و عثمان غنی ایک پہاڑ پر چڑھے تو وہ حرکت کرنے لگا، پس آپ نے اس پر اپنا پیر مار کر فرمایا: اے پہاڑ حرکت نہ کر بے شک تجھ پر اللہ کا نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں، پس حضرت عمر اور عثمان شہید کیے گئے اور آپ کا ارشاد مبارک سچا ہوا۔
اسی طرح آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کسریٰ و قیصر کی حکومت عراق و شام سے ختم ہو جائے گی، لہذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں یہ حکومت ختم ہوگی۔

نیز آپ نے سراقہ سے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم کسریٰ کے گنکن پہنوں گے، لہذا گنکن حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں انہیں پہنائے جب کسریٰ حکومت ختم ہوئی تھی آپ کے ارشاد کی تصدیق کے لیے۔

اسی طرح آپ نے اہل مکہ کے نام حاطب کے خط کی خبر دی تھی۔
نیز آپ نے اوٹنی کا پتہ بتایا تھا کہ جب راستہ بھٹک گئی اور اس کی نیل کسی درخت میں الجھ گئی تھی۔
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی تھی کہ قریش واقعہ احزاب (جنگ خندق) کے بعد

جنگ نہیں کریں گے۔

ساتھ ہی آپ نے اس لشکر کے سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر دی تھی جسے آپ نے موتہ کے لیے روانہ کیا تھا۔ موتہ ملک شام کا ایک شہر ہے اور یہ خبر آپ نے ٹھیک اسی دن دی تھی جس دن زید بن حارثہ، پھر جعفر بن ابی طالب اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ شہید کیے گئے تھے۔

اور آپ نے یہ بھی خبر دے دی تھی کہ آپ کے بعد آپ کے اہل بیت میں حضرت فاطمہ کا انتقال سب سے پہلے ہوگا، لہذا وہ آپ کے بعد آٹھ یا چھ ماہ حیات رہیں۔

اور آپ نے یہ بھی خبر دی تھی کہ اولین و آخرین میں سب سے بڑا شقی حضرت علی کا قاتل ہے جو آپ کے تالو پر وار کرے گا جس کی وجہ سے آپ کی داڑھی خون سے تر ہو جائے گی، چنانچہ ابن ملجم بد بخت نے آپ پر اسی طرح وار کیا جس کے نتیجے میں آپ شہید ہو گئے۔

آپ نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ معاویہ میری امت کے والی بنیں گے اور مغلوب نہیں ہوں گے۔

ان دونوں روایتوں کو ابن عمسا کرنے بیان فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت علی نے جنگ صفین کے دن فرمایا کہ: اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی تو میں ان سے جنگ نہ کرتا۔

نیز آپ نے حضرت عثمان کے ظلماً شہید ہونے کی خبر دے دی تھی۔

یوں ہی آپ نے یزیدی فوج کی طرف ہونے والے واقعہ حرہ کی خبر بھی دی، اللہ عزوجل نے اسے آپ کے بعد مدینہ کی حکومت دی، تو اس نے اہل مدینہ کے جان و مال اور مزید آبرو کو پامال کر ڈالا، سات سو حافظ شہید ہوئے جن میں تین سو صحابی تھے، ان سے ایک ہزار چشتے بہہ پڑے۔

جنگ جمل و صفین اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زبیر کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

عنه سے قتال انہیں میں سے ہے، اسی وجہ سے حضرت علی نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا جب وہ جنگ کے دن آپ کے سامنے آئے: میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا کہ تم ان سے جنگ کرو گے حالانکہ اسی عمل سے تم ان پر ظلم کرو گے، تو حضرت زبیر یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ کیوں نہیں (یعنی میں نے سنا تھا) لیکن میں بھول گیا تھا، اور ان کے عمل کو ظلم سے تعبیر کرنا مناسب نہیں کیوں کہ حضرت زبیر مجتہد تھے۔ زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سے خطائے اجتہادی ہوئی، جس پر حدیث صحیح کے مطابق آپ کو کا اجر ملے گا، ہاں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ظلم کے معنی ہیں: اصل شی کو اس کے غیر محل میں رکھنا اگرچہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ تو اب مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے قتال غیر محل میں کیا خطائے اجتہادی کے طور پر نا کہ قصداً۔

اور یوں ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ عزوجل مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح فرمائے گا، پس ایسا ہی ہوا، کیوں کہ آپ کے والد کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور آپ چھ ماہ خلیفہ رہے پھر آپ حضرت معاویہ سے جنگ کرنے کے لیے چالیس ہزار کا لشکر لے کر چلے، پس جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو آپ نے دونوں گروہ کی کثرت کا اندازہ کر لیا، اور یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ کوئی بھی فریق دوسرے پر اس وقت غالب آسکتا ہے جب وہ اسے قتل کر دے، پس آپ کا دل مسلمانوں کے لیے پگھل گیا اور آپ نے ان پر رحم فرماتے ہوئے حکومت کو رضائے الہی کی خاطر ٹھوکر مار دی، جیسا کہ آپ سے مروی ہے، پھر آپ نے حضرت معاویہ کے پاس شرائط مقرر کر کے ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کی خبر بھیجی تو امیر معاویہ نے آپ کے پاس سفید کاغذ بھیجا اور کہا کہ جو شرائط چاہو متعین کر لو، لہذا آپ نے شرائط مقرر فرمائے اور حکومت سے دست بردار ہو گئے اور اس دن سے امیر معاویہ حقیقی خلیفہ ہوئے۔ (مترجم)

”وبقتل الحسين بن علي كرم الله تعالى وجهه. وأخرج بيده تربة وقال:

فيها مضجعه۔ (۱)

وصح خبير استأذن ملك المطر ربه، أن يزور النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فأذن له، فكان في يوم أم سلمة فأمرها صلى الله تعالى عليه وسلم أن تحفظ الباب، فجاء الحسين فاقتحمه فقبله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال له الملك: أتجبه؟ قال: نعم. قال: إن أمتك سيقتله، إن شئت أريتك المكان الذي يقتل فيه، فأراه فجاء بسهولة بالكسر رمل خشن أو تراب أحمر، فأخذ فجعلته في ثوبها، فقال الراوي: كنا نقول: إنها كربلاء، و في رواية أنه قال: إذا صار دما فاعلمي أنه قد قتل۔

وأخبر عمه أنه سيعمى لما رأى جبرئيل معه في صورة رجل۔

وأخبر أم عبد الله بن عباس بأنها ستلده، وبأنه أبو الخلفاء، وبأن منهم

السفاح والمهدي۔ (۲)

(۱) (المعجم الكبير للطبراني: الحسين بن علي، ۳/۱۰۷)

(۲) (أيضاً، ۳/۱۰۷)

”وأخبر بأن الترك ستغلب على العرب حتى تلحقها بمنات الشيخ والقبصوم“ -

وبقوله: يوشك الناس أن يضربوا أكباد الإبل فلا يحدون عالماً أعلم من عالم المدينة، قال ابن عيينة وغيره: وهو مالك ابن أنس، (۱) ومن ثم كان الناس يزدحمون على بابه لأخذ العلم حتى يقتتلوا، ومن روى عنه من الأكابر: الزهري، والسفيانان، والشافعي، والأوزاعي إمام أهل الشام، والليث إمام أهل مصر، وأبو حنيفة، وصاحباہ أبو يوسف ومحمد، وذو النون المصري، والفضيل، وابن المبارك، وابن أدهم۔ رحمهم الله تعالى۔

وبعالم قریش وأنه يملأ طباق الأرض علماً، قال أحمد وغيره: نراه للشافعي، لأنه لم ينتشر في طباق الأرض لقرشي صحابي أو غيره ما انتشر للشافعي أي: والذي انتشر لعلي وابن عباس ونحوهما مسائل قليلة جداً كما يعلم ذلك من سير كلامهم وأطلع عليه.“ (۲)

اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی، اور آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک خاص قسم کی مٹی نکالی اور فرمایا کہ یہ ان کی جائے شہادت ہے، اور بروایت صحیح وارد ہے کہ بارش کے فرشتے نے رب تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اجازت طلب کی، تو اسے اجازت مل گئی تو یہ دن ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی باری کا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ دروازہ پر نظر رکھنا، چنانچہ حضرت حسین آئے تو آپ نے انہیں اپنی گود میں اٹھالیا، اور انہیں چوما، تو فرشتے نے کہا کہ کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ہاں، فرشتے نے کہا کہ آپ کی امت اس کو شہید کر دے گی، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ان کا مقتل (جائے شہادت) دکھا دوں، لہذا فرشتے نے آپ کو وہ جگہ دکھائی۔ وہ فرشتہ کھر دری ریت یا لال مٹی لے کر آیا، آپ نے وہ مٹی لی جسے حضرت ام سلمہ نے اپنے کپڑے میں رکھ لیا۔ راوی نے کہا کہ ہم اسے کربلا کہتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ حضرت حسین رضی

(۱) (سنن الترمذی: باب ماجاء في عالم المدينة، ۴/۲۶۳)

(۲) [السنة لابن أبي عاصم: باب في فضل عالم قریش، ۲/۶۳۷]

اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو خبر دی کہ عن قریب وہ ناپینا ہو جائیں گے کہ انھوں نے حضرت جبرئیل کو ایک مرد کی صورت میں دیکھ لیا تھا۔

نیز آپ نے ام عبد اللہ کو ابن عباس کی خوش خبری سنائی، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ خلفا کے والد ہوں گے، اور انہی کی نسل سے سفاح اور مہدی ہوں گے۔

اور آپ نے یہ بھی خبر دی کہ ترک عربوں پر غالب آجائیں گے۔

یوں ہی آپ نے فرمایا ہے کہ لوگ اونٹوں کے جگر پر ماریں گے (یعنی دور دراز کا سفر کریں گے) لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا عالم کہیں نہ پائیں گے۔ ابن عیینہ وغیرہ کا بیان ہے کہ وہ حضرت امام مالک بن انس ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کے دروازہ پر حصول علم کے لیے بھیڑ لگائے رہتے تھے، یہاں تک کہ آپس میں جھگڑنے لگتے تھے۔ اکابر میں آپ سے امام زہری، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام شافعی، امام اوزاعی اہل شام کے امام، اہل مصر کے امام لیث، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد، ذوالنون مصری، فضیل، ابن مبارک، ابن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، وغیرہ نے روایت لی۔
آپ نے یہ بھی خبر دی کہ قریش کا ایک عالم روئے زمین کو علم سے بھر دے گا۔

امام احمد وغیرہ کا بیان ہے کہ ہمارے خیال میں وہ امام شافعی ہیں، کیوں کہ روئے زمین پر کسی قرشی صحابی یا کسی دوسرے کا اتنا علم نہ پھیلا جتنا امام شافعی کا پھیلا، کیوں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جو مسائل پھیلے وہ بہت کم ہیں، یہ بات ان کے کلام سے واضح ہے۔ (مترجم)

”وأخبرنا بالحوارج الذين خرجوا على علي كرم الله تعالى وجهه وأن فيهم رجلاً أسود أحد عضديه مثل ثدي المرأة، فقاتلهم علي وأخرج ذلك الرجل حتى رأه الناس بالوصف الذي وصفه به صلى الله تعالى عليه وسلم۔ (۱)

وأخبرنا بالرافضة وأنهم يرفضون الإسلام۔ وبالقدرية والمرجئة، (۲)
وبأن أمته تفترق على ثلاث وسبعين فرقة، وبأنها تكون كلها في النار إلا الفرقة التي تكون على ما كان عليه هو وأصحابه، وهم الطائفة الذين أخبر عنهم بأنهم

(۱) [صحيح البخاري : باب علامات النبوة، ۴/ ۲۰۰]

(۲) [السنة لابن أبي عاصم : باب ذكر الرافضة، ۲/ ۴۷۴]

لا يزالون على الحق لا يضرهم من خالفهم إلى قيام الساعة: أي: قربه بقليل. (۱)
 وبإمارات الساعة الكثيرة جداً. فوقع كثير منها، وينظر وقوع الباقي، ومما
 وقع منها النار التي قال عنها صلى الله تعالى عليه وسلم. كما رواه الشيخان: لا تقوم
 الساعة حتى تخرج نار من أرض الحجاز تضيء لها أعناق الإبل ببصرى. (۲)

فخرجت نار عظيمة في نحو مرحلة من المدينة المشرقة وتقدمتها زلزلة
 عظيمة بعد عشاء الأربعاء ثالث جمادى الآخرة سنة ۶۵۴ أربع وخمسين وست
 مائة، ولم تنزل تشتد وتغلي كغليان البحر إلى أن ارتجت منها الأرض ومن عليها
 حتى أيقن أهل المدينة بالهلاك، وكثرت الزلازل حتى وقع منها في يوم واحد
 ثمان عشرة زلزلة، لكن ببركته صلى الله تعالى عليه وسلم كان يغشي المدينة
 نسيم بارد ورأيت من مكة جبال بصرى وانطفأت ليلة الأسراء سابع عشرة رجب.
 ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوارج کے ظہور کی خبر دی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ سے باغی ہوئے، اور آپ نے یہ بھی بتلادیا کہ ان میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کا ایک باز و عورت کے
 پستان کی طرح ہوگا، پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان سے جہاد کیا اور اس شخص کو نکالا جسے لوگوں
 نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان کردہ وصف کے مطابق پایا۔

اور آپ نے روافض اور ان کے اسلام سے منکر ہونے کی بھی خبر دی، اسی طرح مرجیہ، قدریہ
 وغیرہ فرقبائے باطلہ کی خبریں دیں۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، وہ سب جہنمی
 ہوں گے، سوائے اس فرقہ کے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر چلے گا، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے
 بارے آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ حق پر رہیں گے تا قیام قیامت ان کے مخالفین ان کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔
 نیز آپ نے قیامت کی بہت ساری نشانیوں اور علامتوں کی خبر دی، جن میں بہت سی وقوع پذیر
 ہو چکی ہیں، اور باقی کے رونما ہونے کا انتظار ہے، اور وقوع پذیر ہونے والی نشانیوں میں سے وہ آگ ہے،
 بروایت یثیخین جس کے بارے میں فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک زمین حجاز سے آگ

(۱) [تاریخ مختصر الدول: ۹۵/۱]

(۲) [صحیح مسلم: باب لا تقوم الساعة الخ، ۴/۲۲۲۷]

نہ نکل جائے جس کی روشنی میں بصری کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں گی، چنانچہ مدینہ طیبہ کے تقریباً ایک مرحلہ کے فاصلہ سے آگ نکلی، اس سے پہلے بدھ کے دن تین جمادی الآخرہ ۶۵۳ھ کو ایک زبردست زلزلہ آیا، اور یہ زلزلہ سمندر کی موجوں کی طرح بڑھتا گیا یہاں تک زمین اور اہل زمین ہلنے لگے جس سے اہل مدینہ کو ہلاک ہونے کا یقین ہو گیا، زلزلوں کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ایک دن میں اٹھارہ زلزلے آئے، لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ طیبہ میں ٹھنڈی ہوائیں چلیں، اور یہ زلزلہ شب معراج ستائیس ویں رجب کو تھا۔

قصیدہ بردہ کے حاشیہ بیجوری میں ہے:

”لم یخرج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الدنیا إلا بعد أن أعلمه اللہ تعالیٰ بہذہ الأمور الخمسة.“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی وقت دنیا سے ظاہری طور پر تشریف لے گئے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ پانچوں امور بتلا دیے۔ (مترجم)

تفسیر روح البیان میں زیر کریمہ: ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ﴾ (۱)

فرمایا: ”قد ذهب بعض المشائخ إلى أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم كان يعرف وقت الساعة بإعلام اللہ تعالیٰ وهو لا ينافي الحصر في الآية كما لا يخفى.“ (۲)

بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ رب تعالیٰ کے بتلانے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقت قیامت کو جانتے تھے اور یہ قول آیت کریمہ میں موجود حصر کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ (مترجم)

ترجمہ مشکوٰۃ ”اشعة اللمعات“ میں حضرت محقق مطلق مولانا الشیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ راتے ہیں:

”مراد آنست کہ بے تعلیم الہی بحساب عقل این ہارانداند، آں ہا غیب اند کہ جز خدا کسے آں رانداند مگر آں کہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے رابو جی والہام بداناند۔“

(۱) [سورة الأعراف: ۱۸۷]

(۲) [تفسیر روح البیان ۲۰/۲۹۳]

مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے بتائے بغیر اپنی عقل سے کوئی ان امور کو نہیں جانتا، یہ چیزیں غیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، سوائے اس شخص کے جس کو اللہ عزوجل وحی یا الہام کے ذریعہ بتلا دے۔ (مترجم)

فتوحات وہیہ شرح اربعین نوویہ میں ہے:

”والحق كما قال جمع: إن الله سبحانه وتعالى لم يقبض نبينا عليه الصلاة والسلام حتى أطلعه على كل ما أبهمه عنه إلا أنه أمره بكنم بعض والإعلام ببعض.“
حق وہ ہے جو جمہور نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھایا جب تک آپ کو ہر مبہم و مخفی شئی پر مطلع نہ فرمادیا، لیکن آپ کو بعض ظاہر کرنے اور بعض کو مخفی رکھنے کا حکم فرمادیا۔ (مترجم)

یہاں تک کہ علمائے کرام نے ان پانچوں کا علم حضور کے خدام کے لیے فرمایا اور فرمایا کہ اہل تصرف عالم میں بے ان علوم کے تصرف نہیں کر سکتے۔

کتاب الابریز شریف میں ہے:

”كيف يخفى أمر الخمس عليه صلى الله تعالى عليه وسلم والواحد من أهل التصرف من أمته الشريفة لا يمكنه التصرف إلا بمعرفة هذا الخمس.“
سرکارِ زوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پانچوں امور کس طرح مخفی رہ سکتے ہیں جب کہ آپ کی امت مبارکہ کا کوئی بھی اہل تصرف ان پانچوں امور کو جانے بغیر تصرف کر ہی نہیں سکتا۔ (مترجم)
اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ ”الدولة المكيه بالمادة الغيبية“ نیز اردو کے ایک مختصر رسالہ ”افتائے حرین کا تازہ عطیہ“ میں خمس کی بحث ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ قرآن عظیم و احادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام، نیز ارشادات ائمہ کرام و علمائے اعلام سے ہر سمجھ والے پر روشن تراشش و ابین من الالمس ہو چکا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے بہت کثیر علوم غیبیہ عطا فرمائے جن کا احصا نہیں ہو سکتا، اور اظہر ہوا کہ علوم خمسہ حضور تو حضور، حضور کے غلاموں کو عطا فرمائے جاتے ہیں۔ اب یہ سب دیکھ کر پھر خاص قصہ معراج میں حضور کا ارشاد:

((وعلمت مافي السموات ومافي الأرض)) (۱)

میں نے آسمان وزمین کی ہر چیز کو جان لیا۔ (مترجم)
 پا کر پھر بے ہودہ شبہات مسلمان کی شان نہیں۔ یہ تو اس حدیث سے مقابلہ ہوا اور اس کے یہی
 معنی ہوئے کہ حضور نے ایسا فرمایا، حالاں کہ حضور کے فرمانے کے بعد جو کچھ پوچھا گیا تو جواب نہ دے
 سکے، وحی کا انتظار فرمایا۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

مسلمان تو کبھی یہ خیال نہیں لاسکتا کہ معاذ اللہ یہ ارشاد غلط ہے۔ اور جب وہ اسے غلط نہیں سمجھ سکتا
 تو یقیناً اسے حق جانتے ہوئے یہی کہے گا کہ بے شک حضور کو شب معراج ”مافی السموات
 والأرض“ کا علم ہو گیا۔ اس کے بعد اگر یہ ثابت ہو کہ حضور سے کوئی سوال کیا گیا اور حضور نے جواب فوراً
 عطا نہ فرمایا، یہ قطعاً اس لیے نہیں کہ حضور کو اس کے جواب کا علم نہ تھا، بہت سوال ایسے ہوتے ہیں کہ جواب
 معلوم ہوتا ہے مگر فوری جواب نہیں دیا جاتا جس میں مصلحت ہوتی ہے۔

وحی کا انتظار جیسے اس صورت میں ہوتا ہے کہ علم نہ ہوتا ایسی ہی اس کی صورت یہ بھی ہے کہ خود
 جواب عطا ہو اس سے بہتر یہ ہے کہ وحی خداوندی سے جواب ہو، جیسا کہ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ
 عنہا پر تہمت کے واقعہ میں ہوا۔ حضور اگر اس کے متعلق خود سے کچھ ارشاد فرماتے اس سے بہتر یہ ہوا
 کہ حضور نے وحی کا انتظار فرمایا، اور وحی میں ان کی طہارت بیان فرمائی۔ پھر وحی کا انتظار اس لیے بھی ممکن
 کہ اس سوال کا جو جواب باعلام الہی معلوم ہے اس کا اظہار ماذون ہو۔ فتوحات و پیہ کی عبارت پر پھر نظر
 کیجئے کہ اللہ عزوجل نے ہر شی پر حضور کو مطلع فرمایا مگر بعض کے کتم کا حکم فرمایا، بعض کے اعلام کا۔ جو ذرا بھی
 سمجھ رکھتا ہے وہ اس سے کہ بعد معراج جب حضور نے معراج کا بیان فرمایا کفار نے بیت المقدس کے متعلق
 کچھ سوال کیے حضور نے فوراً جواب عطا نہیں فرمائے، اتنا سمجھ سکتا ہے کہ علم ہوتے ہوئے بھی بعض اوقات
 جواب میں تردد ہوتا ہے اور فوراً جواب نہیں دیا جاتا۔ یا وہابی یہ کہے گا کہ حضور کو بیت المقدس کا بھی علم نہ
 تھا، یہ تو سوا وہابی کے کوئی پاگل بھی نہیں کہہ سکتا۔ جب حضور بیت المقدس تشریف لے گئے تو ضرور حضور کو
 بیت المقدس کا علم تھا۔ وہاں کے متعلق سوالات کا جواب فوری عطا نہ فرمانا کسی حکمت پر مبنی تھا، یا یہ کہ اس
 وقت اس کی جانب التفات خاص نہ ہونے پر۔ جیسے موزہ و عقاب کے واقعہ میں ادھر التفات نہ تھا۔ مولانا
 رومی قدس سرہ نے مثنوی میں تحریر فرمایا کہ:

گر چہ ہر غیبی خدا مارا نمود دل در آں لحظہ بحق مشغول بود

اگر چہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر غیب کی خبر دکھائی لیکن اس وقت ہمارا دل دیدار الہی میں مصروف تھا،

اس کی ذات میں منہمک تھا۔ (مترجم)

ملک العلماء بحر العلوم نے شرح میں فرمایا:

”از جهت استغراق بعض مغنیات بر انبیا مستور شوند“ پھر فرمایا: ”معنی بیت چنینست کہ بسبب

استغراق توجہ باکوان نبود۔ بعض اکوان مغفول عنہ ماند و ایں وجہ وجیہ است“

بطور استغراق بعض غیب کی چیزیں انبیا پر پوشیدہ ہیں، شعر کا مطلب یہ ہے کہ استغراقی کیفیت کی

وجہ سے توجہ دیگر چیزوں کی طرف نہ ہو سکی لہذا بعض غیبی چیزیں پردہ غیب میں رہ گئیں۔ (مترجم)

وہابی تو دشمن ہے، وہ تو زبردستی نقص ہی چاہے گا۔ اللہ و رسول و علما کچھ فرمائیں، وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر

ایسی باتیں لائے گا جس سے عوام کو دھوکہ دے سکے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ

تعالیٰ اعلم۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب عطائی ہے، ذاتی نہیں

(۱۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطائی تھا، بالذات نہ

تھا۔ بالذات سوائے خدا کے دوسرے کے واسطے محال۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب اور

خود حضور حادث۔ خداوند کریم قدیم، اس کا علم بھی قدیم، عمر و یہ عقائد رکھتا ہے کہ حضور پر نور شافع یوم النشور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب بالذات ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو صفات الہیہ ہیں

ان صفات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ قدیم ہے، حادث نہیں۔ دونوں سوالوں

کے جواب سے بحوالہ کتاب مشرف فرمائیے۔ فقط

از درو ضلع نیقی تال مسئلہ ارسالہ خاں پیشاوری و حافظ عبید اللہ امام مسجد و عبد اللہ صاحب

رضوی، ۱۳/۱۳/۱۳۰۰ قعدہ۔

الجواب

زید کا قول حق و صحیح اور عمر و کا باطل و نصحیح ہے۔ عمر و اور اس کے ہم عقیدہ پر توبہ اور تجدید ایمان اور

بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح فرض ہے۔ اللہ عز و جل کا علم ذاتی کہ جو اس کی ذات سے ہے وہ اس کی صفت

قدیمہ ہے، کسی کا دیا ہوا نہیں۔ اور اس کے حبیب لبیب علیہ الصلاۃ والسلام کا علم عطائی ہے کہ اللہ کا عطا فرمایا

ہوا ہے۔ ایک ذرے کا علم بھی جو بے عطائے الہی مانتا ہے اس پر توبہ فرض ہے۔ از سر نو ایمان لانا

لازم۔ محال ہے کہ بے خدا کے بتائے حضور کو ذرہ سے کم تر سے کم تر شی کا علم بھی ہو۔
اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”الدولة المکیة“ میں تصریح فرمائی:

”العلم الذاتي مختص بالمولیٰ سبحانه وتعالیٰ لا یمکن لغيره ومن أثبت شیئاً منه ولو أدنی من أدنی من ذرة لأحد من العلمین فقد كفر وأشرك.“ (۱)
علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے، اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کم تر سے کم تر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر مشرک ہے۔
جو اللہ کے سوا کسی مخلوق کو قدیم جانے کافر ہے۔

بے شک حضور علیہ الصلاۃ والسلام اللہ عزوجل کے مخلوق اور عظیم ترین بندے ہیں، اور ان کا علم اور ہر وصف خدا کا دیا ہوا ہے۔ وہ بھی حادث ہیں اور ان کے اوصاف کریمہ صفات عظیمہ بھی۔
”الدولة المکیة“ ہی میں فرمایا:

”في الموضوعات من اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر إجماعاً كما لا يخفى اه. أقول إن أراد التسوية من كل وجه فنعم؛ إذ يلزم قدم غيره تعالیٰ وغناه عنه عزوجل.“

موضوعات میں ہے کہ جس نے اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں مساوات کا عقیدہ رکھا تو وہ بالاتفاق کافر ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے، میں کہتا ہوں کہ مساوات سے اگر ہر جہت سے مساوات مراد ہے جب بات درست ہے کیوں کہ اس سے غیر اللہ کا قدیم اور رب تعالیٰ سے مستغنی ہونا لازم آ رہا ہے۔ (مترجم)

عمر کو اپنے اس قول سے بھی توبہ کرنا چاہیے کہ ”حضور میں جو صفات الہیہ ہیں“ کہ اس کے ایک برے معنی بھی ہیں وہ یہ کہ خود صفات قدیمہ الہیہ بذات حضور قائم ہوں، اس نے بالذات عطائی کے مقابل اور قدیم حادث کے مقابل کہہ کر اس تعبیر کی راہ بند کر دی کہ بالذات سے مراد یہ ہے کہ حضور کو بے واسطہ علم عطا ہوا، اور قدیم کے یہ معنی کہ حضور کو نزول قرآن ہی سے علم حاصل نہیں ہوا بلکہ حضور کو پہلے سے علم بوعطاء الہی حاصل تھا، نزول قرآن عظیم سے حضور کے علوم میں اضافہ ہوا، اگر اس کی مراد بالذات سے یہ ہوتی تو بالکل حق ہوتی مگر وہ تو عطائی کے مقابل کہہ رہا ہے، تو یہ مراد ہرگز نہیں۔ یوں ہی اگر قدیم سے وہ مراد ہوتی

تو کفر سے اسے بچا لیتی مگر وہ تو حادث کے مقابل کہہ رہا ہے۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ اللہ عزوجل عمر و اور اس کے ہم عقیدہ کو توفیق تو بہ واستقامت علی الحق عطا فرمائے۔ آمین۔ واللہ هو الموفق وهو الهادي إلى الصراط المستقیم، لا إله إلا هو سبحانه وتعالى شأنه لیس کمثلہ شیء وهو السميع العليم۔

حضور ہی حاضر و ناظر ہیں، یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں

(۱۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کہتا ہے کہ خداوند قدوس کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنے اور کہنے والا گمراہ اور بے دین ہے۔ یہ صفت خداوند قدوس کی نہیں ہے، بلکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت کہتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اولیائے کرام کی نیک بیویاں مرنے کے بعد ان کے ساتھ قبروں میں رہتی ہیں اور دنیا کے تعلقات قبر میں رہتے ہیں اور بچے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ شریعت مطہرہ کا زید کے واسطے کیا حکم ہے۔ بینوا تو جروا۔ از شہر بریلی غلہ قاضی ٹولہ متصل درخت کیت اقبال پسر فردا حسین، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ۔

الجواب

حاضر و ناظر یہ لفظ دربار الوہیت کے لائق نہیں، کبھی کسی مسلمان کو باں کہ ”حضور“ اپنے آپس میں ایک بڑا تعظیسی لفظ ہے مگر اللہ کو حضور سے تعبیر کرتے نہ سنا ہوگا۔ اور اگر کوئی تعبیر کرے تو مسلمان کا ذہن خدا کی جانب انتقال نہ کرے گا۔ بے شک اللہ عزوجل ہر بڑی سے بڑی، چھوٹی سے چھوٹی، باریک سے باریک چیز کو، روشنی اور اندھیری میں، ہر وقت ہر آن، جب وقت و آن نہ تھے، انھیں انھیں سب کو دیکھنے والا، اور سب اس کے علم میں حاضر، وہ ہر پست سے پست آواز کا سننے والا ہے ہمیشہ سے اور ہمیشہ، تو وہ شہید و سمیع و بصیر ہے۔ حاضر و ناظر کے لفظ سے ممانعت اور بات ہے، اور اس کے مطلب کا انکار اور بات۔ کون مسلمان ہے جو معاذ اللہ! اللہ عزوجل کو شہید و سمیع و بصیر نہیں مانتا۔ تو شہید و بصیر جو اسے مانے وہ لفظ حاضر و ناظر سے منکر ہے کہ یہ لفظ دربار الوہیت کے لائق نہیں، نہ بولا جائے۔ نہ کہ سرے سے مطلب ہی کا۔ پھر خدا جگہ سے پاک ہے اور ہر جگہ حاضر کا لفظ بظاہر ہر جگہ میں موجود ہونے کو بتاتا ہے، اس لیے اور اس سبب سے جو اس لفظ کو اس دربار عزت کے لائق نہیں بتاتا اور منع کرتا ہے، ٹھیک کہتا ہے۔

وہابی ہمیشہ افترا کیا کرتے ہیں، ان کا یہ افترا ہے کہ اولیائے کرام کی بیویاں ان کے ساتھ مزاروں میں رہا کرتی ہیں اور بچے بھی پیدا ہوتے ہیں۔

صرف اتنا بیان کیا گیا ہے جو امام علامہ سیدی محمد زرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء پر قبور میں ان کی ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں۔

شرح مواہب لدنیہ امام علامہ سید محمد عبد الباقی زرقانی قدس سرہ النورانی کی عبارت یہ ہے:

”نقل السبكي في طبقاته عن ابن فورك أنه عليه الصلاة والسلام حي في قبره أبدا لأباد على الحقيقة لا المحاز لحياته في قبره، يصلي فيه بأذان وإقامة. قال ابن عقيل الحنبلي: ويضاجع أزواجه ويستمتع بهن أكمل من الدنيا، وحلف على ذلك وهو ظاهر ولا مانع منه“ (۱)

سبکی نے اپنی طبقات میں ابن فورك کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں ہمیشہ ہمیش کے لیے زندہ ہیں، قبر میں آپ کی حیات مجازی نہیں، آپ قبر میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ابن عقیل حنبلی نے فرمایا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات سے جماعت فرماتے ہیں اور دنیاوی زندگی سے بڑھ کر استمتاع کرتے ہیں انہوں نے یہ بات بطور حلف کہی ہے، نیز یہ ظاہر ہے اس سے کوئی مانع نہیں ہے۔ (مترجم) باقی کلی چھند نے یہ وہابیہ کے ہیں: خذ لهم الله تعالى.

جیسے حاضر و ناظر کے لفظ دربار الوہیت میں بولنے سے ممانعت اور دربار رسالت میں کہنے کی اجازت کا وہ بنا لیا کہ یہ خدا کی صفت نہیں حضور کی صفت ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ظاہر کیا کہ خدا، پناہ بخدا شہید و بصیر (جسے وہابیہ حاضر و ناظر کہتے ہیں) ہی نہیں۔ حضور حاضر و ناظر ہیں۔ ازواج مطہرات کے پیش ہونے پر جو اعتراض کیے گئے ہیں اور جو کچھ مذاق اڑایا ہے وہ دین کے معتمد امام سیدی زرقانی کا اڑایا ہے۔ اور روزی و رزق پہنچنے پر جو مذاق اڑایا ہے وہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کا۔

حضور نے فرمایا ہے: انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

حضور نے فرمایا ہے: اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام فرمادیا۔

”فنبی اللہ حی یرزق“ (۲)

(۱) [المواہب اللدنیة بالمنح المحمدیة . فصل ثانی: ۲/۶۹۴]

(۲) [سنن ابن ماجہ : باب ذکر وفاته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ۱/۵۲۴]

اللہ کا نبی زندہ ہے روزی دیا جاتا ہے۔

اب وہابی اپنے گندے چتھرے کی ساری گندگیوں، سب اعتراضوں کی بوچھاڑوں اور مذاق اڑانے کو دیکھیں اور خود اپنے آپ ہی سے ان کا جواب لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور قیامت تک کے احوال اپنے دست پاک کی ہتھیلی کی طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں

(۱۶) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے عمرو سے یہ سوال کیا کہ جناب نبی کریم۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کو علم اولین و آخرین اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا۔ تمام جہان کو آج بھی مثل کف دست ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(عمرو کا جواب) علم بہ تحت: ﴿فأوحى إلى عبده ما أوحى﴾ ”اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی،“ تسلیم لیکن مثل کف دست تمام جہاں بہ تحت ملاحظہ نہ نص، یا عطا بہ ثبوت نص ہے، تو تسلیم ہو سکتا ہے، اور نبی کریم روحی فداک حیاۃ النبی ہیں، عمرو کے جواب پر زید نے کہا کہ میں اس کو بالکل نہیں مانتا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمرو کا جواب کیا بروئے شرع ٹھیک ہے، اور زید کے انکار پر شریعت کا حکم کیا ہے۔ فقط۔ بینوا تو جروا۔ از بہریدی ضلع بریلی مرسلہ خلیل الرحمن صاحب حنفی مستری۔

الجواب

بے شک، بے شبہ، بے ریب حضور پر نور شافع یوم النشور محبوب اعظم رب غفور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چاہنے والے رب کریم کی عطا سے مطلع علی الغیب ہیں، اس وحی قیوم عز جلالہ کی ہر صفت کے مظہر اتم، آج قبر مبارک میں وحی ہیں، بے شک تمام جہان کو اور اس میں جو کچھ قیام قیامت تک ہونے والا ہے سب کو مثال کف دست مبارک ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جو کچھ کہا گیا سب نصوص قرآن و حدیث سے ہے۔

قرآن عظیم نے فرمایا:

﴿عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ (۱)

اس لیے اس فقیر نے اپنی ایک غزل نعت شریف میں سرکار سرہر کار دو عالم کے تاجداروں کے

تاجدار سے عرض کیا:

مسلط کر دیا تم کو خدا نے اپنے غیبوں پر رسول مرتضیٰ تم ہونے سے مجتبیٰ تم ہو

اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

﴿نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

اور اپنے محبوب ابرار اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَعَلَّمَكُمَا مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُونَ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ عَظِيمًا﴾ (۲)

تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

ان کے سوا بھی بہت آیات قرآنیہ ہیں جن سے روز روشن سے زیادہ آشکارا کہ سرکار دولت مدار سید ابرار احمد مختار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ عزوجل نے علم غیب ذرہ ذرہ کا عطا فرمایا، ہر خشک وتر کا علم بوساطہ قرآن عظیم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عطا ہوا۔ پھر خود سرکار نے بار بار اس کا اظہار فرمایا۔

کبھی فرمایا: ((علمت ما في السموات والأرض)) (۳)

میں نے آسمان و زمین کی ہر شے کو جان لیا۔ (مترجم)

کبھی ارشاد ہوا:

((تجلی لي كل شيء وعرفت)) (۴)

مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔ (مترجم)

کبھی فرمایا:

((إن الله زوي لي الأرض فرأيت مشارقها ومغاربها)) (۵)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین لپیٹ دی (کم کر دی) پس میں نے اس کے مشرق

و مغرب کو دیکھ لیا۔ (مترجم)

(۱) [سورة النحل: ۸۹]

(۲) [سورة النساء: ۱۱۳]

(۳) [مشكاة المصابيح، باب المساجد مواضع الصلاة: ۷۰]

(۴) [مشكاة المصابيح، باب الستر: ۷۲]

(۵) [مشكاة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين صلى الله تعالى عليه وسلم: ۵۱۲]

کبھی فرمایا:

((إن الله قد رفع لي الدنيا فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كأنما أنظر إلى كفي هذه)) (۱)

بے شک اللہ عزوجل نے سارا جہاں میرے لیے اٹھایا (یعنی مجھ پر ظاہر فرمادیا، میرے سامنے کر دیا) تو میں اسے اور جو کچھ اس میں تاقیامت ہونے والا ہے، سب کو ایسا ملاحظہ فرما رہا ہوں جیسے اپنی اس کف دست مبارک کو دیکھ رہا ہوں۔

عمر و نصوص دیکھے اور۔ پنے بے جا توقف سے باز آ۔، اور زید بے قید جو کہتا ہے، میں اس کو بالکل نہیں مانتا، اس سے اس کی مراد مطلقاً انکار علم غیب از علم نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ہے، کہ حضور کے لیے ذرا بھی علم غیب بعبطے الہی نہیں مانتا۔ اگر یہ مراد ہے۔ تو یہ قرآن عظیم کی آیات کا انکار ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور نبی کے تو معنی ہی ہیں غیب کی خبریں دینے والا۔ بہت غیوب ہیں کہ حضور نے دوسروں کو بتائے، بعض غیوب کے علم کے بغیر تو آدمی مسلمان ہی نہیں ہو سکتا، تو ہر مومن کو بعض علم غیب بعبطے خداوندی پھر بعبطے نبوی ہے، جیسے فرشتے، حور و غلمان، جنت و نار، وہاں کے بعض احوال و احوال، بعض حالات قیامت، کوثر، صراط، میزان، وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ میں یہ نہیں مانتا کہ حضور مثال کف دست ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ تو حدیث دیکھے اور اپنا عقیدہ درست کرے، انکار سے توبہ کرے۔ کسی چیز کا اقرار جس طرح خود نہیں کیا جاسکتا، یوں ہی من عند نفسہ انکار بھی تو نہیں ہو سکتا، اس نے انکار کیا۔ توبہ کرے۔

یوں ہی اس نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات طیبہ سے انکار کیا، اس سے توبہ کرے۔
حدیث میں فرمایا:

((إن الله تعالى حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، فنبى الله حي

يرزق)) (۲)

بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمادیا کہ وہ انبیاء کے کرام کے جسموں کو کھائے، لہذا اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔ (مترجم)

(۱) [مجمع الزوائد، باب اخبارہ بالمغیبات: ۲۸۷/۸]

(۲) [کنز العمال کتاب الصلاة، باب السادس في صلاة الجمعة: ۱۷۳/۸]

حضرت شیخ محقق ترجمہ مشکاۃ میں اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

بدرستے کہ خدائے تعالیٰ حرام گردانیدہ است بر زمین خوردن وے تنہائے پیغمبر را، پس پیغمبر خدا زندہ است بحقیقت حیات دنیاوی، تا آن کہ روزی دادہ می شود اہ، جلد اول ص: ۲۸۴، فصل ثالث۔
در حقیقت اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجسام کو کھانا حرام فرمادیا، لہذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیاوی زندگی کی طرح حیات ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔ (مترجم)
اس سے اوپر فصل ثانی میں فرمایا:

قال: ((إن الله حرم على الأرض أجساد الأنبياء)) (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے بدن حرام فرمادیے۔ (مترجم)

گفت آں حضرت بدرست کہ خدا حرام گردانیدہ است بر زمین تنہائے پیغمبر را، کنایت است از حیات چنان کہ صریح در فصل ثالث از حدیث ابی دردا میاید و حیات انبیا متفق علیہ است ہیج کس را دروے خلاف نیست، حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی چنان کہ شہدارا است، و دریں کہ فرمود: "إن الله تعالیٰ حرم على الأرض أجساد الأنبياء" اشارتست بدارا اگرچہ دریں باب کہ عرض صلاۃ و حصول علم و ادراکست حیات روحانی نیز کافیست، لیکن مذہب ہمانست کہ گفتہ شد و تحقیق است ایں مسئلہ در تاریخ مدینہ کہ مسیحیست بہ جذب القلوب الی دیار الحبوب کردہ است ازاں جا باید جست۔ (۲)
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ در حقیقت خدائے تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے بدن حرام فرمادیے، اس لیے کنایۃ حیات مراد ہے جیسا کہ صراحۃ تیسری فصل میں ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث میں وارد ہوا ہے اور حیات انبیا متفق علیہ مسئلہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، نیز اس سے حیات جسمانی دنیاوی مراد ہے نا کہ حیات روحانی معنوی جیسی کہ شہدارا کو حاصل ہے اور اس فرمان میں (بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجسام حرام فرمادیے) اس سے اس طرف اشارہ ہے اگرچہ اس باب میں کہ مقصد درود پیش کرنا اور حصول علم و ادراک ہے حیات روحانی بھی کافی ہے لیکن مذہب محقق وہی ہے جس کی وضاحت کردی گئی، اس مسئلے کی تحقیق "جذب القلوب الی دیار الحبوب" نامی تاریخ مدینہ کتاب میں ہے۔ (مترجم)

(۱) [کنز العمال، کتاب الصلاۃ، باب السادس فی صلاۃ الجمعة: ۱۷۳/۸]

(۲) [اشعة للمعات:]

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ ”فتاویٰ حدیثیہ“ میں حضرت ابن عربی سے تائیداً نقل کرتے ہیں:

”لا یمتنع رویۃ ذات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروحہ وجسدہ؛
 لأنہ وسائر الأنبیاء أحياء ردت إليهم أرواحهم بعد ما قبضوا، وأذن لهم في
 الخروج من قبورهم، والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي، ولا مانع من أن
 يراه كثيرون في وقت واحد، لأنه كالشمس، وإذا كان القطب يملأ الكون كما
 قال: قاله التاج ابن عطاء الله فما بالك بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ولا یلزم
 من ذلك أن الرائي صحابي، لأن شرط الصحبة الرؤیة في عالم الملك، وهذه رؤیة
 وهو في العالم الملكوت، وهي لا تفيد صحبة وإلا لثبتت لجميع أمته؛ لأنهم
 عرضوا عليه في ذلك العالم فرأهم ورأوه، کم جاءت به الأحاديث واللہ تعالیٰ
 أعلم.“ (۱)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت جسم وروح کے ساتھ ممکن ہے، اس لیے کہ آپ اور
 تمام انبیاء زندہ ہیں، ان کی روحيں قبض کرنے کے بعد ان کے اجسام میں واپس کر دی گئیں نیز انہیں قبروں
 سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی، ساتھ ہی آسمان وزمین میں تصرف کرنے کا حق بھی انہیں حاصل ہے۔
 بہت سے لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک وقت میں زیارت بھی کر سکتے ہیں، اس لیے کہ آپ مثل
 روح ہیں، اور جب قطب پوری کائنات کو پر نیکیے ہوئے ہے، جیسا کہ تاج ابن عطاء اللہ کا قول ہے تو سرکار
 کے تعلق سے تمہارا کیا خیال ہے، اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والاصحابی ہو جائے، اس لیے کہ
 صحبت کی شرط دنیاوی زندگی کا دیدار ہے، جب کہ یہ دیدار عالم ملکوت ہے، اور یہ صحبت کا فائدہ نہیں دیتا
 ورنہ تو یہ صحبت تمام مسلمانوں کے لیے ثابت ہو جائے گی، اس لیے کہ ان لوگوں کو اس عالم میں پیش کیا
 گیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا اور لوگوں نے بھی آپ کا دیدار کیا اس بارے میں بے
 شمار احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں۔ (مترجم)

رسالہ

تصحیح یقین

بر

ختم نبیین

(۵) ختم نبوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

نئی روشنی کے دل دادوں اور اس ظاہری ترقی کے عاشقوں کے طور پر، زمانہ حال میں جہاں یورپ، امریکہ اور جاپان وغیرہ نے نمایاں دنیوی ترقیاں کیں، کسی نے قسم قسم کے آلے نکال کر اگر لوگوں کو محو حیرت کیا تو کسی نے عجیب عجیب مشینیں ایجاد کر کے، خصوصاً اس جنگ کے زمانے میں جرمن کے حیرت افزا شعبدوں اور سحر انگیز کرشموں نے تو چھوٹے سے بڑے تک سب کو متحیر بنا دیا۔ یہی نہیں کہ اس کی ان شعبدہ بازیوں سے ہمارے ہندوستان والے ہی محو حیرت و استعجاب ہوں، بل کہ وہ یورپین و امریکن ترقی یافتہ بھی انگشت حیرت دردہان ہیں جنہوں نے اپنی ایجادات سے لوگوں کو متعجب کر دیا تھا۔

ہمارے ہندوستانیوں نے بھی خیال کیا کہ لاؤ بہتی گنگا ہے ہم بھی ہاتھ دھولیں، مذہب کو خیر باد کہہ کر یورپ کی اندھی تقلید کی اور دنیوی ترقی کے درپے ہو لیے، اور ہمارے ہم ملک ہندوؤں نے بھی اپنی چلتی ترقی کرنے میں بہت کچھ کوشش کی، اور اگرچہ وہ یورپ کی سی ترقی نہ کر سکے، مگر پھر بھی وہ اپنے ہم وطن دیگر اقوام سے دنیوی بازی لے گئے اور صنعت و حرفت و تجارت وغیرہ میں بہت آگے بڑھ گئے۔ مگر اس لیے کہ انہوں نے اپنا مذہب چھوڑا اور دنیا کو لیا۔ چوں کہ ان کے مذاہب چھوڑ ہی دینے کے تھے (اگرچہ انہیں دین حق کی تلاش اور پابندی کرنی تھی جو انہوں نے نہ کی) ان کی طرف دنیا بڑھی اور انہیں مل گئی۔

مگر ہمارے مسلمان جنہوں نے ان کی دیکھا دیکھی دنیا اختیار کی اور مذہب کو پیٹھ دی انہیں دنیا بھی نہ ملی اور دین سے بچی ہاتھ دھو بیٹھے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

کاش ان کی آنکھیں اب بھی کھلتیں اور وہ سمجھتے کہ یہ مذہب حق سے روگردانی کا نتیجہ ہے، یا اتنا ہی

سمجھ لیتے کہ ہم جسے ترقی سمجھ رہے ہیں وہ حقیقۃً تنزل ہے۔ مگر سخت افسوس تو یہ ہے کہ وہ اس تنزل کو ترقی سمجھے ہوئے ہیں، اور ترقی معکوس کے طالب ہیں۔

آہ! اسی لیے مسلمانوں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے، وہ اپنے پاک اور مقدس مذہب پر مضبوطی سے قائم رہتے اور دین حق کے مبارک سایہ میں رہ کر دنیا کماتے تو ان کی یہ بری حالت کیوں ہوتی، ان کا افلاس اور ان کی ہلاکت کا باعث ان کا اپنا کیا ہوا فعل ہے، وہ کیا؟ وہ یہی مذہب کو پشت نمائی۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔ پھر وہ جن کے پاس یہ دھوکے کی ٹٹی بھی نہ تھی، یعنی آج کل کے اسباب ترقی دنیوی، انھوں نے کہا: ہم کیوں خاموش رہیں۔ لوگوں نے دنیوی ترقیاں کیں اور نئی نئی ایجادیں ہوئیں ہم میں یہ کمی ہے کہ دنیوی کوئی شی ایجاد نہیں کر سکتے تو دین میں تو اختراع کر سکتے ہیں۔ اب کیا تھانے نئے مذاہب کی مشینریاں کھل گئیں، روزانہ نئے نئے دین پیدا ہونے لگے۔ کوئی اہل قرآن بنتا ہے، کہتا ہے حدیث کوئی چیز نہیں۔ کوئی اہل حدیث بنتا ہے، کہتا ہے ائمہ کوئی چیز نہیں، ان کی تقلید ہم پر فرض نہیں، تقلید حرام ہے۔ حالاں کہ خود قرآن عظیم میں باوجود اس کے کہ فرمایا: ﴿تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۲) اس قرآن میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے۔ یہ بھی فرمایا:

﴿وَمَا يَعْقُلُهَا إِلَّا الْعُلَمَاءُ﴾ (۳)

اسے نہیں سمجھتے مگر علما۔

یوں ہی فرمایا:

﴿فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۴)

علما سے دریافت کرو اگر تم نہ جانتے ہو۔

(۱) [سورة الرعد: ۱۱]

(۲) [سورة النحل: ۸۹]

(۳) [سورة العنكبوت: ۴۳]

(۴) [سورة النحل: ۴۳]

پھر علماء کہاں سے کہتے ہیں۔ وہ خود قرآن عظیم کے رموز و نکات سمجھنے پر قدرت نہیں رکھتے، اسی لیے خود قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (۱)

ہم نے یہ کتاب کریم آپ کی طرف اس لیے اتاری کہ آپ لوگوں سے اسے بیان فرمادیں جو چیز ان کے لیے اتاری گئی۔

حضرت عمر فاروق عادل و اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ کچھ لوگ قریب قیامت زمانہ میں ہوں گے، وہ تم سے قرآن کریم کے مشتبہ کلمات کریمہ میں نزاع کریں گے، تمہیں چاہیے کہ تم ان پر حدیثوں سے گرفت کرو۔

”فان أصحاب السنن أعلم بكتاب الله.“ (۲)

اس لیے کہ حدیث جاننے والے قرآن عظیم کو خوب جانتے ہیں۔
قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ (۳)

اسی قرآن سے بھتیرے گمراہ ہوتے ہیں اور بھتیرے سیدھی راہ پاتے ہیں۔

تو ظاہر ہوا جو یہ کہے کہ..... حدیث کوئی چیز نہیں، ہم تو جو قرآن میں ہے وہی مانیں گے۔ وہ گمراہ و بددین ہے۔ یوں ہی وہ جو کہے کہ..... ہم تو صرف حدیث ہی پر عمل کریں گے، ہمیں ائمہ سے کیا غرض وہ قرآن عظیم کا مخالف اور گمراہ ہے، خیر ہم کہاں سے کہاں ہو رہے۔ ہاں کہنا یہ ہے کہ روزانہ مذہب حق کے دشمن مذہب میں شاخسانے نکالتے اور طرح طرح کے فتنے برپا کرتے ہیں، اور اس کا اصل باعث وہی ہوں دنیا اور جاہ و شہرت طلبی ہے، کوئی ائمہ کو گالیاں دیتا ہے۔ کوئی صحابہ کو برا کہتا ہے۔ کوئی۔ اور اونچا اڑا تو انبیاء تک پہنچا۔ انہیں چوڑھا چما رکھا۔ اور بعض نے اور زیادہ ترقی کی تو حضرت سید الانبیاء علیہم افضل الصلاة والثنا کو بھی نہ چھوڑا۔

(۱) [سورة النحل: ۴۴]

(۲) سنن الدارمی [باب التورع عن الجواب فيما ليس فيه كتاب ولا سنة: ۱/۲۴۰ عن

عمر بن الخطاب] شرح السنة للبعغوی [باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۲۰۲]

(۳) [سورة البقرة: ۲۶]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد کو کنہیا کا جنم کہا۔ حضور کے علم عظیم کو شیطان کے علم سے کم کہا۔ کسی نے کہا: انھیں تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں۔ حضور کا علم غیب تو ایسا ہے جیسے زید و عمر و صبی و مجنون سب حیوانات و بہائم کا۔ پھر اور ترقی کی تو اب حضرت عزت تک نوبت پہنچائی اور اس پاک قدوس کی شان گھٹانا چاہی، بعض نے اس کا جھوٹا ہونا ممکن ٹھہرایا۔ بعض نے اس سے زیادہ ترقی کی کہ اسے کاذب بالفعل مانا، یعنی خدا اس عیب سے (معاذ اللہ) ملوث ہو چکا۔ پھر ایک یہی نہیں، جتنے عیوب ہیں: زنا کاری، شراب خوری، چوری وغیرہ وغیرہ سب وہ کر سکتا ہے۔ اب کچھ وہ تھے جنہوں نے کہا: لاؤ سیدھے نبوت ہی کے مدعی بنو، بھیتے ہمارے دام تزویر میں پھنس جائیں گے، مگر یکا نیک نہیں، یوں پھنسنا ذرا دشوار ہوگا، پہلے اس کی تمہید اٹھاؤ، یعنی ختم نبوت کا انکار، اور قرآن عظیم میں جو خاتم النبیین صاف فرمایا گیا ہے اس کی تاویلیں کرو۔ سب میں پہلے اس کی کوشش اسماعیل دہلوی نے کی کہ کہا:

”خدا تو قادر ہے کہ ایک آن میں محمد جیسے کروڑوں پیدا کر ڈالے“

مگر اسے ادعائے نبوت کا وقت نہ ملا۔ پھر اس کی اس ناپاک کوشش سے قاسم علی نانوتوی نے فائدہ اٹھانا چاہا اور تحذیر الناس خاص اسی بارے میں تصنیف کی، مگر وقت کی بات کہ وہ بھی اس کا وقت نہ پاسکا اور قبل اس کے کہ وہ دعویٰ نبوت کرے دنیا سے اٹھ گیا۔ پھر ان دونوں کے کیسے سے قادیانی نے فائدہ اٹھایا اور بڑے شد و مد سے دعویٰ نبوت و مسیحیت کیا۔ اور ایک قادیانی ہی نے کیا اکثر کوان کی ان بے ہودہ کوششوں سے اپنے ناپاک مقصد میں مدد ملی، گھر گھر نبوت کے دعوے ہونے لگے، مسموع ہوا ہے کہ اب بھی کوئی احمد الزماں نامی مدعی نبوت ہے، آج ہمد ۲۸ اکتوبر... ۱۹ء ہمارے سامنے ہے، اس کے مراسلات میں ایک حیدرآبادی صاحب نے ایک اور مجہول منکر ختم نبوت کا بے سرو پا مضمون شائع کرایا ہے اور اس کے رد کی استدعا کی ہے، اول ہم تحقیق مسئلہ کریں پھر مجہول صاحب کے جنون کا علاج۔

ہم ابھی تمہید میں وہ نفیس ترتیب جو قرآن کریم نے ارشاد فرمائی بیان کر چکے کہ عامۃ المسلمین کو علما سے دریافت کا حکم ہے، اور علما کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث طیبہ سے، اور حضور کو قرآن عظیم سے۔ اسی لیے اسلام میں کسی مسئلہ کے ثبوت کے لیے چار صورتیں ہیں کہ.... یا تو وہ کتاب سے ثابت ہوگا۔ اور کتاب (قرآن عظیم) میں اس کا حکم نہ ملے تو سنت اور حدیث سے۔ اور اس میں بھی نہ ہو تو اجماع

امت سے کہ حضور کا ارشاد ہے: ((لا تجتمع امتی علی الضلالة)) (۱)

اور فرماتے ہیں: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

((اتبعو السواد الأعظم)) (۱)

سواد اعظم کی اتباع کرو۔

اس کے بعد چوتھا درجہ قیاس ائمہ مجتہدین ہے۔ یہ مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ کتاب کریم و سنت حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم واجماع امت سب سے ثابت ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس میں ذرا بھی خلاف کی گنجائش نہ تھی مگر شہرت طلبی اور دنیا کی حرص و ہوس کا براہو، یہ اندھا کر دیتی ہے اور ہے یہ کہ جس سے خدا دین لیتا ہے اس کی عقل و حیا پہلے چھین لیتا ہے۔

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص مکہ معظمہ پہنچا، وہاں اس کو خیال ہوا کہ میں یہاں آیا، نہ میں کسی کو جانتا ہوں نہ کوئی مجھے پہچانتا ہے، کوئی ایسی بات کرو جس سے شہرت ہو، اور تو اسے کوئی ذریعہ شہرت نہ مل سکا اس نے زمزم شریف میں پیشاب کر دیا، لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا اور یہ خبر عام ہو گئی، تمام شہر کے لوگ اسے دیکھنے آئے، سزا دیتے وقت اس کی اس ناپاک حرکت کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے یہی کہا: میں یہاں آیا، نہ کوئی مجھے جانتا نہ میں کسی کو پہچانتا تھا، اب مجھ سے سب واقف ہو گئے اور میں مشہور ہو گیا۔ بھلا جس کا سدباب خود خدائے کریم عزوجل نے کیا ہوا ہے کون کھول سکتا ہے، جس پر الہی مہربان ہوا ہے کون توڑ سکتا ہے۔

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (۲)

اس مسئلہ کا انکار کرنا آفتاب کا انکار کرنا ہے، اور قد تنکر العين من رمد کا مصداق بنا اور چاند پر خاک ڈالنے کا حاصل اپنی آنکھوں اپنے منہ میں خاک بھرنا ہے، جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جنہیں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متنبی فرمایا تھا) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی اور اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب سے عرش پر فرمادیا تو کفار عرب معترض ہوئے کہ.....

”ان محمداً (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تزوج حلیلة ابنہ.“ (۳)

(۱) (مشکاۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة الفصل الثانی: ۱/۶۲)

(۲) [سورة الصف: ۸]

(۳) [فتح الباری لابن حجر قوله باب وتخفی فی نفسک..... ۵۲۴/۸]

حضور نے اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا، اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (۱)

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

قرآن عظیم کے لطائف ملاحظہ ہوں، جواب تو اتنا ہو گیا تھا کہ وہ تم میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اب اس کے آگے: لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ کیا ہی نفیس و لطیف و مقدس کلام ہے، اور کیوں نہ ہو کہ کلام الملوک ملوک الکلام مشہور ہے، پھر یہ تو ملک الملوک عز جلالہ کا کلام بلاغت نظام ہے اور اسے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقار و عزت و شان کا اہتمام ہے، اگر اتنا ہی فرما دیا جاتا کہ وہ تم میں سے کسی کے باپ نہیں، تو بعض لوگوں کو وہم ہو سکتا تھا کہ جب حضور باپ نہیں تو بھائی ہوں گے کہ:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (۲)

فرمایا گیا ہے۔ اور بھائی کا مرتبہ ظاہر ہے کہ باپ کے بعد ہے، اس وہم کے دفع کے لیے ارشاد ہوا: ﴿وَلٰكِن رَّسُوْلَ اللّٰهِ﴾ لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور ہر رسول اپنی امت کا باعتبار شفقت و رحمت اور اس لحاظ سے کہ امت پر اس کی تعظیم و توقیر فرض ہے، اور اس اعتبار سے کہ ناصح ہے، باپ ہوتا ہے، بلکہ باپ سے بھی زیادہ کہ یہ امت کی حیات ابدیہ کا سبب ہوتا ہے، بخلاف باپ۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: ﴿النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ حقیقتہً باپ نہ سہی مگر باپ کے جو کام ہیں وہ اور ان سے بڑھ کر رسول کے ذمہ ہوتے ہیں۔

امام علامہ فخر الدین رازی ”تفسیر کبیر“ میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

”فان رسول الله كالأب للأمة في الشفقة من جانبه، وفي التعظيم من طرفهم بل

أقوى، فان النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم والأب ليس كذلك.“ (۳)

علامہ ابوالسعود علیہ رحمۃ ربہ الودود ”ارشاد العقل السليم“ میں ارشاد فرماتے ہیں:

”أى كان رسولا لله، وكل رسول أبوأتمته لكن لا حقيقة بل بمعنى أنه شفيق

(۱) [سورة الاحزاب: ۴۰] (۲) [سورة الحجرات: ۱۰]

(۳) [تفسير الرازي سورة الأحزاب: ۴۱-۲۵/۱۷۱]

ناصح لهم، وسبب لحياتهم الأبدية. (۱)
 ”تفسیر مدارک التزیل“ امام ابوالبرکات نسفی اور ”تفسیر خازن“ علامہ علاء الدین علی بن محمد بن
 ابراہیم بغدادی علیہما رحمۃ الباری میں ہے:

”کل رسول هو أبو أمته فيما يرجع الى وجوب التوقير والتعظيم له عليهم،
 ووجوب الشفقة والنصيحة لهم عليه.“ (۲)

آگے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وخاتم النبیین﴾ اور سب انبیاء کے خاتم۔

کلام میں حشو وزوائد ہونا سخت عیب ہے، اللہ عزوجل کا کلام مقدس اس عیب اور ہر عیب سے
 پاک و منزہ ہے، یہ مسلمان کا ایمان ہے، تو ظاہر کہ اس نفیس کلام کا ہر حرف مفید مطلب ہے۔ یہاں یہ
 فرمانا یہ بتاتا ہے کہ یوں تو ہر رسول اپنی امت کے حق میں رحمت ہے مگر آپ عین رحمت ہیں، اسی لیے
 ارشاد ہوا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (۳)

اے پیارے محبوب ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت تمام عالموں کے لیے۔

اور اس فرق کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ خاتم النبیین ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وہ نبی جس
 کے بعد اور بھی نبی آنے والا ہو اگر اس سے کوئی بات رہ جاتی ہے تو وہ آنے والا نبی اسے پورا فرما دیتا
 ہے، اور یہ تو ایسے ہیں کہ ان کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں، تو انہیں جس قدر اپنی امت کا خیال ہوگا
 ظاہر ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ وہ شخص جس کے اعز ابہ کثرت ہوں وہ اپنی اولاد پر اتنا شفیق نہیں ہوتا جتنا ایک
 ایسا شخص جس کا کوئی عزیز نہ ہو، وہ سمجھتا ہے کہ ان کی بات پوچھنے والا، ان پر نظر شفقت و محبت کرنے والا،
 ان پر ترس کھانے والا، ان کی نگہداشت کرنے والا، ان کو ہر بری بات سے روکنے والا، اور اچھی باتوں کی
 ترغیب دینے والا، اگر کوئی ہے تو میں ہوں۔ وہ جانتا ہے کہ اگر میں ان کا خیال نہ کروں گا تو اور کون ان کا
 ہمدرد ہے جو ان کا حال سنے گا، ان کی بات پوچھے گا۔

(۱) [ارشاد العقل السليم، دار احیاء التراث العربی: ۱۰۶/۷]

(۲) [تفسیر الخازن، سورة الأحزاب: ۴۲۹/۳]

(۳) [سورة الانبياء: ۱۰۷]

گویا ارشاد ہوتا ہے: کہ اے ایمان والو! تمہارا مولیٰ، تمہارا والی، درد کا درماں، تمہاری بات کا سننے والا، مونسوں کا مونس، بے یاروں کا یار، بے مددگاروں کا مددگار، تمہاری مدد فرمانے والا، تمہیں غم سے چھڑانے والا، تمہیں ہر بری بات سے روکنے والا، نیکیوں کی ترغیب دینے والا، تمہیں نجات ابدی دلانے والا، تمہیں کتاب و حکمت سکھانے والا، تمہیں ہدایت کرنے والا، تمہارے نفوس کا ترکیہ کرنے والا، داد کا دینے والا، فریاد کا سننے والا، یہی ہمارا محبوب ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پھر اس کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں، جو تمہاری بات سنے، تمہارے زخم دل پر مرہم دھرے، تم اس کی جتنی عزت و توقیر و قدر کرو کم ہے۔ حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی ”تفسیر کبیر“ میں فرماتے ہیں:

”ثم بین ما یفید زیادة الشفقة من جانبه والتعظیم من جهتهم بقوله: ﴿وختام النبیین﴾ وكذلك لأن النبی الذی یكون بعده نبی ان ترك شیئا من النصیحة والبیان یستدر کہ من یاتی بعده، وأما من لا نبی بعده یكون أشفق علی أمتہ وأهدی لهم وأجدی؛ اذ هو کوالد لولده الذی لیس له غیره من أحد.

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو فضائل اور خوبیاں اور تمام انبیا کو عطا فرمائیں وہ سب اپنے محبوب میں جمع فرمادیں اور ان سے بہت زیادہ عطا ہوں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تہا داری

پھر یہی نہیں کہ وہ فضائل و کمالات جو اور انبیائے کرام علی سید ہم و علیہم افضل الصلاة والسلام کو عنایت ہوئے، بعینہا ویسے ہی حضور کو بخشے گئے، نہیں نہیں، جو خوبی جسے عطا ہوئی وہ بدرجہ اتم حضور کو عنایت ہوئی، مثلاً حسن کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلاة والتسلیم کو عطا ہوا، حضور کو اس سے بڑھ کر عنایت ہوا۔ خود نبی کریم علیہ افضل الصلاة والتسلیم سے مروی ہے:

((کان أخی یوسف أصبح وأنا أملح)) (۱)

میرے بھائی یوسف خوب گورے تھے اور میرا حسن کمال نمکین ہے۔

اور صباحت و ملاحت میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔

قال شیخنا المجدد: متع اللہ المسلمین بطول بقائه (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں

سرکٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب
 وفي هذا المعنى قال العم: (۱) عليه رحمة ربه الاكرم
 پیش یوسف ہاتھ کاٹے ہیں زنانِ مصر نے
 تیری خاطر سرکٹا بیٹھے فدایانِ جمال
 دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

((قد رأيت يوسف فاذا هو قد أعطى شطر الحسن)) (۲)
 ہم نے یوسف کو دیکھا ہمارے حسن کریم سے ایک حصہ ان کو عطا ہوا۔

انبیائے کرام ہدایت ہی کے لیے مبعوث فرمائے جاتے ہیں، اور یہ ان کے اعلیٰ درجہ کے کمالات سے ہے، تو ظاہر ہے کہ تمام کمالات کی طرح حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کمال بھی بدرجہ اتم اور سب سے اعلیٰ واعظم عنایت ہوا۔ اور اس کا درجہ اتم یہی ہے کہ حضور کی ہدایت کے بعد پھر کسی کی ہدایت کی حاجت نہ ہو، اور شک نہیں کہ دوسرا نبی یا تکمیل کو آتا ہے، یا اگر کتاب و شریعت تبدیل ہوگئی اس کی تبدیل کے لیے، اور یہاں یہ دونوں باتیں نہیں، نہ تو حضور سے کوئی بات رہی کہ حضور کو ہدایت کا درجہ اتم عنایت ہو، اور نہ تبدیل ممکن کہ حضور کو جو کتاب کریم عطا ہوئی حضور کا چاہنے والا خدا اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (۱)

ہم نے یہ کتاب اتاری اور ہم خود اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔

”هذا ما سنع لي بفيض الملك بالمنعم - والعلم بالحق عند ربي العلام،
 خذه فانه من سوانح المقام، ألقاه الله ذو الجلال والاكرام في قلب العبد
 المستهام، أرشدني وهداني إلى هذا المرام
 لفظ ”أهدى“ الواقع في العبارة المارة الان للامام فخر الدين الرازي عليه
 رحمة الباري“

(۱) ذوق نعت: استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی۔

(۲) (عمدة القاری، باب المعراج: ۲۶/۱۷)

(۱) [سورة الحجر: ۱۰۹]

اگلے صحف و کتب انبیا بھی اس بارے میں قرآن کریم کے ہم نوا ہیں، جب حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ ووالسلام پر توریت شریف نازل ہوئی، اس میں اس امت کی تعریف دیکھی، اس پر انھوں نے اپنے رب سے عرض کی:

”یا رب! انی أجد فی الألواح أمة هم الآخرون السابقون فاجعلها أمتی“
اے میرے رب میں ان الواح میں ایک امت پاتا ہوں کہ وہ باعتبار زمانہ سب سے آخری ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے سب پر مقدم۔ وہ امت میری امت فرما۔

ارشاد ہوا:

((تلك أمة أحمد)) وہ امت تو احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔

رواہ أبو نعیم عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۱)

صحف ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام میں ارشاد ہوا:

تمہاری اولاد قبائل در قبائل ہوگی، یہاں تک کہ نبی کریم امی خاتم الانبیا جلوہ فرما ہوں۔

رواہ ابن سعد عن عامر الشعبي۔ (۲)

حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام سے ارشاد ہوا:

میں تمہاری اولاد سے سلاطین و انبیا بھیجتا رہوں گا۔

((حتى أبعث النبي الحزمي الذي تبنى أمته هيكل بيت المقدس وهو خاتم

الأنبياء واسمه أحمد.)) (۳)

یہاں تک کہ بھیجوں وہ نبی حرمی جس کی امت بیت المقدس کی تعمیر کرائے گی، وہ تمام نبیوں کا

خاتم، اور اس کا نام احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ان دونوں حدیثوں نے بھی یہی فائدہ دیا کہ حضور خاتم الانبیا ہیں، حضور کی امت سب سے آخری

امت ہے، اب آگے اور کوئی نبی نہ آئے گا کہ ”حتی“ انتہائے غایت کے لیے آتا ہے۔ صاف یہی معنی ہیں

(۱) لهداية إلى بلوغ النهاية: ۴/۲۵۶۷۔ عن قتادة

مختصر تفسیر ابن کثیر۔ سورة الاعراف: ۱۵۴: ۵۳/۲۔ عن قتادة

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد، باب علامات النبوة: ۱/۱۳۰۰

(۳) الخصائص الكبرى، باب اخذ الميثاق: ۱/۱۷

کہ میں نبی بھیجتا رہوں گا یہاں تک کہ حضور جلوہ فرما ہوں، یعنی حضور کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، وہ تمام نبیوں کے خاتم ہیں، پھر اور وضاحت فرمادی کہ ان کا نام نامی احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ مشہور ہے کہ جب آپ نے بھول کر گیہوں کھا لیا تو

ارشاد ہوا:

﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ (۱)

ترجما: کہ زمین ایک وقت تک تمہارا مستقر اور اس میں ایک میعاد تک تمہاری پونجی ہے۔

اور نہ اترتے ہیں، تین سو برس تک توبہ فرماتے ہیں، روتے ہیں، مگر رحمت الہی بظاہر متوجہ نہیں ہوتی، آراہیں نیال آتا ہے کہ جب میں پیدا فرمایا گیا تھا تو میں نے ساق عرش پر لکھا دیکھا تھا: ”لا إله إلا الله • محمد رسول الله“ محمد بہت ذی مرتبہ ہیں اور خدا کو نہایت عزیز۔ جب تو ان کا نام نامی اسم گرامی سے ملا کر لکھا ہے، انہیں کو اپنی بخشش کا وسیلہ بنانا چاہیے، کیا عجب رحمت الہی متوجہ ہو، انہوں نے عرض کی:

((يارب! أسئلك بحق محمد أن غفرت لي.)) (۲)

الہی میں تجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔

جواب میں فرمایا: تم نے محمد کو کیسے جانا میں نے ابھی اسے پیدا نہیں فرمایا؟ عرض کی: میں نے اپنی

پیدائش کے وقت ساق عرش پر لکھا دیکھا تھا، ارشاد ہوا:

((صدقت يا آدم.)) (۳)

اے آدم تم نے سچ کہا۔

بے شک وہ مجھے تمام جہان سے پیارا ہے، تم نے اسے وسیلہ بنا کر اس کا واسطہ دے کر بخشش

چاہی تو میں نے تمہاری مغفرت فرمائی، اگر محمد نہ ہوتا تو میں نہ تمہیں بناتا، نہ آسمان زمین پیدا کرتا۔

((وهو آخر الأنبياء من ذريتك.)) (۴)

وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا نبی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۱) [سورة البقرة: ۳۶]

(۲) (الشریعة للاجری، باب ذکر متی وجبت: ۱۴۱۰/۳)

(۳) (المستدرک للحاکم، باب آیات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۶۷۲/۲)

(۴) (المواہب اللدنیہ للقسطلانی، باب تشریف اللہ تعالیٰ له: ۵۵/۱)

خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ میں صراحتاً ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

((أنا العاقب الذي ليس بعده نبي.)) (۱)
میں عاقب اور عاقب وہ کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اور فرماتے ہیں:

((أنا المقفئ قفيت النبيين عامة وأنا قثم.)) (۲)

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

((لو كان بعدى نبي لكان عمر.)) (۳)

میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرماتے ہیں:

((أنت منى بمنزلة هارون من موسى، إلا أن لا يكون بعدى نبي.)) (۴)
تم میری بارگاہ میں وہ منزلت رکھتے ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

نیز ارشاد ہوتا ہے: ((إنهما بعثت فاتحا وخاتما)) (۵)

میں مبعوث فرمایا گیا دریا کے رجمت کھولتا اور نبوت و رسالت ختم کرتا ہوا۔

عبد بن حمید امام حسن سے راوی:

((ختم الله النبيين بمحمد ﷺ و كان آخر من بعث)) (۶)

اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نبیوں کو ختم فرمایا اور حضور سب سے پچھلے نبی

(۱) (التمهيد لمافي المؤطا من المعاني والأسانيد: الحديث السابع عشر، ۹/۱۵۵)

(۲) [الشفاء بتعريف حقوق المصطفى: الفصل الثالث عشر في أسمائه، ۱/۴۴۸]

(۳) (مسند الروياني: ۱/۱۷۱ - المستدرک: ما قبل عمر، ۳/۹۲)

(۴) (مسند أبي داود: احاديث سعد بن أبي وقاص، ۱/۱۶۷)

(۵) (مصنف عبد الرزاق للصنعاني: مسألة اهل الكتاب، ۶/۱۱۲)

(۶) (الدر المنثور في التفسير سورة الأحزاب: ۴۰، ۶/۶۱۷)

ہوئے۔

خازن میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

((یرید لو لم أختتم به النبیین لجعلت له ابنا یكون بعده نبیاً یعنی خاتم

النبیین)) (۱)

یہ مراد ہے کہ اگر میں ان پر نبیوں کا سلسلہ ختم نہ کرتا تو ان کے لیے ایک بیٹا دیتا جو ان کے بعد نبی

ہوتا۔

فرمایا اس سے اللہ عزوجل کی یہ مراد ہے:

کہ میں اگر ان سے نبیوں کو ختم نہ فرماتا تو انھیں بیٹا عطا کرتا کہ وہ ان کے بعد نبی ہوتا، حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کے خاتم النبیین ہونے کا حکم فرمایا، اسی لیے کوئی لڑکا ایسا کہ وہ بالغ ہو کر مرد ہو، نہ دیا۔

یہی چند احادیث نہیں بکثرت احادیث ہیں، جنھیں ہم بخیاں طوالت ترک کرتے ہیں، اور ہے یہ کہ منصف کے لیے یہی بس ہیں اور ہٹ دھرم معاند کو اگر سب نقل کر دی جائیں تو بھی مفید نہیں، جس نے کتب احادیث و تاریخ دیکھی ہیں اس پر واضح ہے کہ اکثر یہود و نصاریٰ نے حضور کے خاتم النبیین ہونے کی شہادت دی ہے۔

سعد بن ثابت کہتے ہیں: بنی قریظہ اور بنی نضیر کے علماء حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے، جب سرخ ستارہ چمکا تو انھوں نے خبر دی کہ وہ نبی پیدا ہو لیے جن کے بعد کوئی اور نبی نہیں، ان کا نام پاک ”احمد“ ہے اور ان کا دار الحجرۃ یثرب (مدینہ طیبہ) ہے۔

نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہوا کہ میں نے اسکندریہ میں ایک قبطنی پادری سے جو سب سے بڑا مجتہد تھا، دریافت کیا کہ انبیا سے کوئی نبی باقی رہا، اس نے کہا:

”نعم وهو آخر الأنبیاء لیس بینہ وبين عیسیٰ نبی، قد أمر عیسیٰ باتباعہ وهو النبی الأمی العربی اسمہ احمد۔“ (۲)

ہاں اور وہ سب میں پچھلے نبی ہیں، ان کے اور حضرت عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں، عیسیٰ کو ان

(۱) (تفسیر الخازن سورة الأحزاب: ۳۸، ۳/۴۲۹)

(۲) (الخصائص الكبرى ذکر حلیة الأنبیاء علیہم الصلوٰة والسلام: ۲/۲۰)

کے اتباع کا حکم دیا گیا اور وہ نبی امی عربی ہیں، ان کا نام پاک احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور بہت سے اوصاف و خصائص حضور کے بیان کیے، میں نے یہ سب باتیں خوب یاد رکھیں اور وہاں سے واپس آ کر مسلمان ہوا۔

ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی عہد معدلت مہد میں ہرقل نصرانی بادشاہ روم کے یہاں سفیر فرما کر بھیجا اور وہاں جو واقعات پیش آئے، حضرت علامہ جامی قدس سرہ السامی نے اپنی کتاب مستطاب ”شواہد النبوة“ میں وہ سب تحریر فرمائے ہیں، ہم اتنا ہی یہاں نقل کرتے ہیں جتنا ہمارے موضوع سے متعلق ہے، اگرچہ وہ روایت نہایت دلچسپ ہے مگر ہمیں اختصار مد نظر ہے۔

چوں کہ روز آں جا بودیم مارا در شب طلبیدہ، ہرچہ پرسیدہ بود باز پرسیدہ، مانیز جو ابہارا اعادہ کردیم، بعد ازاں چیزے دے طلب داشت، صندوقے چہار گوشہ بزرگ بنداندودہ آوردند و در آں جا خانہائے خرد بسیار بود، بر ہر یک درے و بر ہر درے قفلے یک قفل بہ کشادہ قطعہ حریر سیاہ بیرون آوردہ، آں را بکشادہ در آں جا صورت مردے بود سرخ رنگ فراخ چشم کشادہ سہرین بدرازی گردن، دے ہرگز کسے راندیدہ بودیم، و مراوراریش نبودہ، و گیسو داشت بہترین آنچہ خدائے تعالیٰ آفریدہ است گفت: ایں رامی شناسید؟ گفتیم: نے، گفت: ایں آدم ست۔ صلوات اللہ تعالیٰ علیہ۔ بعد ازاں درے دیگر بکشادہ قطعہ دیگر حریر سیاہ بیرون آوردند و در آنجا صورت مردے سفید زنجیر مردے سرخ چشم بزرگ سر محاسن نکو پس گفت: ایں رامی شناسید؟ گفتیم: نے، گفت: ایں نوح ست علیہ السلام (الیسی ان قال) بعد ازاں درے دیگر بکشادہ قطعہ حریر سیاہ بیرون آوردہ و در آنجا صورتے سفید بود، چوں نگاہ کردیم دیدیم کہ پیغمبر ماست صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس گریہ بر ما افتاد وے بر پائے خاست، و بعد ازاں بہ نشست، پس گفت کہ سو گند بخدائے شما کہ ایں پیغمبر شما ست، گفتیم: آرے ایں پیغمبر ماست، گویا کہ حالا وے رامی بنیم ساعتے تیز در مانگریست پس گفت کہ آخریں خانہائے ایں صندوق ست، لیکن من تجلیل کردم در نمودن وی تا بہ پنیم کہ شما چمی گوئید الخ۔

اللہ اللہ یہ شان ہے کہ اعدا بھی شہادت دے رہے ہیں کہ ہاں یہی وہ عظیم شان والا اللہ کا محبوب نبی ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں، والفضل ما شہدت بہ الأعداء۔

یہاں سے مخالف عبرت کا سبق لے کہ یہود و نصاریٰ تو حضور پر نور کے آخر انبیا اور خاتم النبیین ہونے کی گواہی دیں اور یہ نام کے مسلمان یہ کچھ کہیں۔

آیات و احادیث تو سن چکے۔ اب اقوال علما سنیں!

علماء ارشاد فرماتے ہیں: حضور کی تمام انبیا پر افضلیت اور حضور کی خاتمیت پر اجماع امت ہے تو جو حضور کو افضل نہ مانے، یا تمام انبیا کا خاتم اور سب سے پچھلا نبی نہ جانے، کافر بے دین ہے۔
علامہ سعد الدین تفتازانی ”شرح مقاصد“ میں فرماتے ہیں:

”یصح أنه خاتم الأنبياء ولا يبعث بعده نبي، أجمع المسلمون على أن أفضل الأنبياء محمد ﷺ المبعوث إلى الثقليين وخاتم الأنبياء والرسل، ومعجزاته الظاهرة الباهرة باقية على وجه الزمان، وشريعته ناسخة لجميع الأديان. وشهادته قائمة في القيامة على كافة البشر إلى غير ذلك من خصائص لا تعد ولا تحصى.“ (۱)

صحیح ہے کہ وہ خاتم الانبیا ہیں، ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا، مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام انبیا میں افضل حضور ہیں، وہ جن وانس کی طرف مبعوث کیے گئے۔ اور وہ خاتم انبیا و رسل ہیں، ان کے معجزات ظاہرہ و باہرہ زمانہ پر باقی رہیں گے، ان کی شریعت تمام ادیان کے لیے ناسخ ہے، اور ان کی شہادت قیامت میں تمام انسانوں پر قائم ہوگی، اس کے علاوہ اور بھی بے شمار خصوصیات ہیں۔

و نیز امام فقیہ شیخی زاوہ نے ”مجمع الانهر“ میں فرمایا:

”أما الإيمان بسيدنا محمد ﷺ فيجب بأنه رسولنا في الخال وخاتم الأنبياء والرسل، فإذا امن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الأنبياء لا يكون مؤمناً.“ (۲)
رہا ہمارے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان، تو اس طور پر ایمان لانا واجب ہے کہ وہ ہمارے رسول ہیں اور خاتم انبیا و رسل ہیں، جب ان کے رسول ہونے پر ایمان لائے اور ان کے خاتم الانبیا ہونے پر ایمان نہ لائے تو وہ مومن نہ ہوگا۔

امام یوسف شافعی اپنی کتاب ”الانوار“ میں فرماتے ہیں:

”من ادعى النبوة في زماننا، أو صدق مدعيا لها في زمانه ﷺ، أو من لم

يكن نبيا كافر.“ (۳)

جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہمارے زمانے میں یا جس نے تصدیق کی ایسے شخص کی جس نے نبوت

(۱) شرح المقاصد في علم الكلام: ۱۹۲/۲

(۲) مجمع الانهر في شرح ملتقى الأبحر الفاظ الكفر انواع: ۱/۶۹۱

(۳) فتاوى الشبكة الاسلامية: القاديانية ومعتقداتهم، ۱/۵۸۸۵

کا دعویٰ کیا عہد رسالت میں۔ یا ان سے پہلے مگر وہ نبی نہ تھا تو کافر ہو گیا۔
امام غزالی فرماتے ہیں:

لفظ ”خاتم النبیین“ سے ساری امت مرحومہ نے یہی سمجھا کہ یہ لفظ یہ سمجھتا ہے کہ حضور پر نور کے بعد کوئی اور نبی یا رسول ابد تک نہ ہوگا، اور یہ کہ اس میں کسی تاویل یا تخصیص کی جگہ نہیں، جو اسے خاص کہے اس کا کلام انواع ہدیان سے ہے، اس کے حکم تکفیر سے کوئی مانع نہیں، اس لیے کہ وہ مذب ہے اس نص کا جس کے غیر مؤول وغیر مخصوص ہونے پر امت نے اجماع کیا ہے۔

امام حجۃ الاسلام ”کتاب الاقتصاد“ میں فرماتے ہیں:

”ان الأمة فهمت من هذا اللفظ ومن قرائن احواله أنه أفهم عدم نبی بعده أبدا، أو عدم رسول بعده أبداً، وأنه ليس فيه تأويل ولا تخصيص، ومن أوله بتخصيص فكلامه من أنواع الهديان لا يمنع الحكم بتكفير؛ لأنه مكذب لهذا النص الذي أجمعت الأمة على أنه غير مؤول ولا مخصوص.“ (۱)
تفسیر ارشاد العقل السليم میں ذکر کیا:

﴿وخاتم النبیین﴾ أي كان آخرهم الذي ختموا به. (۲)
حضور پر نبوت ختم کر دی گئی۔

”مدارک“ امام ابوالبرکات نسفی میں ہے:

﴿خاتم النبیین﴾ بفتح التاء عاصم بمعنى الطابع أي: آخرهم يعني لا نبيا أحد بعده. (۳)

امام عاصم کے نزدیک تاکہ فتح کے ساتھ ہے مہر کے معنی میں، یعنی تمام انبیا کا آخر۔
خازن میں فرمایا:

”ختم الله بالنبوة فلا نبوة بعده أي: ولا معه. (۴)

(۱) (کتاب الاقتصاد: باب من يحت تكفيره من الفرق؛ ۱/۱۳۷)

(۲) [تفسیر ابو السعود، سورة الأحزاب، ۴/۳۲۴]

(۳) (مدارك التنزيل: سورة الأحزاب، ۳/۳۴)

(۴) [تفسیر خازن: الأحزاب، ۴/۴۲۹]

اللہ تعالیٰ نے حضور پر نبوت ختم کر دی، تو نہ ان کے بعد نبوت ہے اور نہ ان کے ساتھ۔
 الحمد للہ مہر نیم روز کی طرح ظاہر و باہر ہو گیا کہ ہمارے سردار مالک و مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 سب سے پچھلے سب سے افضل نبی ہیں، جو اس میں ذرا بھی شک کرے کافر ہے، آیات و احادیث قطعاً
 اپنے عموم پر ہیں، جن میں اصلانہ تاویل کی گنجائش، نہ تخصیص کی مجال۔

”هذا وإن شئت التفصيل فعليك بالكتاب الجليل في هذا الباب المسمى
 بـ”جزاء الله عدوه بابائنه ختم النبوة“ لسيدنا الشيخ المجدد دامت بركاتهم
 العالیه۔ واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم۔

مجہول صاحب کی خبر گیری

۱۔ انبیائے کرام ہدایت اور دین حق کی حفاظت ہی کے لیے مبعوث ہوتے ہیں، ان کا اصل کار
 ہدایت ہی ہے، مجہول صاحب نے نمبر ۶-۵۔ میں اس کا اقرار کیا ہے، نمبر ۵ میں کہتے ہیں:
 ”امت موسویہ میں توریت کامل شریعت موجود تھی، پھر بھی کئی رسول حفاظت توریت اور تردید
 اختلافات کے لیے آتے رہے“
 نمبر ۶ میں بولے:

نبی یا رسول کا اصل کام، أعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت۔ ہے، خواہ بذریعہ شریعت سابقہ۔ یا
 بہ شریعت جدیدہ ہو، یعنی تزکیہ نفوس و تعلم کتاب و حکمت۔

ہم دریافت کرتے ہیں کہ حفاظت توریت کے لیے آئے، اس کے یہ معنی ہیں یا نہیں کہ وہی
 انہوں نے بھی فرمایا، جو توریت مقدس نے فرمایا، وہی ہدایت کی جو توریت میں تھی، تردید اختلاف کے
 لیے آئے، یعنی توریت کا خلاف مٹایا اور وہی ہدایت فرمائی جو توریت نے فرمائی تھی۔

تزکیہ نفس کی شایہ ہے ”یزکیہم“ کے کیا یہ معنی نہیں کہ انہیں پاک فرماتا ہے۔ پاک کا ہے سے
 فرماتا ہے اسی ہدایت سے۔ تعلیم کتاب و حکمت کے معنی سوائے ہدایت اور کیا ہیں۔ اقرار مرد آزار مرد،
 مشہور ہے: ع

وہ الزام، ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

مجہول صاحب نے چاہا تو یہ کہ الزام دیں، مگر خدا کا دھراسر پر، نصیبوں سے کسے خبر، یہ کہہ کر اپنی
 چٹائی آپ ہی ڈھائی، اب وہ جتنے مقدمات قائم کیے تھے کہ:

(۱) کیوں کہ نبی یا رسول کا کام صرف شریعت لانا، ہدایت لانا نہیں، بلکہ اس کے علاوہ نبوت کے فرائض اور کام ہیں۔

(۲) قرآن کریم: نبوت کی غرض صرف تکمیل ہدایت یا تکمیل شریعت لانا قرار نہیں دیتا۔

(۳) انبیائے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے بعد کئی گزرے ہیں، جو کوئی شریعت یا ہدایت جدیدہ نہیں لائے۔

(۴) نبی یا رسول کا شارع ہونا شرط نہیں۔

یہ سب بہاء منثورا ہو گئے۔

۲: کیا بعد اس کے کہ اللہ عزوجل حفاظت کا وعدہ فرمائے، پھر بھی ظاہری حفاظت کی ضرورت

باقی رہتی ہے۔

۳: مہر بیچ میں ہوتی ہے یا ختم پر۔

۴: کتب اصول میں مصرح ہے کہ جمع محلی باللام اُروہاں ”ال“ تعریف عہدی کا نہ بنتا ہو، اور

نکرہ چیز نفی میں ہو تو وہ مفید عموم واستغراق ہے۔

منار میں فرمایا:

”و کذا إذا دخلت لام التعريف فيما لا يحتمل التعريف بمعنى العهد

أوجبت العموم حتى يسقط إعتبار الجمعية إذا دخلت على الجمع. (۱)

اور ایسے ہی جب لام تعریف اس میں داخل ہوتا ہے جس میں تعریف یعنی عہد کا احتمال نہ ہو تو عموم

واجب ہوتا ہے، یہاں تک کہ جمعیت کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ جمع پر داخل ہو۔

اس کی شرح ”نور الانوار“ میں ہے:

”أو على الاستغراق فيستوعب الكل يقيناً كما في قوله تعالى ﴿إن

الإنسان لفي خسر إلا الذين آمنوا وعملوا الصلحت﴾. (۱)

یا استغراق پر تو وہ یقینی طور پر کل کا استیعاب کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے کہ ”بے

شک انسان گھائے میں ہے، مگر سوائے وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔“

(۱) [المنار: مبحث العام ص: ۸۴، ۸۵]

(۱) [نور الأنوار شرح المنار: مبحث العام، ص: ۸۵]

اسی میں ہے:

”وأما إذا كان على الجمع فثمره عمومه أنه يسقط معنى الجمع، فلا يكون أقله الثلث؛ إذ لو بقي جمعاً لم يظهر لللام فائدة.“ (۱)

اور جب وہ جمع پر ہو تو اس کے عموم کا یہ نتیجہ ہوگا کہ معنی جمع ساقط ہو جائے گا، تو اس کا اقل ثلث نہ ہوگا، اس لیے کہ اگر جمع باقی رہے تو لام کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

منار میں ہے:

”والنكرة في موضع النفي تعم.“

اور نکرہ موضع نفی میں عام ہے۔

اور یہ بھی مصرح ہے کہ آیات و نصوص اپنے عموم ہی پر رکھے جائیں گے، یہاں تک کہ اخبار احاد اگر مرفوع بھی ہوں تاہم ان سے تخصیص ناجائز، خود مجہول صاحب نے براہ نادانستگی اسے تسلیم کیا ہے۔

نمبر ۹ ملاحظہ ہو:

”کوئی حدیث نص کتاب اللہ کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی بلکہ اگر وہ قرآن کریم کے مضامین کے خلاف ہے تو تاویل کرنی پڑے گی“

مجہول صاحب کا یہ کہنا اگرچہ علی الاطلاق صحیح نہیں، اس لیے کہ متواترات ضرور ناسخ ہوتی ہیں مگر اتنا تو ضرور ہے کہ احاد اگرچہ مرفوع ہوں پھر بھی نص قرآن عظیم کی ناسخ یا تخصیص نہیں ہو سکتیں۔ کیا اب بھی مجہول صاحب یہی کہیں گے کہ النبین اور لا نبی بعدی مفید عموم نہیں۔ نہیں تو کیوں؟

۵:- مجہول صاحب کہتے ہیں:

(۱) النبین میں الف لام تخصیص کا بھی ہو سکتا ہے۔

یہ الف لام تخصیص کیا بلا ہے، اس کا کہاں پتا ہے، پھر یہ ”ہو سکتا ہے“ سے تو کام نہیں چلتا کہ دربارہ اعتقاد یقین درکار ہے، نہ ظن۔ کسی اعتقادی بات کے ثبوت کو تو اتر چاہیے، کیا مجہول صاحب بتا سکتے ہیں کہ یہ الف لام تخصیص کیا ہے، اور ہے تو تو اتر سے ثابت کرتے، کہ یہاں الف لام تخصیص کا ہے، اور اصول کا وہ قاعدہ غلط ہے کہ جمع محلی باللام مفید استغراق ہے۔

(۱) [نور الأنوار شرح المنار: مبحث العام، ص: ۸۵]

(۱) [أيضاً: ص: ۸۲]

۶:- مجہول صاحب نے عجیب الٹی منطق پڑھی ہے، جہاں عموم ہوتا ہے، وہاں زبردستی تخصیص کرتے ہیں، اور جہاں خصوص، وہاں دھینگا دھاگنی سے عموم لیتے ہیں۔ آیت میں لفظ سنۃ موعود عذاب کے ساتھ خاص ہے، مطلب یہ ہے کہ رسولوں کی تکذیب پر جیسے پہلے عذاب فرمایا گیا ہے، یوں ہی اب بھی عذاب فرمایا جائے گا:

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (۱)

اور تو اس سنت اللہ کو تبدیل نہ پائے گا۔

کہہ من فرمایا:

”یعنی هذا ليس بدعا بكم بل هو سنة جارية وعادة مستمرة تفعل بالمكذبين ،

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ أي ليست هذه السنة مثل الحكم الذي يبدل وينسخ ،

فان النسخ يكون في الأحكام ، أما الأفعال والأخبار فلا تنسخ. (۲)

یعنی یہ نئی چیز نہیں ہے بلکہ سنت جاریہ اور عادت مستمرہ ہے، یہ ان پر جاری ہوتی ہے جو نبیوں کی

تکذیب کرتے ہیں ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ یعنی یہ سنت اس حکم کے مثل نہیں جس میں تبدیلی اور

نسخ ہوتا ہے، کہ نسخ احکام میں ہوتا ہے، رہے افعال و اخبار تو وہ منسوخ نہیں ہوتے۔

ارشاد العقل السليم میں ہے:

﴿سنة الله﴾ أي سن الله ذلك في الأمم الماضية سنة ، وهي أن يقتل الذين

نافقوا الأنبياء وسعوا في توهمين أمرهم بالإرجاف ونحوه أينما ثقفوا ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

الله تبديلاً﴾ أصلاً لا بتناؤها على أساس الحكمة التي عليها يدور فلك التشريع. (۳)

﴿سنة الله﴾ یعنی امم ماضیہ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری رہی کہ وہ لوگ جہاں ملیں قتل

کیے جائیں جنہوں نے انبیاء کے ساتھ نفاق کیا اور جھوٹی خبریں پھیلا کر اور اسی جیسے دیگر طریقوں سے ان

کے معاملے کو بے قدر کرنے میں کوشش کی ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ اور تم اللہ کی سنت کو بدلتا نہ

پاؤ گے کہ اس کی بنیاد اس حکمت پر رکھی گئی ہے جس پر آسمان تشریح گردش کرتا ہے۔

(۱) [سورة الأحزاب : ۶۲]

(۲) [التفسير الكبير سورة الأحزاب، ۶۲—۱۸۴/۹]

(۳) [تفسير ارشاد : سورة الأحزاب، ۴/۳۳۳—۳۳۴]

مدارک شریف میں فرمایا:

”أى سن الله ذلك في الذين ينافقون الأنبياء أن يقتلوا أينما وجدوا.“ (۱)
یعنی جو لوگ انبیا کے ساتھ نفاق کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ
جہاں ملیں قتل کیے جائیں۔
خازن میں ہے:

”أى: المنافقين والذين فعلوا مثل ما فعل هؤلاء أن يقتلوا حيثما ثقفوا.“ (۲)

یعنی منافقین اور وہ لوگ جنہوں نے ان کا مثل کیا جہاں ملیں قتل کیے جائیں۔

اور کتب اصول میں مصرح ہے کہ وعیدات اپنی موارد پر مقصور ہیں۔ اگر مجہول صاحب کے طور پر
اسے عام ہی رکھا جائے، تو کیا حشر نشر سب باطل نہ ہو جائے گا کہ اس عالم کا اس طور ہونا یہ بھی ایک سنت
ہے، اور سنت کی تبدیلی نہیں۔ مجہول صاحب کہیں اب کیا کہتے ہیں۔

۷: ﴿اتممت عليكم نعمتي﴾ کو وعدہ کہنا مجہول صاحب ہی جیسے ضرورت سے زیادہ عقل مند
کا کام ہے، پھر اس سے موجود رہنے کا اثبات بالکل اس کا مصداق ہے:

کہاں کی اینٹ کہاں کاروڑا
لوگو مرے مجنوں کو کوئی چرخ پہ ڈھونڈو
بھان متی نے کنبہ جوڑا

شیریں کی یہ فریاد تھی کلکتے میں سب سے

کیا مجہول صاحب کہہ سکتے ہیں کہ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی نبی رہا ہے، اگر رہا ہے تو فرمائیں کہ
آیت کریمہ ﴿على فترة من رسل﴾ کے کیا معنی ہیں؟

۸. مجہول صاحب کو فعل و صفت میں تمیز نہیں جیسی تو کہتے ہیں: نبی اور رسول کا بھیجنا خدائے تعالیٰ
کی ایک صفت ہے، اور اگر خدائے تعالیٰ کی کوئی صفت کام چھوڑ دے تو صفت میں تعطل اور انقطاع واقع
ہوتا ہے، اور بفرض غلط مجہول صاحب کی مان لیجیے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ خالق اس کی صفت ہے
یا نہیں، ماننا پڑے گا کہ اس کی صفت ہے، تو چاہیے کہ ہر آن میں مخلوق ہو ورنہ صفت میں تعطل ہوگا۔ اس
عالم کے وجود سے پہلے وہ خالق تھا یا نہیں؟ تھا تو کس چیز کا، اور اب جب یہ عالم فنا ہو جائے گا تو آپ کے

(۱) (مدارك التنزيل: سورة الأحزاب، ۳/۴۶)

(۲) [تفسير الخازن، أحزاب، ۶۲، ۳/۴۳۷]

نزدیک وہ خالق رہے گا یا نہیں؟ ایک آن کو منقطع مانو گے یا تعطل جانو گے تو ذات کو باطل ٹھہراؤ گے۔

۹: قرآن کریم میں یہ آیت ﴿خاتم النبیین﴾ دونوں طور پر پڑھی گئی ہے، یعنی ﴿خاتم

النبیین﴾ اور ﴿خاتم النبیین﴾ قرأ عاصم بفتح التاء و الباقون بكسرهما (غیث النفع للسید علی النوری السفاقی)

قرئ بكسر التاء أي كان خاتمهم (ارشاد العقل السليم)

بفتح التاء عاصم بمعنى الطابع اي آخرهم يعني لا ينبأ أحد بعده وغيره

بكسر التاء بمعنى الطابع. (۱)

اور دونوں قرأتیں متواترہ ہیں، بلکہ قرأت سب سے صرف ایک عاصم فتح تا سے پڑھتے ہیں، باقی

سب کسرتا سے، اور قرأت کا انکار کفر، اب مجہول صاحب فرمائیں کہ انہوں نے نمبر (۸) میں یہ کہہ کر کہ

قرآن کریم میں جو خاتم النبیین آیا ہے۔ اس میں خاتم کا لفظ وارد ہے، اور اس کے حرف ”تا“ پر زبر ہے

زیر نہیں یعنی خاتم نہیں، پس خاتم کے معنی مہر کے ہیں، ختم کرنے والے کے نہیں، کیوں کہ وہ لفظ

خاتم ہے اور وہ قرآن میں نہیں۔

یہ کہہ کر کفر اوڑھا۔ یا نہیں؟۔

۱۰: نمبر ۶/ کارداو پر ہولیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی تعالیٰ عنہما پر خدا کی بے شمار رحمتیں،

انہوں نے فیصلہ فرما دیا۔ کہیے مجہول صاحب ان کا فیصلہ مقبول ہے یا نہیں؟۔ یوں ہی (۲) اور (۹) کاردا

بھی اوپر گزرا۔ واللہ الحمد

مسلمانو، اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا: ﴿وخاتم النبیین﴾

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اب تک سب یہی سمجھے کہ حضور سب میں آخری نبی ہیں، اور حضور

کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ آج کل چند ملحد، بے دین، اگر کچھ خرافات، ہزلیات بکس، کیا قابل التفات ہوں۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ

سیدنا و مولانا محمد خاتم الأنبياء والمرسلین و علی آلہ و صحبہ أجمعین امین

امین امین برحمتك يا أرحم الراحمین۔

(۶) کفریات

مسلمان خدا کو سجدہ کرتا ہے اور کافر و مشرک بتوں کو

(۱۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
زید کہتا ہے کہ ہندو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، اور ہم کعبہ میں جا کر پتھر کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور ہندو پتھر پر پانی پھول چڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ پانی پھول مہادیو کو پہنچتا ہے، اور ہم کعبہ میں جا کر کنکریاں مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیطان کو چوٹ لگتی ہے، پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ اس کا جواب ایسا مجھ کو دیجیے کہ مجھ کو سیری ہو۔

الجواب

یہ شخص جلد تر توبہ کرے۔ کوئی مسلمان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتا جہت کعبہ کو۔ سجدہ خدا کو کرتا ہے اور کافر بتوں کو سجدہ کرتا ہے۔ ان کی پرستش و بندگی و عبادت کرتا ہے۔ کعبہ جا کر پتھر کو سجدہ کرنا مسلمانوں پر محض افترا ہے، جیسے کعبہ سے دور سمت قبلہ سجدہ ہوتا ہے، یوں ہی وہاں جا کر عین قبلہ کا استقبال کیا جاتا ہے۔ سجدہ یہاں وہاں سب جگہ خدا ہی کے لیے ہوتا ہے۔ کیا کوئی ادنیٰ سمجھ والا بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں مسلمان مسجد کی دیواروں کو سجدہ کرتے ہیں، اور وہاں جو مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تو وہ گھر کی دیوار کو سجدہ کرتے ہیں۔ مسجود الیہ کو مسجود لہ ٹھہرا کر فرق اسلام و کفر گمان کرنا کیسی شدید بات ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس شخص پر توبہ فرض ہے۔

مسلمان رمی جمار محض امتثال امر کے لیے کرتے ہیں۔ حکیم کے ہر کام میں مصالح ہوتے ہیں۔ ”فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة“ آدمی بہت کام کسی اپنے معتمد کے کہنے سے ایسے کرتا ہے جس کی حکمت خود نہیں سمجھتا۔ جانتا ہے کہ میں اپنے جہل سے اپنی نادانی سے اس کا فائدہ نہیں سمجھتا۔ مگر کچھ نہ کچھ فائدہ ہے ضرور جب تو یہ مجھے اس کے کرنے کا حکم دے رہا ہے، تو اس حکیم حقیقی عزت عظمتہ وجلت حکمتہ جس کی شان ہے: ”لا یسئل عما یفعل“ اس کے احکام میں چون و چرا کا کیا موقع۔ کہ محال ہے کہ وہ کسی عیب کا حکم دے، تو ضرور اس میں فائدہ ہے، کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میرا پتھر شیطان

کے جسم پر پڑتا ہے، محض اتنا حال امر کے لیے پتھر مارتا ہے، نیز اس لیے کہ رب عز جلالہ کے خلیل کی سنت کریم ہے۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔ جہاں خلیل اللہ۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔ کی راہ میں شیطان ان سے معترض ہوا بحکم الہی آپ نے اسے پتھر مارے کہ وہ خائب و خاسر ہوا، ہم بھی رب جلیل کے اس خلیل محبوب جمیل کے اتباع میں ایسا کرتے ہیں۔ کسی کی جانب پتھر پھینکنے سے مقصود جب ہی حاصل نہیں جب کہ وہ پتھر بھی اس کے لگے۔ بندر اور کوا جب ہی بھاگتا ہے جب اس کے جسم پر جا لگتا ہے؟ بلکہ بھگانے کا مقصود کبھی محض اشارہ سے پورا ہو جاتا ہے، ہاتھ میں پتھر نہ ہو جھک کر اٹھانا اور بندر اور کوا کی طرف خالی ہاتھ اس طرح پھینکنا جس طرح پتھر ہاتھ میں لے کر پھینکا جاتا ہے، بسا اوقات کافی ہوتا ہے۔ تو اس خیال سے کہ وہ عدو اللہ جو ایسے عظیم و جلیل سے یہاں معترض ہوا وہ ہم جیسوں کا یہاں کیوں تعرض نہ کرے گا جو ہمارے دم کے ساتھ ہر قدم ہے، اس کا وہی علاج کیا جائے جو اس خلیل جلیل نے فرمایا، ان کے اتباع کی برکت ہوگی اور عدو اللہ دفع ہوگا، اگرچہ خلیل جلیل کا کوئی وار خانی نہ گیا اور ہمارا ہر پتھر خالی جائے، مگر پتھروں کی جب بارش ہوگی تو وہ رکے گا نہیں بھاگ جائے گا۔ پھر تذلیل کا مقصد تو حاصل ہے ہی، کسی کی تصویر بنا کر اس کے جوتے پتھر مارے جائیں تو اگرچہ اس کے جسم پر وہ پتھر وہ جوتے نہیں لگتے، مگر جس کی تصویر ہے اس کے دل پر زخم کاری لگتا ہے، تو شیطان کے قلب پر کاری زخم لگانے کے لیے اس عدو اللہ کے ان مقامات پر جہاں وہ اللہ کے خلیل سے معترض ہوا مسلمان پتھر مارتے ہیں۔ اس میں اور اس لغو بے ہودہ بے معنی حرکت کفری میں فرق نہ گنانا کیسی شدید بات ہے۔ پتھر پر پانی پھول چڑھانا اور اس کا مہادیو کو پہنچ جانا اور شیطان کے چوٹ لگنا کیسے ایک سا جانا؟ دل پر چوٹ لگنے کے لیے جسم پر پتھر لگنا ضروری نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کفر کا عزم و ارادہ ظاہر کرنے پر فوراً کافر ہو جائے گا

(۱۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے اپنے داماد عمرو کے متعلق یہ سنا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں آریہ ہو جاؤں گا، جب اس کا چرچا پھیلا تو بکرنے کہا کہ بھائی یہ شریعت کا معاملہ ہے عمرو کو کسی سنی عالم کے پاس لے جاؤ، وہ تحقیق کر کے حکم شریعت بتادیں گے۔ عمرو کو خالد وزید ایک سنی عالم کے پاس لے گئے، عالم دین نے عمرو سے پوچھا تم نے

کیا کہا تھا؟ اس نے پانچ آدمیوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے یہ کہا تھا کہ اگر میرے سسرال والے اسی طرح میری دشمنی پر آمادہ رہے تو میں آریہ ہو جاؤں گا، پھر میرا کیا کر سکیں گے، اور یہ کلمات میں نے ہنسی مذاق کے طور پر کہے تھے۔ عالم دین نے فتویٰ دیا کہ تم اسلام سے خارج ہو گئے اور تمہاری بیوی نکاح سے خارج ہو گئی، اور اسی وقت عمرو سے توبہ کرائی اور از سر نو ملتین اسلام کی۔ اس فتویٰ پر عمرو کے طرف داروں نے شور و غوغا مچا رکھا ہے۔ کوئی کہتا ہے اعلان کر دو آج سے ہماری برادری کا کوئی آدمی مولوی صاحب کے وعظ میں نہ جائے۔ کوئی کہتا ہے آج ایسے ہی فتووں کا زور رہا تو دنیا بھر کے نکاح فسخ ہو جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے زید پر برادری کی طرف سے دباؤ ڈالا جائے کہ وہ پھر اپنی لڑکی کا نکاح عمرو کے ساتھ کر دے اور اگر نہ مانے تو زید کا حقہ پانی بند کر دیا جائے۔ کوئی کہتا ہے کہ بکر کے مشورے سے خالد اور زید عالم دین کے پاس عمرو کو لے کر گئے، اگر یہ لوگ ایسا نہ کرتے تو فسخ نکاح کا فتویٰ کیوں ملتا۔ لہذا ان عمرو کا دوبارہ جو نکاح ہو اس کا سارا خرچ بکر اور خالد اور زید سے وصول کیا جائے، اگر یہ تینوں نہ دیں تو ان کو برادری سے خارج کر دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ سنی عالم دین کا فتویٰ صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو عمرو کو اپنی بیوی سے دوبارہ جبراً نکاح کرنے کا شرعاً اختیار ہے یا نہیں؟ اور پہلا مہر عمرو کے ذمہ فی الفور واجب الادا ہے یا نہیں؟ اور دوسرے نکاح کا مہر پہلے مہر کے علاوہ اسی قدر ہوگا یا نہیں جس مقدار پر عورت راضی ہو؟ شور و غوغا مچانے والوں کے کلمات شرعاً کیا حکم رکھتے ہیں؟۔ بینو ۶ تو جو روا۔
از رنگون مغل اسٹریٹ ۲۰۱ مسلولہ مولوی حشمت علی لکھنؤ قادری برکاتی سلمہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۵ھ۔

الجواب

عالم دین کا فتویٰ حق و صحیح و صواب۔ اور اس پر شور و غل مچانے اور بے ہودہ غوغا کرانے والے باطل پر، بے شک بے ارتیاب مسح عذاب مستوجب قہر و غضب حضرت رب الارباب۔ فی الواقع صورت مسلولہ میں عمرو پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم تھی، اسی کا عالم دین نے حکم دیا۔ اگر عمرو اپنے اس بیان میں سچا بھی ہو کہ اس نے یہ باز لایا تھا جب بھی یہی حکم ہے۔ جب لفظ معنی کفری میں ظاہر ہو تو نیت و عدم نیت کا فرق نہیں ہوتا۔ اس کے قائل پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح ہی کا حکم ہوتا ہے۔

امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی ”إعلام الأعلام بقواطع الإسلام“ میں فرماتے ہیں:

”إنما يحكم بالكفر باعتبار الظاهر . وقصدك وعدمه إنما ترتبط به

الأحكام باعتبار الباطن“.

کفر کا حکم ظاہری اعتبار سے لگتا ہے اور ارادہ و قصد یا عدم قصد سے احکام باطنی طور پر متعلق ہوتے ہیں۔ (مترجم)

اسی میں فرمایا:

”حکمنا إنما هو باعتبار الظاهر فلا يبحث عن المراد.“

ہم نے ظاہر کے اعتبار سے حکم لگایا ہے لہذا مراد جاننے کی ضرورت نہیں۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

”نحن نحکم بالظاهر . فلذلك حکمنا بعدم ایمانہ.“

ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں، اسی لیے ہم نے اس کے عدم ایمان کا حکم دیا۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

”اللفظ ظاہر في الكفر وعند ظهور اللفظ فيه لا يحتاج إلى نية كما علم

من قروع كثيرة.“

لفظ معنی کفر میں ظاہر ہے اور جب لفظ معنی کفر میں ظاہر ہو تو وہاں نیت جاننے کی حاجت نہیں

رہتی۔ (مترجم)

اسی میں فرمایا:

”المدار في الحكم بالكفر على الظاهر ولا نظر للمقصود والنيات ولا نظر

لقرائن حاله.“

حکم کفر کا مدار ظاہر پر ہے، لہذا مقصود و نیت اور قرائن حالیہ کی حاجت نہیں۔ (مترجم)

یہ وہاں ہے جہاں لفظ محتمل ہو مگر معنی کفر میں ظاہر ہو، جہاں دوسرا احتمال راساً ہے ہی نہیں اس کا کیا

پوچھنا، عمر و کے قول میں تو یہ ہے کہ میں آریہ ہو جاؤں گا جو عزم بالجزم بتا رہا ہے جس میں اصلاً کوئی اور

احتمال نہیں۔

علمائے کرام نے اس سے ہلکے اقوال پر بھی حکم کفر فرمایا جیسا کہ بعض عبارات آئندہ سے ظاہر ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

”لو قال“ دل تنگ شدم کہ خواستم کافر شدن یکفر۔ (۱)

اسی میں ہے:

”وعظ فاسقاً وندبه إلى التوبة، فقال بعد اليوم، أضع على رأسي قلنسوة المحوس يكفر؛ لأن وضع تلك القلنسوة كشد الزنار علامة الكفر فأخبر أنه يكفر بعد حين، فزال التصديق المستمر بهذا العزم.“ (۱)

اگر کسی نے کہا کہ میرا دل تنگ ہو گیا چاہتا ہوں کہ کافر ہو جاؤں تو اس کی تکفیر کی جائے گی اور کسی نے کسی کو نصیحت کی اور اسے توبہ کی دعوت دی، تو وہ بولا کہ میں آج کے بعد میں مجوس کی ٹوپی اپنے سر پر رکھوں گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ اس ٹوپی کا لگانا زنا باندھنے کی طرح علامت کفر ہے، تو گویا اس نے کچھ دیر کے بعد کافر ہونے کی خبر دی، لہذا اس عزم کی وجہ سے اس کی تصدیق جاری ختم ہو گئی۔ (مترجم)

”فتاویٰ ظہیریہ“ امام ظہیر الدین مرغینانی ”اور شرح فقہ اکبر“ علی قاری میں ہے:

”من وعظوه ولا موه على العصيان فقال: اكسو بهذا اليوم قلنسوة المحوس، وإن عنى هذا المعنى استقامة القلب كفر؛ لأنه وعد بالإخبار عن الإنكار بصد الإقرار المعتبر في كونه الشرط للإيمان.“ (۲)

کسی نے کسی کو نصیحت کی اور اسے گناہ پر ملامت کی تو اس نے کہا آج سے میں مجوس کی ٹوپی لگاؤں گا، اگر اس نے اس معنی کا ارادہ استقامت قلب سے کر لیا تو وہ کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ اس نے اس اقرار کے مقابلہ میں انکار کی خبر دینے کا وعدہ کیا جو اقرار باب ایمان میں بطور شرط معتبر ہے۔ (مترجم)

اسی میں فرمایا:

”قالت: إن جفوتني كفرت - أوقالت - إن لم تشتتر كذا كفرت في

الحال.“ (۳)

عورت نے کہا کہ اگر تو نے مجھ سے بدسلوکی کی ظلم کیا، تو میں کافر ہو جاؤں یا اس نے کہا کہ اگر تو نے مجھے فلاں چیز خرید کر نہ دی تو میں کافر ہو جاؤں گی، تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گی۔ (مترجم)

”شرح فقہ اکبر علی قاری میں جواہر سے ہے:

(۱) [البرازية مع الهندية. ۳/۳۳۱]

(۲) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۹]

(۳) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۶]

”من قال: لو كان كذا غداً وإلا أكفر، كفر من ساعته.“ (۱)
 اگر کسی نے کہا کہ اگر کل ایسا نہ ہو تو میں کفر کر بیٹھوں گا، تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)
 اسی میں محیط سے ہے:

”من قال: فأنا كافر أو فأكفر، يعني في جزاء الشرطية المبتدأة أو مطلقاً،
 قال أبو القاسم: هو كافر من ساعته.“ (۲)
 کسی نے کہا کہ میں کافر ہوں، یا کفر کروں گا، یعنی ابتدائے شرط کی جزا میں یا مطلقاً ابو القاسم
 فرماتے ہیں کہ وہ فوراً کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)
 اسی میں ہے:

”أو قال الآخر: أتعتني حتى أردت أف أكفر، قلت: وهذا كفر ظاهر؛ لأن
 أراد الكفر كفر.“ (۳)
 یا دوسرے نے کہا کہ تو نے مجھے اتنا تھکا دیا کہ میں نے کفر کرنے کا ارادہ کر لیا، میں کہتا ہوں کہ یہ
 کھلا ہوا کفر ہے، کیوں کہ ارادہ کفر کفر ہے۔ (مترجم)
 اسی میں محیط و مجمع الفتاویٰ سے ہے:

”من عزم على أن يامر أحداً بالكفر كان بعزمه كافراً.“ (۴)
 کسی نے کسی کو حکم کفر دینے کا عزم کر لیا تو وہ اپنے اس عزم کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)
 اسی میں ہے:

”لو قال: ما أمرني فلان أي: من المشايخ أو العلماء أو الأمراء أفعال ولو
 بكفر، أو قال: ولو كان كلمة كفر كافراً، أي؛ لأنه نوى الكفر في الاستقبال فيكفر
 في الحال.“ (۵)

- (۱) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۷]
- (۲) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۹]
- (۳) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۶]
- (۴) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۶]
- (۵) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۷]

اگر کسی نے کہا کہ فلاں شیخ عالم یا حاکم مجھے جو بھی حکم دے گا میں کروں گا اگرچہ کفر ہی ہو۔ یا کہا کہ اگر کلمہ کفر ہو، تو وہ کافر ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے مستقبل میں کفر کی نیت کر لی۔ لہذا وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

اسی میں قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے:

”لو تلفظ بكلمة الكفر طائعا غير معتقده يكفر، لأنه راض بمباشرة وإن لم يرض بحكمه كالهازل به فإنه يكفر وإن لم يرض بحكمه، ولا يعذر بالجهل، وهذا عند عامة العلماء خلافاً للبعض.“ (۱)

اگر کسی نے خوشی سے کلمہ کفر بولا حالاً کہ اس کا اعتقاد نہ رکھے، تو کافر ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ اس کی ادائیگی پر راضی ہے اگرچہ اس حکم سے راضی نہیں ہے، جیسا کہ کوئی ہنسی مذاق میں کلمہ کفر بول دے تو وہ کافر ہو جائے گا، اگرچہ وہ اس کے حکم سے متفق نہیں، اور اس کی لاعلمی عذر نہ بن سکے گی، یہ عام علما کا موقف ہے، جب کہ بعض کا موقف اس کے برخلاف ہے۔ (مترجم)

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے:

”من قال دعني أصبر كافر أكفر.“ (۲)

کسی نے کہا کہ مجھے کافر ہو جانے دو تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

فتاویٰ خلاصہ سے اسی شرح فقہ اکبر امام اعظم میں ملا علی قاری ناقل:

”من عزم على الكفر ولو بعد مائة سنة يكفر في الحال.“ (۳)

اگر کوئی شخص کفر کا عزم کر لے اگرچہ سو سال کے بعد کا عزم کرے مگر وہ فوراً کافر ہو جائے گا۔

(مترجم)

اسی فتاویٰ خانہ میں ہے:

”من قال كدت أن أكفر كفر، أو قال دعني فقد كفرت كفر، أي: بظاهر

كلامه وإن احتمل أنه أراد قاربت الكفر، وفيه ما تقدم والله أعلم.“

(۱) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۷]

(۲) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۵]

(۳) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۰۳]

کسی نے کہا کہ قریب ہے کہ میں کافر ہو جاؤں وہ اس کہنے کی وجہ سے کافر ہو گیا، یا کہا کہ مجھے کافر ہو جانے دے تو بھی کافر ہو جائے گا یعنی ظاہر کلام کی وجہ سے اگرچہ اس کے قول میں یہ احتمال ہے کہ اس نے کفر کے قریب تک پہنچنے کا ارادہ کیا ہو، اور اس میں گزشتہ صورتیں پائی جا رہی ہیں۔ (مترجم)

مجمع الانہر میں ہے:

”من أضر الكفر أو هم به فهو كافر، ومن كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالإيمان فهو كافر، ولا ينفعه ما في قلبه؛ لأن الكافر يعرف بما ينطق به بالكفر، فإذا نطق بالكفر كان كافراً عندنا وعند الله تعالى“ (۱)

جس نے دل میں کفر چھپایا، یا پھر اس نے کفر کا ارادہ کیا تو وہ کافر ہو گیا، اور جس نے خوشی سے زبان سے کلمہ کفر کہا جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو وہ کافر ہو گیا اور اطمینان قلبی اس کے حق میں نفع بخش نہ ہوگا، کیوں کہ کافر کلمہ کفر کہنے کی وجہ سے کافر سمجھا جاتا ہے، پس جب اس نے کفر تک دیا تو وہ ہمارے اور اللہ کے نزدیک کافر ہو گیا۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

”إذا عزم على الكفر بعد حين يكفر في الحال لزوال التصديق المستمر“ (۲)

جب کچھ وقت کے بعد کفر کا عزم کر لیا تو فوراً کافر ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے لیے اس کی تصدیق جاری ختم ہو گئی۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

”يكفر بقوله: فلان أكفر مني، أو قال: ضاق صدري حتى أردت أن أكفر، أو كدت أن أكفر، أو كان أقرب إلى كفر.“ (۳)

وہ یہ کہنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا کہ فلاں مجھ سے کفر میں بڑھ کر ہے۔ یا کہے کہ میرا دل تنگ ہو گیا یہاں تک کہ میں نے کفر کا ارادہ کر لیا۔ یا یوں کہے کہ قریب ہے کہ میں کافر ہو جاؤں۔ یا وہ کفر کے قریب تر ہو جائے۔ (مترجم)

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۲ / ۳۲۶]

(۲) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير، باب المرتد: ۲ / ۳۲۶]

(۳) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير، باب المرتد: ۲ / ۳۲۶]

اعلام میں فرمایا:

”فمن ذلك العزم على الكفر في زمن بعيد أو قريب أو تعليقه باللسان أو القلب على شيء ولو محالاً عقلياً فيما يظهر، فيكون ذلك كفراً في الحال. كما نقله الشيخان عن التتمة وجزم به بغوى وغيره كالحليمي وصححه الروياني.“ (۱)

زمانہ قریب یا بعید میں کفر کا عزم کرنا یا زبان پادل سے کفر کو کسی چیز پر معلوم کرنا اگرچہ وہ شی بظاہر عقلاً محال ہو، یہ تمام صورتیں فوری کفر کی ہیں جیسا کہ شیخین نے اسے تتمہ سے نقل کیا ہے اور بغوی و حلیمی وغیرہ نے اسی پر جزم کیا ہے اور رویانی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (مترجم)

اس کے بعد یہ شبہہ نکلے کر:

”وقول أبي نصر القشيري: عندنا لا يتصور العزم على الكفر الذي هو الجهل بالله، إذ لا يصح من العالم بالله أن يعزم على الجهل.“ (۲)

ابونصر قشیری کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک عزم کفر متصور نہیں، کیوں کہ کفر ذات باری سے جہالت کا نام ہے، اس لیے کہ رب تعالیٰ کے جاننے والے سے یہ ممکن نہیں کہ وہ جہالت و لاعلمی کا عزم کر بیٹھے۔ (مترجم)

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

”يجاب عنه بأن المراد بالكفر في هذا الباب ما أشعر بالجهل وإن كان قلب من صدر منه شيء منما ذكر أو ما ياتي ممتكناً ايماًناً. ألا ترى أن الاستهزاء والهزل وغيرهما وكذلك الفعل الآتي سواء، فإن أراد أبو نصر أنه وإن عزم لا يكون كافراً فغير مسلم له ذلك بل لا وجه لكلامه حينئذ، وإن أراد حقيقة الكفر الذي هو الجهل لا يجمع حقيقة العلم فمسلم، لكن لا مدخل لذلك فيما نحن فيه.“ (۳)

اسی میں ہے: ”إن الإيمان التصديق وهو منتف مع العزم.“ (۴)

(۱) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام: ۲۸]

(۲) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام: ۲۸]

(۳) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام: ۲۸]

(۴) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام: ۲۸]

اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں کفر سے مراد وہ ہے کہ کفر کی طرف مشعر ہو اور اس پر علامت ہو اگرچہ وہ شخص جس سے شی مذکور صادر ہوئی۔ یا وہ آئندہ زمانہ میں اس کا ارتکاب کرنے والا ہو، اس کا دل ایمان سے لبریز ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے اس سلسلہ میں ہنسی مذاق وغیرہ اور اسی طرح مستقبل میں ہونے والا فعل سب برابر ہیں۔ تو اگر ابونصر کی مراد یہ ہے کہ وہ عزم کے باوجود کافر نہ ہوگا تو ان کی یہ بات قبول نہیں ہے، بل کہ اس وقت ان کے کلام کا کوئی مطلب ہی نہیں، اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ حقیقت کفر جو کہ جہالت ہے وہ حقیقت علم کے ساتھ جمع نہیں ہوئی۔ جب تو ان کی بات تسلیم ہے، لیکن اس کا ہماری اس بحث سے تعلق نہیں۔ بے شک ایمان جو کہ تصدیق کا نام ہے یہ عزم کفر کے ساتھ نہیں پایا جاسکتا۔ (مترجم) اسی میں ہے:

”من نطق بكلمة الردة وزعم أنه أضمر تورية كفر ظاهراً و باطناً.“ (۱)
جس نے کلمہ ارتداد بکا اور یہ زعم کیا کہ اس کے دل میں تور یہ ہے تو ظاہراً اور باطناً اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (مترجم)

یہاں وہ اس سے زیادہ کہہ ہی کیا سکتا ہے کہ میں نے تو ہنسی دل لگی میں ایسا کہہ دیا تھا، میرا یہ قصد نہ تھا کہ واقعی آریہ ہو جاؤں گا۔ بس یہی عذر بن سکتا تھا، مگر اس عذر بارد کی گردن اگرچہ بعض عبارات مذکورہ سے کٹ چکی پھر بھی خاص جزئیہ لیجیے۔
مجمع الانہر میں فرمایا:

”من تكلم بكلمة الكفر هازلاً أو لاعباً كفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاده“ (۲)

جس نے دل لگی میں کلمہ کفر کہہ دیا تو وہ بالاتفاق کافر ہو جائے گا اور اس کے اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔ (مترجم)

جب بفضلہ تعالیٰ عمرو سے عالم نے توبہ لے لی بکرمہ تعالیٰ الزام کفر اٹھ گیا:

”فإن التائب من الذنب كمن لا ذنب له - كما في الحديث.“ (۳)

(۱) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام]

(۲) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۲/۳۲۶]

(۳) [السنن لابن ماجه: باب ذكر التوبة، ۲/۱۴۱۹]

اس لیے کہ گناہ سے تائب شخص بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ (مترجم)

مگر اس تجدید اسلام سے اسے عورت پر دسترس حاصل نہ ہوئی کہ اس کلمہ کفر سے جو نکاح ٹوٹ گیا وہ اس تجدید اسلام سے جڑ نہ گیا، نہ اس سے عمر و کو عورت پر کوئی جبر کا موقع۔ عورت اگر راضی ہو تو اس سے نکاح جدید کرے، اور راضی نہ ہو تو وہ مثل اجنبیہ ہے۔ اس کا اس پر کوئی قبضہ و اختیار نہیں۔ اور جب وہ عمر و ہی کے کیے سے اجنبیہ محض ہو چکی تو اگر برضائے زن عمر و اس سے نکاح جدید کرے گا تو مہر بھی جدید ہوگا۔ اور اتنا ہی ہوگا جتنے پر عورت راضی ہو۔

اعلام میں فرمایا:

”من أتى بلفظ الكفر حبط عمله، وتقع الفرقة بين الزوجين، ويجدد النكاح برضاء الزوجة إن كان الكفر من الزوج، وهذا بعد تحديد الإيمان والتبري من لفظ الكفر حتى أن من أتى بالشهادة عادة ولم يرجع عما قاله لا يرتفع الكفر عنه، ويكون وطؤه وطىء زنا، وولده ولد الزنا.“ (۱)

جس نے کلمہ کفر بک دیا تو اس کے اعمال برباد ہو گئے، اور زوجین میں فرقت واقع ہو جائے گی، اور عورت اگر راضی ہو تو نکاح جدید کرے اگر کفر شوہر کی طرف سے واقع ہو، اور یہ حکم تجدید ایمان اور کلمہ کفر سے کلیۃ براءت کے بعد ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے یوں ہی کلمہ شہادت پڑھ لیا جب کہ اپنے قول سے باز نہ آئے تو اس کا کفر ختم نہ ہوگا، اور اس کی وطی زنا اور اولاد ولد الزنا قرار پائے گی۔ (مترجم)

فتاویٰ خلاصہ میں فرمایا:

”ردة أحد الزوجين يوجب البينونة بينهما في الحال بدون قضاء القاضي، ثم بعد ذلك ينظر إن كانت الردة من الزوج فهي حرمة بغير الطلاق عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى، ولا تجبر المرأة على أن تراجع إليه حتى يتزوجها، وعليه مهر المثل أو المسمى بعد الدخول، ونصف المسمى أو المتعة قبل الدخول، وعليها العدة إن كانت بعد الدخول.“

زوجین میں سے کسی ایک کے ارتداد سے بغیر قضائے قاضی کے فوراً تفریق واقع ہو جائے گی،

اب دیکھا جائے گا کہ اگر ارتداد شوہر کی جانب سے ہو تو یہ عورت شیخین کے مذہب پر بلا طلاق کے شوہر پر حرام ہو جائے گی اور عورت کو مرد سے رجعت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا شوہر اس سے نکاح کر لے، اگر یہ صورت بعد دخول پیش آئی تو شوہر پر مہر مثل یا مقررہ مہر واجب ہو جائے گا۔ اور قبل دخول مقرر کا نصف یا متعہ واجب ہوگا، جب کہ عورت پر بعد دخول عدت واجب ہو جائے گی۔ (مترجم)

مجمع الانہر میں ہے:

”مایکون کفراً بالاتفاق یوجب إحباط العمل وتلزم إعادة الحج إن کان قد حج، ویکون وطؤه حینئذ مع امرأته زناً، والولد الحاصل منه فی هذه الحالة ولد الزنا، ثم إن أتى بكلمة الشهادة علی وجه العادة لم ینفعه ما لم یرجع عما قاله؛ لأنه بالإتیان بكلمة الشهادة لا یرتفع الکفر“ (۱)

متفق علیہ کفر کے ارتکاب سے عمل برباد ہو جاتے ہیں، حج اعادہ واجب ہو جاتا ہے اگر حج کر چکا ہو تو، اور اپنی عورت سے وطی زنا، اور اس حالت میں اس وطی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا قرار پاتی ہے پھر اگر مرتکب کفر نے کلمہ شہادت یوں ہی پڑھ لیا تو یہ اس کو مفید نہیں ہوتا جب کہ اپنے قول سے کلیتاً رجوع نہ کرے کیوں کہ کلمہ شہادت پڑھنا کفر کو ختم نہیں کرتا ہے۔ (مترجم)

اگر یہ مسئلہ اختلافیہ ہوتا جب بھی عالم کا حکم توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح وغیرہ یقیناً صحیح ہوتا۔

مجمع الانہر میں فرمایا:

”وما کان فی کونہ کفراً اختلافاً یؤمر قائلہ بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك احتیاطاً. هذا إذا تکلم الزوج اه مختصراً“ (۲)

اور جس کا کفر ہونا مختلف فیہ ہو تو اس کے قائل کو تجدید نکاح، توبہ، اور اس سے رجوع کا احتیاطاً حکم دیا جائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ متکلم شوہر ہو۔ (مترجم)

پہلا مہر واجب الادا ہے، عالم کے فتویٰ پر شور و غوغا مچانے والے گنہ گار ہیں، ان پر توبہ لازم ہے۔ زید پر دباؤ ڈالنے کا مشورہ طے کرنے والے ستم شعار ظالم جفا کار ہیں، یہ سب مستحق نار، مستوجب غضب جبار، خصوصاً وہ جنہوں نے کہا کہ اجی اگر ایسے ہی فتوؤں کا زور رہا الخ، شدید ملزم، سخت مجرم، حق

(۱) [مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر. کتاب السیر والجهاد، باب المرتد: ۲/۳۲۶]

(۲) [مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر کتاب السیر والجهاد، باب المرتد: ۲/۳۲۶]

شرع میں گرفتار ہیں، حق اللہ وحق العباد میں گرفتار بتلائے قہر تہار ہیں۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ اللہ عزوجل انہیں اور ہمیں اور سب مسلمانوں کو تمام گناہوں سے توبہ کی توفیق بخشے اور اصرار علی الباطل سے بچائے۔ عناد و استکبار سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر کہنا ضروری ہے

(۲۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ... مسلمانوں کو کافر کہنا کیسا ہے؟ مثلاً وہا بڑے بھی تو مسلمان کہلاتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ کسی کو برا کہنا نہیں چاہیے؟۔

الجواب

وہابی مسلمان نہیں۔ مسلمان کو کافر کہنا بہت سخت شدید جرم عظیم ہے، خود اپنے اوپر بے وجہ کی تکفیر عود کرتی ہے۔ جو کہتے ہیں کسی کو برا نہ کہنا چاہیے وہ اسی وقت تک کہہ رہے ہیں جب تک ان کا معاملہ نہیں، انہیں یا ان کے باپ بھائی یا کسی عزیز کو کوئی ”تم“ سے ”تو“ کہہ دے بلکہ آپ سے تم کہہ دے تو دیکھیں کہ کیسے آپ سے باہر ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث تو کافروں کو کافر فرمائیں اور یہ ایسا کہیں۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور ﷺ اور مشائخ دین کے لیے بے ادبی کے الفاظ بولنا کفر ہیں

(۲۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ... مکرم و معظم جناب حضرت مولانا و بالفضل اولینا دام ظلہم و برکاتہم علی سائر المسلمین۔ بعد از تسلیم نیاز آں کہ شہر ڈیرہ غازی خاں میں ایک شخص بنام عبید اللہ علوم شرعیہ سے بے بہرہ ہے، اور اخبار و رسائل مبتدعین کا مطالعہ کر کے امور حسب ذیل کا اعتقاد رکھ کر لوگوں میں ترویج دیتا ہے۔

(۱) جن الفاظ کو علمائے کرام باعث سوئے ادب یا موبہم سوئے ادب فرماتے ہیں ان کا اطلاق حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر بلا تشابہ بولنا اپنا ایمان سمجھتا ہے، بلکہ منع کرنے والوں کو کمال گستاخی سے ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ حقیقت محمدی بشریت ہے۔

(۲) صوفیائے کرام کو فرقہ غالبہ کے ساتھ نامزد کر کے ان کو بھی یہود و نصاریٰ کی طرح کافر اور کبھی

ابن سبا یہودی کو اخص الخواص سے تعبیر کرتا ہے۔

(۳) صوفیائے کرام خصوصاً وجودیہ عظام کے کلمات نہ سمجھ کر ان کو اہل شرک سے سمجھتا ہے۔

(۴) اطاعت رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو حقیقتاً اطاعت اللہ تعالیٰ نہیں سمجھتا۔

(۵) آیات شریفہ واحادیث کریمہ کے معانی غلط لکھ کر، مولویوں کا نام مصنوعی لکھ کر لوگوں کو

دھوکہ دیتا ہے۔

(۶) فتویٰ لکھ کر مولویوں کا نام مصنوعی لکھ کر مسلمانوں کو غلطی میں ڈالتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بنابریں التماس ہے کہ ایسا شخص مومن صالح ہے یا فاسق؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے

یا نہ؟ اور اس کے ساتھ تعلقات برادرانہ یا دوستانہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

از ڈیرہ غازی خاں بلاک نمبر ۱۲ مرسلہ حافظ محمد حبیب اللہ صاحب تاجر کتب

الجواب

بے شک حضور علیہ الصلاۃ والسلام بشر ہیں مگر لا کالبشر۔ اللہ وحدہ لا شریک لہ بے نظیر و بے ہمتا نے اپنے حبیب و محبوب، طالب و مطلوب، رسول اکرم، سید بنی آدم، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے نظیر اور بے مثیل و بے عدیل و یکتا و بے ہمتا مبعوث فرمایا۔ اس جان ایمان و ایمان جان کو وہ صفات کمالیہ عطا فرمائے، جن میں اس کا شریک کسی کو نہ فرمایا۔ اپنی ہر صفت کا مظہر اتم، اپنی ذات مستجمع الصفات کا آئینہ اجلی بنا کر بھیجا۔ خود وحدہ لا شریک لہ ہے، تو اپنے اس حبیب پاک صاحب لولاک کو بھی اس کی صفات میں وحدہ لا شریک ہی بنایا۔ پاکی ہے شریک سے اس سبوح و قدوس واحد و یکتا بے نظیر و بے ہمتا وحدہ لا شریک لہ جل جلالہ و عز شانہ تبارک و تعالیٰ کو جس نے اپنے اس سب سے اعلیٰ محبوب کو ایسا واحد و یکتا، بے نظیر و بے ہمتا، عدیم المثل فی الصفات العلیا بنایا کہ اس کو بھی شریک سے منزہ و پاک فرمایا۔ امام محمد بوصیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

منزه عن شریک فی محاسنہ فجوهر الحسن فیہ غیر منقسم (۱)

آپ کے محاسن و اوصاف میں آپ کا کوئی شریک نہیں آپ کا جو ہر حسن غیر منقسم ہے۔ (مترجم) سوے ادب سخت بد نصیبی ہے، توہین کرنے والا تو بالاتفاق کافر ہے، ازراہ توہین بشر بشر کرنے والا وہابی نہیں کافروں کی طرح ہے جو انبیا کو بشر بشر کہتے تھے۔ مثنوی شریف میں حضرت عارف رومی

قدس سرہ فرماتے ہیں:

کافران دیدند احمد را بشر
چوں نہ دیدند ازوے آں شق القمر
کافروں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر سمجھا۔ انہوں نے معجزہ شق القمر کی جانب نظر نہیں کی۔
(مترجم)۔

خاک زن بردیدہ حس بین خویش
دیدہ حس دشمن عقل ست و کیش
بے حس انسان اپنی بے حس کی بنا پر عقل اور دین کا دشمن ہے۔ (مترجم)
دیدہ حس را خدا اعماش خواند
بت پرستش خواند چند ماش خواند
بے حس کو خدا آشوب چشم کا مرض دے، بت پرست کرے اور مونگ کے دانوں کی طرح
بکھیرے۔

زانکہ او کف دید دریا را ندید
زانکہ حالی دید و فرہ را ندید
اس لیے کہ اس نے ہتھیلی کو دیکھا دریا کو نہ دیکھا کیوں کہ اس نے آج کو دیکھا گل کو نہ دیکھا۔
(مترجم)

خواجہ فردا و حالی پیش او
اونی بیند ز کنجی خبر بتو
کل اور آج کا سردار اس کے سامنے ہے وہ تیری خبر دینے سے نہیں سمجھتا ہے۔ (مترجم)
ذره ز اں آفتاب آزر بہام
آفتاب آں ذرہ را گرد و غلام
ذره اس آفتاب کی مصیبت کا شکاری ہے جو آفتاب اس ذرہ کا غلام ہو گیا۔ (مترجم)
قطرہ کز بحر وحدت شد سفیر
ہفت بحر آں قطرہ را باشد اسیر
وحدت کے سمندر کا قطرہ ایلچی ہو گیا سات سمندر اس قطرہ کے قیدی ہو گئے۔ (مترجم)
گر کف خاک کی شود چالاک او
پیش خاکش سر نہد افلاک او
اگر انسان کی ہتھیلی چالاک ہو جائے تو اس کی خاک کے آگے آسمان سر رکھ دے۔ (مترجم)
قرآن عظیم نے اس بشر ہی کہنے کے سبب ان پر قیامت قائم فرمائی:
”حيث قال عز من قائل: قالوا:

﴿مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ﴾ (۱)

آپ ہماری ہی طرح بشر ہو اور اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہ فرمایا۔
 حضرت عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی کا ارشاد گرامی ہے:
 تو جان پاکی سر بسر نے آب و خاک اے نازیں واللہ جان ہم پاک تر روحی فداک اے نازیں
 اے میرے محبوب (رسول خدا) تم سر سے پیر تک پاکیزہ جان ہونا کہ آب و خاک کے پتلے، قسم
 خدا کی تم تو جان سے بھی زیادہ پاک ہو، میری جان تم پر فدا ہے، اے میرے آقا۔ (مترجم)
 یہ ہے کہ جسے کہا جاتا ہے کہ حضور سر قدرت ہیں۔ حضور جیسے ہیں اس حقیقت تک کسی کو رسائی
 نہیں۔ خود ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اور کس سے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 سے جنہیں سب سے زائد حضور کی معرفت حاصل ہوئی: ((یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقة غیر ربی.))
 اے ابو بکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا۔ (مترجم)
 امام عارف باللہ سیدی عبدالرؤف مناوی قدس سرہ تیسیر شرح جامع صغیر میں زیر حدیث: ”
 ((كنت أول الناس في الخلق و آخرهم في البعث.)) (۱)
 فرماتے ہیں: ((بأن جعله الله حقیقة تقصر عقولنا عن معرفتها.)) (۲)
 میری تخلیق تمام انسانوں سے پہلے اور بعثت بعد میں ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حقیقت
 بنایا جہاں تک ہماری عقلوں کی رسائی نہ ممکن ہے۔ (مترجم)

نیز اسی میں فرمایا:

((لم يدرك الأنبياء حقیقة صفاته عليه الصلاة والسلام فكيف بغيرهم.))
 آپ کے اوصاف کی حقیقت انبیاء نہ جان سکے تو دوسرے لوگ کس طرح جان سکتے
 ہیں۔ (مترجم)

اسی لیے فقیر نے ایک غزل نعت میں عرض کیا ہے:

کوئی کیا جانے جو تم ہو خدا ہی جانے کیا تم ہو خدا تو کہہ نہیں سکتے مگر شان خدا تم ہو

ایک دوسری غزل میں عرض کیا:

حقیقت سے تمہاری جز خدا اور کون واقف ہے کہے تو کیا کہے کوئی چنیں تم ہو چناں تم ہو

(۱) [تیسیر شرح جامع صغیر باب حرف الکاف، حدیث: ۶۴۲۳: ۴۷۸]

(۲) (التیسیر بشرح الجامع الصغیر: حرف الکاف - ۲/۲۲۴)

مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام خدا ہیں، یا خدا ان میں حلول کیے ہے۔ حلول و اتحاد نرا الحاد ہے، اس کا کوئی مسلمان رہ کر قائل نہیں ہو سکتا، اور شامت نفس سے کوئی قائل ہو تو مسلمان نہیں رہ سکتا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام مظہر ذات الہی ہیں۔ حضور کی بشریت عظمیٰ سے ہماری بشریت کو کیا نسبت۔ تو جو اپنی طرح انہیں بشر جانتا ہے اس سرکار سرہر کار کی شان رفیع گھٹاتا ہے، اور کھلی توہین کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حضرات صوفیائے کرام کو ایسا کہنے والا خود ہی ایسا ہے، اس پر توبہ لازم ہے۔ خدا سے بدایت بخشتے۔ توفیق توبہ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) حضرات صوفیہ کرام کو ان کا کلام نہ سمجھ کر انہیں مشرک کہنے والا اس سے ڈرے، معاذ اللہ اس کا خاتمہ برا ہو اور وہ اس وبال میں مشرک ہو کر مرے۔ زمانہ حال کے جہال، صوفی بننے والے متصوفہ نقال کی بعض تمام تر بے ہودہ ہزلیات اور وہی تباہی سبھی کلمات کا حکم آخر ہے۔ نہ وہ حضرات صوفیائیں داخل ہیں، نہ ان کے کلمات کو کلمات صوفیائے کرام کا حکم شامل۔ بلکہ اگر جاہل، صوفی بننے والا حضرات صوفیاء کے وہ کلمات جو ان کی اصطلاح پر بالکل حق و صدق ہیں، بے سمجھے بکے اور ان کے ظاہری معنی مراد لے تو زندیق ہے، کہ صوفی محقق ہے۔ اور اس کا جاہل مقلد نقال زندیق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) جو ایسا ہے کافر ہے کہ قرآن اطاعت رسول کو اطاعت الہی فرما رہا ہے کہ فرماتا ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (۱)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

یہ آیت اگر نازل نہ ہوئی ہوتی جب بھی اطاعت رسول قطعاً اطاعت الہی تھی کہ رسول کی اطاعت

یوں ہی کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ نیز اللہ عزوجل نے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (۲)

اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو۔

پھر اگر حضور کی اطاعت کو غیر اطاعت الہی جانتا ہے تو فرض بھی مانتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کافر

ہے کہ قرآن عظیم نے ان کی اطاعت فرض فرمائی، کہ ارشاد ہوا: ”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت

کرو۔ اور اگر فرض مانتا ہے اور اسے غیر اطاعت خدا دندی مانتا تو بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) جو ایسا کرتا ہے مستحق نار، مستوجب غضب جبار، مبتلائے قہر قہار ہے۔

قرآن عظیم فرماتا ہے:

﴿لَا تَقْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتْكُمْ بِعَذَابٍ﴾ (۱)

اور فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (۲)

اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے جھوٹ، بہتان وہی باندھتے ہیں جو

ایمان نہیں رکھتے۔

حدیث میں ہے:

((من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار.)) (۳)

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ (مترجم)

اللہ عزوجل اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمداً افترا مسلمان کا کام نہیں۔ دھوکہ

دینا حرام ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا: ((ليس منا من غشنا.)) (۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہم کو دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں۔ (مترجم)

(۶) حرام کار ہے، مفتری ہے، کیا دہے، مکار ہے، شدید گنہگار ہے، حق اللہ اور حق العبدوںوں

میں گرفتار ہے، سخت شدید مجرم خاطر، غلط کار، ظالم ستم گر جفا شعار، کھٹے فساق، فجار میں اس کا شمار ہے۔ بلکہ

اپنے ان بعض کفریات کی بنا پر وہ داخل زمرہ کفار ہے۔ والعیاذ باللہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس کے پیچھے

نماز سے احتراز کیا جائے جب تک توبہ نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) [سورة طه: ۶۱]

(۲) [سورة النحل: ۱۰۵]

(۳) [صحیح البخاری: باب إثم من كذب على، ۱/۳۳]

(۴) (مصنف ابن أبي شيبة باب ما ذكر في الغش، ۴/۵۶۳)

بعض کفر بالکل ہی ظاہر ہوتے ہیں ان میں مفتی کے فتویٰ کی حاجت نہیں

(۲۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بکھور سراپا عطفوت، مرکز دائرہ کرامت، سرچشمہ جود و عنایت، حامی سنت، حامی بدعت، سیدی و مولای الاثم۔ دامت برکاتہم العالیہ مادامت الانجم۔

بعد تسلیمات اخلاص و تمناے قدم بوسی معروض بارگاہ۔

آج کل افتخار الحق رہتکی مصنف ”حامض الانسان“ اس امر کی بڑی پر زور اشاعت کر رہا ہے کہ دنیا میں میری تکفیر کرنے والی صرف شاہ علی حسین صاحب کی ذات ہے، جو صاحب فتویٰ نہیں ہیں اور ایک شخص کی صدانہ قابل توجہ اور نہ قابل اعتماد۔ ہاں وہ علمائے بریلی کہ حق گوئی اور افتاح جن کا حق و حصہ ہے، اور ان کے قلم ایسی حق گوئیوں میں شمشیر بے نیام ہیں، اور اظہار حق اور ادماغ باطل میں سب سے پیش پیش ہیں، ساکت ہیں میرے معاملہ میں۔ اور ان حضرات کی تحریر و تقریر سے میرا کفر ہرگز ثابت نہیں ہے۔ اور یہ فتنہ نہایت جوش کے ساتھ کلکتہ میں گشت کر رہا ہے۔ لہذا للمولیٰ الکریم دست اعانت بڑھا کر اس ضلالت کو فرو فرمایا جائے، اور تحریر پر تنویر سے اس شبہہ کا ازالہ فرمایا جائے۔

مرسلہ جناب مولوی عظیم اللہ صاحب نعیمی گورہٹی مسجد ڈاک خانہ انگلس ضلع ہنگلی۔

الجواب

افتخار الحق صاحب رہتکی کی یہاں سے تکفیر ہوئی اور شائع ہوئی۔ یہاں کا رسالہ ”پشت خار“ چھپ کر ملک میں شائع ہو چکا ہے۔ آہ زمانہ کی حالت اب یہ ہے کہ ایسے واضح فاضح کفریات پر بھی جب تک کوئی شخص کفر کا فتویٰ نہ دے لوگ انہیں کفر اور قائل کو کافر نہیں جانتے۔ نہیں نہیں ایک دو نہیں لاکھ کفر کے فتوے دیجیے مگر پھر بھی لوگ نہیں مانتے۔ اور یہی کہے جاتے ہیں سو میں سے ننانوے باتیں بھی کفر کی ہوں ایک اسلام کی ہو جب بھی کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اس غلط و باطل دعویٰ کو دین کا فتویٰ سمجھا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ والیہ المشتکی، فتویٰ دینے والے ہی کے سر ہوتے ہیں، اسی کو مجرم ٹھہراتے ہیں، گویا ان کے نزدیک کفر بکنا کوئی جرم نہیں، کافر کہنا جرم ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

وہ امر جس کا کفر ہونا بدیہی ہو، روز روشن کی طرح آشکار ہو، وہ جب ہی کفر ٹھہرے گا جب کوئی

صاحب فتویٰ اسے کفر بتائے گا؟ صاف صاف غیر خدا کی خدائی کا ادعا و اقرار بھی کفر نہیں، تو یارب اور کفر کیا ہوگا؟ شاہ علی حسین صاحب فتویٰ نہیں تو مسلمان تو ہیں، انہیں کفر و اسلام میں امتیاز تو ہے، ایک بات جو کھلی کفر ہے، جو کسی طرح اسلام نہیں، اسے ہر مسلمان کفر کہے گا۔ عالم و غیر عالم اس میں برابر ہیں۔ اور یہ کفر تو اجنبث کفر ہے، جسے ایک عامی بھی کفر بتائے، چہ جائے کہ شیخ و عالم۔ فرعون و نمرود کے کفر کو کون کفر نہیں جانتا، پھر کیا ان کا کفر ان کی شخصیتوں کے ساتھ خاص تھا، کہ وہ انہوں نے کیا تو اس لیے کہ وہ فرعون نے کیا کفر ہوا، دوسرا کوئی بھی وہ کفر کرے کفر نہیں؟ کہ وہ خاص فرعون و نمرود نہیں۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہم کی خلافت تو معتبر اور دستاویز بنانے کے لائق تھی، مگر جب انہوں نے حقیقت حال سے اطلاع پا کر خلافت بوجہ کفر و فرامادی تو یہ لائق اعتبار نہیں، حضرت شاہ صاحب لائق اعتماد نہیں۔ مفتی کا فتویٰ تو اکثر بعد استفتا ہوتا ہے۔ پھر کیا اگر کسی کھلے سے کھلے، اشد و اجنبث کفر بکنے والے کے کفر کے متعلق کوئی استفتا نہ ہو، مفتی کو اس کے کفر بکنے کی اطلاع نہ ہو، اور وہ فتویٰ کفر نہ دے، اس سے وہ کفر کفر نہ ہوگا؟ کفر تو کفر ہی ہے اگرچہ عالم بھر میں کوئی فتویٰ اس کے متعلق نہ ہو۔ بہت وہ کفریات ہوتے ہیں جنہیں جاہل سا جاہل بھی مانتا ہے، وہ لائق استفتا نہیں ہوتے، تو کیا ایسے تمام اجنبث ترین کفریات کفر نہ ہوں گے۔ کہ ان کے کفر ہونے کا مفتی نے فتویٰ تو دیا ہی نہیں۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

مولوی اشرف علی تھانوی پر علمائے عرب و عجم کی طرف سے کفر کا فتویٰ

(۲۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مطابق مذہب حنفی اشرف علی تھانوی کو کیا کہنا چاہیے؟ بینوا تو جو و ا۔

از فرید پور۔ بنگال۔ مرسلہ مولوی عبد المجید صاحب قادری رضوی سلمہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب

علمائے عرب و عجم نے شخص مذکور کو اس بنا پر کفر کہا کہ اس نے حضور پر نور محبوب رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایسی صریح گستاخی کی اور کھلی گالی دی جس میں اصلاً تاویل ممکن نہیں۔ برسہا برس سے وہ اس کے حواری سب سے جوڑ کر تاویل کی کوشش کیا کیے مگر ناکام و نامراد رہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے، اور کوئی کچھ۔ اور سب بے ہودہ پادر ہوا، محض لغو و باطل پوچ لچر۔ اس کی اس صریح توہین پر کہ اس نے اپنے حفظ الایمان، جس سے پر کی:

”پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے مراد بعض ہے یا کل۔ اگر بعض ہے تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو و بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔“

لا ریب یہ کفر صریح ہے اور سخت تر دشنام حضور سید الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام مادامت اللیالی والایام کی شان رفیع میں۔ شخص مذکور نے مدتہامت بعد ایک چوورقی کتاب شائع کی جس کا نام ”بسّط البنان لکف اللسان عن کاتب حفظ الإیمان“ اس میں لغو باطل تاویلات کیں۔ کفر واضح و فاسخ سے تو بہ نصیب نہیں ہوئی۔ اس کتاب کے ذور ذجہبی ۳۰ھ میں ”وقعات السنان“ ”إدخال السنان“ شائع کر دیے گئے۔ جو حمدہ تعالیٰ اب تک لاجواب ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک لاجواب رہیں گے۔ اور حق کے مقابل باطل کب جم سکتا ہے۔ آفتاب حق کے طلوع کرتے ہی ظلمات باطل دور ہو جاتی ہیں۔ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (۱) کا جلوہ آشکار ہوتا ہے۔ ”وقعات السنان“ اور ”إدخال السنان“ میں روز روشن سے زائد اس قول فبیح کا کفر صریح ہونا واضح کر دیا۔ ”ولله الحجة البالغة۔“

علمائے حریمین محترمین نے کفر مذکور کی نسبت فرمایا ہے: جو اس کے اس قول بدتر از بول پر مطلع ہو کر اس کے کافر اور مستحق عذاب ہونے میں شک کرے خود کافر ”من شک فی کفره وعذابه فقد کفر۔“ علمائے حریمین کا فتویٰ جسے دیکھنا ہو وہ ”حسام الحرمین“ دیکھے اور ہندو سندھ و پنجاب وغیرہ کے علما کا متفقہ فتویٰ جسے ملاحظہ کرنا ہو وہ ”الصوارم الهندیة“ ملاحظہ کرے۔ اور شخص مذکور اور اس کے حواریوں کے دھوکے اور فریبوں سے جسے بچنا اور ان کی تاویلات رکیکہ باطلہ کی دھجیاں جسے اڑانا ہو وہ ”وقعات السنان“ وغیرہ دیکھے۔ وباللہ التوفیق وهو تعالیٰ اعلم۔

(۲۴) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے غیر مقلدین کے سوال پر جو کہ احکام فقہیہ کو اختراعات ائمہ بتاتے ہیں، اور فقہیات کو کہتے ہیں کہ یہ خدا اور رسول کے حکم نہیں ہیں، حلفاً بیان دیا کہ ”صرف قرآن و حدیث پر چلنے والا آدمی کامل مسلمان نہیں، اور اسلام کی ضروری باتیں قرآن و حدیث میں تفصیلاً نہیں پائی جاتی ہیں، ان میں سے اکثر

بالنقصیل تو پائی جاتی ہیں، مگر بتما نہیں۔“ زید کے جواب کو علمائے اہل سنت و جماعت صحیح بتاتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ زید نے قرآن و حدیث کو ناقص بتایا، اس نے غیر ضروری باتیں اور لغو باتیں قرآن میں ہونا ثابت کیں، کتب فقہ کو قرآن و حدیث سے بالاتر مانا، صرف قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے کو کامل مسلمان نہ سمجھا، قرآن کو تمام ضروری باتوں سے خالی بتایا۔ لہذا زید اسلام سے خارج ہوا، اس پر مرتدین کے احکام صادر ہونا چاہیے۔ اب مفتیان دین سے عرض ہے: آیا زید کا حلف اور علمائے تصویب صحیح ہے یا عمرو کا قول؟ بینوا تو جروا۔

از بدایوں شریف مدرسہ قادریہ مدرسہ مولوی محمد ابراہیم صاحب سستی پوری در بھنگوی، ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۵۴ھ۔

الجواب

زید نے جو کہا اس کا مطلب درست ہے، بالکل حق و صواب ہے۔ مگر یہ لفظ قلب پر گراں ہے کہ صرف قرآن و حدیث پر چلنے والا کامل مسلمان نہیں۔ غیر مقلد جنہوں نے تکفیر مسلمین کو اپنا فرض اولین سمجھا ہے وہ زید پر کیوں نہ فتوے کفر و ارتداد دیں گے، ان کے کفر و شرک کی بوچھاڑ سے مسلمانوں میں کون ہے جو بیخ رہا ہے۔ تمام امت: حضرات صحابہ، بلکہ خود حضور پر نور ختمی مرتبت خاتم نبوت۔ علیہ وآلہ وصحبہ افضل الصلاة والتحیة۔ بلکہ خود اللہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ۔ ”حبک الشیء یعمی ویصم“ تکفیر کا شوق دیکھیے۔ کیسا اندھا کیا۔ زید کے کون سے حرف سے یہ نکلا کہ قرآن و حدیث میں غیر ضروری لغو باتیں ہیں؟ زید نے کب قرآن کو تمام ضروری باتوں سے خالی بتایا؟ زید نے کب قرآن و حدیث کو ناقص ٹھہرایا؟ زید نے کہاں کتب فقہ کو قرآن و حدیث سے بالاتر مانا؟ اندھوں کو دن میں سورج نظر نہ آئے تو کوئی کیا کرے، تفصیلاً اور بالنقصیل جسے نظر نہ آئے اس کی آنکھوں پر غشا وہ نہیں تو کیا ہے؟ زید پر تو غیر مقلدین کا نرا افترا اور کھلا خبیث بہتان ہے۔

مگر ہاں وہ غیر مقلدین جو زید کو یہ کہتے ہیں، ان پر ضرور انہیں کے منہ یہ الزام قائم کہ وہ صرف قرآن کو کافی نہیں جانتے، قرآن کو ناقص مانتے ہیں، حدیث کو قرآن سے بالاتر نہ سہی اس کے برابر مانتے ہیں۔ ”حدیث، حدیث قدسی و ارشاد نبوی و آثار صحابہ سب کو شامل“۔ غیر مقلدین اپنے اس قول کی بنا پر قرآن میں (معاذ اللہ) غیر ضروری اور لغو باتیں ماننے والے ہوئے، قرآن کو تمام ضروری باتوں سے خالی جاننے والے۔ لہذا وہ خود اپنے منہ کافر و مرتد و خارج از اسلام ہوئے۔ زید کو جواب یوں دینا تھا کہ غیر مقلدین سے سوال کرتا کہ تمہارے نزدیک صرف قرآن پر چلنے والا مسلمان ہے یا نہیں جو جواب غیر مقلد

اس سوال کا دیتے، وہی جواب ہماری جانب سے اپنے سوال کا سمجھ لیتے۔ غیر مقلدین، امام بخاری، داؤد ظاہری، ابن قیم، ابن تیمیہ، ابن حزم، اور شوکانی کے اقوال پر سرمنڈاتے، انہیں قرآن و حدیث سے بالاتر جانتے ہیں۔ آدمی اپنے ہی احوال پر کرتا ہے، قیاس، ”المرء یقیس علی نفسه“ ساون کے اندھوں کو ہر ایسی ہراسو جھتا ہے۔ آئینے میں اپنی ہی شکل دیکھی اور زید پر اپنے عیوب کا الزام لگا کر کافر، مرتد، خارج از اسلام کہہ ڈالا۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

شراب، زنا اور جوئے کی حرمت قطعی ہے جس کا منکر کافر

(۲۵) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
اگر کوئی شخص کسی کو از روئے تنبیہ یہ کہے کہ شراب پینا اور تاش کھیلنا یعنی جو کھیلنا بمقابلہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے ہے۔ یعنی جس طرح ماں کے ساتھ انسان زنا کو حرام سمجھتا ہے اسی طرح شراب تاش جو کھیلنے کو بھی حرام سمجھے اور بچے۔ ایک مرتبہ مولانا کفر توڑ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی جملہ کو دوران تقریر میں بیان فرمایا تھا کہ شراب پینا اور تاش یعنی جو کھیلنا بمقابلہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے ہے۔ زید کہتا ہے کہ اس جملے کا کہنے والا خارج از اسلام ہو گیا۔ اب اسے تجدید ایمان کرنا چاہیے۔ آیا یہ قول زید صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو کیا یہ شرابیوں اور جواریوں کی اعانت نہ ہوئی۔ کیا یہ شریعت مصطفویہ کے اندر رخنہ اندازی نہیں ہوئی۔ آیا اس جملے کے کہنے پر خارج از اسلام بتانے والا از روئے شریعت مطہرہ کیسا ہے؟ مدلل جواب سے سرفراز فرمائیں۔

از ہوڑہ کلکتہ مرسلہ محمد رفیق صاحب سردار معرفت مولوی عبدالمجید در بھنگی۔

الجواب

واللہ الموفق للصواب۔ زید کا قول غلط ہے کیوں کہ شراب اور جو اور زنا تینوں کی حرمت قرآن مجید سے ثابت ہے جس کا منکر کافر ہے۔

لقلولہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۱)

شراب اور جو اور بت اور پانے ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا۔
 لہذا حرمت میں یہ دونوں اشیا مثل ماں سے زنا کرنے کے ہیں، بلکہ حدیث میں ہے کہ سود کے
 ستر دروازے ہیں، ان میں سب سے آسان یہ ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ رواہ ابن ماجہ فی
 سننہ۔

لہذا زید اپنے قول مذکور کی وجہ سے سخت گنہگار ہوا۔ اس کو توبہ کرنا چاہیے۔
 حدیث میں ہے:

((أیما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما)) أخرجه البخاري في

صحيحه - (۱)

یعنی جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے تو بے شک ایک ان دونوں میں سے کفر کے ساتھ لوٹتا
 ہے۔ واللہ اعلم۔
 کتبہ: السید محمد عمیم الاحسان المجدوی الرکنی عنی عنہ

الجواب:۔ بے شک سود کا ایک درہم لینا چھتیس زناؤں سے خطیہ میں بڑھ کر ہے۔ بے شک سود
 لینا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے۔
 حدیث میں ہے:

((الربوا سبعون جزءاً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه)) (۲)

سود کی ستر قسمیں ہیں، ان میں سب سے آسان یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے۔ (مترجم)
 ایک حدیث میں ہے: ((الربا اثنان وسبعون باباً أدناها مثل إتيان الرجل أمه)) (۳)
 سود کے بہتر دروازے (درجے) ہیں ان میں سب سے چھوٹا درجہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں کے
 ساتھ زنا کرے۔ (مترجم)

ایک حدیث میں ہے:

((الربا ثلاثة وسبعون باباً أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه)) (۴)

(۱) صحيح البخاري كتاب الأدب باب الصبر والأذى: ۹۰۱/۲

(۲) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الربا: ۲۴۷

(۳) الترغيب والترهيب: ۸/۳

(۴) الترغيب والترهيب: ۶/۳

سود کے ستر دروازے (حصے) ہیں سب سے آسان اپنی ماں سے نکاح کرنا ہے۔ (مترجم)

اور ایک حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((إن الدرهم يصيبه الرجل من الربا أعظم عند الله من ست وثلاثين زنية يزنيها الرجل)) (۱)

سود کے ذریعہ حاصل ہونے والا ایک درہم گناہ میں ستر زنا سے بڑھ کر ہے۔ (مترجم)

((أهون الربوا كالذي ينكح أمه. وإن أربى الربا استطالة المرء في أرض

أخيه.)) (۲)

سود کا آسان درجہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے، نیز سب سے بڑا سود انسان اپنے بھائی کی زمین کا لمبے زمانے تک استحصال کرتا ہے۔ (مترجم)

پہلی حدیث کے نیچے علامہ منادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تیسیر میں فرماتے ہیں:

”فيه وما قبله إن الربا من أعظم الكبائر، قال بعضهم، وهي علامة على سوء

الخاتمة.“ (۳)

اسی میں اور اس پہلی والی حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ سود سب سے بڑا گناہ ہے، اور بعض

کا قول تو یہ ہے کہ یہ سوء خاتمے کی علامت ہے۔ (مترجم)

ان حدیثوں سے اس کا ثبوت ہے کہ ربا اعظم الكبائر ہے، بعض علمائے فرمایا: کہ وہ سوء خاتمہ کی

علامت ہے۔ اور شراب بھی زنا سے بدتر ہے۔ وہ ام النجائث ہے، وہ مزیل عقل و حواس ہے، زنا مزیل

عقل و حواس نہیں ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ جوئے کی حرمت زنا کی حرمت کی طرح ہے۔ یہ بھی حرام

قطعاً، وہ بھی حرام قطعاً۔ زید جھوٹا ہے۔ مسلمانوں کی ناحق تکفیر کرتا ہے، اپنے دل سے فتویٰ گڑھتا ہے،

مستحق لعنت ملائکہ سموات وارض ہے، بتلائے قہر و غضب الہی، مستوجب عذاب نانتنا ہی ہے۔ اس پر توبہ

لازم ہے، توبہ کرے، اور تجدید ایمان و نکاح اگر بیوی رکھتا ہو۔ واللہ الموفق وهو تعالیٰ أعلم۔

(۱) [الترغیب والترہیب: ۷/۳]

(۲) [مصنف عبد الرزاق: باب ماجاء فی الربا، ۳۱۴/۸]

(۳) [التیسیر بشرح الجامع الصغیر: حرف الراء، ۳۹/۲]

نماز کی تحقیر کرنے والا کافر اور اس سے قطع تعلق فرض

(۲۶) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
 ایک شخص کو نماز کی تاکید کی جاتی ہے حالاں کہ ان لوگوں نے اس شخص مذکور کو کبھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اب جو اس کو کہا گیا کہ بھائی ہمارے یہاں سب لوگ نماز کو جاتے ہیں، آپ بھی مہربانی کر کے اگر نماز کی طرف توجہ کریں تو بہت اچھی بات ہے۔ اس نے اس کے جواب میں کہا کہ ہزاروں نماز کے ولولے دیکھے۔ اور ایک مہینہ کے بعد تمہیں بھی سلام کر لیں گے۔ ہمارے چار پانچ بچے ہیں، ہم ان کی پرورش کرتے ہیں، یہ بھی عبادت ہے، اور کہا کہ مجھے معاف کیجیے مجھ سے نماز کی پابندی نہیں ہو سکتی ہے۔ تو ان لوگوں نے یہ جواب دیا کہ اور نوک دنیا میں ایسے نہیں، جو تم سے زیادہ اولاد زندہ رکھتے ہیں، اور باوجود فاقہ کشی کے ہر وقت پنج گانہ نماز ادا کرتے ہیں، تو شخص مذکور نے جواب دیا کہ بہت سے لوگ تو گل خدا پر مر گئے، اور نماز میں کچھ نہیں ملا۔ پھر وہ لوگ خاموش ہو کر چلے آئے۔ اب شرعاً شخص مذکور کے حق میں کیا حکم ہے؟

از بریلی محلہ بھوڑ مرسلہ منصور حسین صاحب۔ ۱۷ جمادی الاولیٰ یوم جمعہ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب

اس بد نصیب پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے اور نماز کا پابند نہ ہو تو اس سے میل جول، سلام کلام قطعاً موقوف کر دیا جائے، اگر وہ معاذ اللہ بے توبہ کیے مر جائے تو مسلمانوں کی قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ نماز دین کا ستون ہے، جو نماز پڑھتا ہے دین کو قائم رکھتا ہے، اور قصداً ترک کرتا ہے دین کو ڈھا دیتا ہے۔ مسلم و کافر کے درمیان فارق نماز ہے۔ یہ سب حدیث کا ارشاد ہے۔
 حدیث میں ہے:

الصلاة عماد الدين، فمن أقامها فقد أقام الدين، ومن تركها فقد هدم الدين۔

نماز دین کا ستون ہے تو جس نے نماز پڑھی اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے ترک کر دی اس

نے دین کو ڈھا دیا برباد کر دیا۔ (مترجم)

دوسری حدیث میں ہے:

((الفرق بين العبد وبين الكفر ترك الصلاة)) (۱)

ایمان اور کفر میں فرق ترک نماز کا ہے۔ (مترجم)

تیسری حدیث میں ہے:

((من ترك الصلاة متعمداً فقد كفر)) (۲)

جس نے نماز قصداً ترک کی وہ کفر کے قریب پہنچ گیا۔ (مترجم)

محض ترک صلاۃ پر حدیثوں میں ایسا ارشاد ہوا۔ جو شخص نماز سے انکار کرتا ہے وہ بھی ایسا کہ بہت لوگ تو کل خدا پر مر گئے، اور نماز میں کچھ نہیں ملا۔ اس بد نصیب پر اشد غضب الہی ٹوٹتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ!۔ اس بد نصیب کو نماز سے کچھ نہ ملنا نظر آیا، مگر قرآن و حدیث سے پوچھو کہ نماز سے لا اقل اتنا تو نقد وقت ہوتا ہے کہ نماز بے حیائیوں اور ناجائز باتوں سے روکتی ہے، اور دین کو استوار رکھتی ہے، مسلم و کافر میں فرق کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اس بد نصیب کے نزدیک اور کیا ہے جسے کہتا ہے کہ نماز سے کچھ نہ ملا۔ اندھے کو آفتاب نہ سوجھے تو کوئی کیا کرے۔ اس کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا کہے مجھے آفتاب سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ فائدہ اسی کو سمجھتا ہے کہ اسے نظر آئے۔ جو نظر نہ آئے وہ اس کے نزدیک فائدہ ہی نہیں۔ یاد دنیا ملنے کے لیے نماز پڑھتا ہے اگر نماز پڑھنے سے دنیا ملتی نظر آتی۔ مگر اندھے کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ برکت کوئی ایسی چیز نہیں جسے آنکھوں سے دیکھ سکے، نماز پڑھنے سے ضرور برکات دنیا بھی ملتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کافر کو کافر نہ سمجھنے والے پر توبہ لازم ہے

(۲۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
زید کہتا ہے کہ کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے، اس کا مقصد کیا ہے، کیا مسلمان اپنے آپس میں

(۱) [مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة: ۵۸]

(۱) [اتحاف السادة المتقين، کتاب أسرار الصلاة، الباب الأول في فضائل الصلوات: ۱۶/۳]

برسبیل تذکرہ کسی کافر کو کافر نہ کہیں، یا اس کے سامنے اس کو کافر نہ کہیں، جیسا حکم ہو مطلع فرمایا جائے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ وہ کون کون سے مشہور مذہب ہیں جن کے افراد کو کافر سمجھا جاتا ہے۔ بینواتو جروا۔ از: بریلی بڑا بازار مرسلہ فضل الرحمن صاحب، ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ متصل مسجد سینچر شاہ۔

الجواب

زید غلط و باطل کہتا ہے، اس پر توبہ لازم ہے، کافر کو کافر ہی سمجھا جائے گا۔ کافر ہی کہا جائے گا۔ مسلمانوں کو مسلمان ہی کہا جائے گا۔ ایک غلط بات جاہلوں کی زباں زد ہے۔ ”کافر کو کافر اس لیے نہ کہا جائے کہ اس کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں، کیا معلوم کہ وہ آخر میں مسلمان ہو جائے“۔ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ کافر کو کافر اس وقت اس کے کفر کے سبب کہا جاتا ہے، جب وہ مسلمان ہو جائے گا، اسے اس وقت کافر نہ کہا جائے گا۔ یوں تو کسی مسلمان کو بھی مسلمان نہ کہیں گے، کہ خاتمہ کا حال معلوم نہیں، کیا معلوم معاذ اللہ کسی مسلمان کہلانے والے کا خاتمہ کفر پر ہو۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہ وہ لوگ بکا کرتے ہیں جو اپنا مذہب صلح کل رکھتے ہیں۔ گائے کا گوشت کھانے والے، مسلمانوں کا سانام رکھنے والے، بعضے کام مسلمانوں کے کرنے والے، ظاہر میں مسلمان بننے والے، چھپے منافق کیسے ہی کفریات بکسیں ”انہیں مسلمان ہی سمجھو۔ مسلمان ہی کہو، کافر کو بھی کافر نہ کہنا چاہیے، یہ تو مسلمان کہلاتے ہیں“۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

یہ ان کی نئی شریعت ہے۔ شریعت پاک تو کافر کو کافر ہی کہنے کا حکم فرماتی ہے۔ وہ منافق جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور حاضر رہتے، نمازیں روزے ہی نہیں رکھتے تھے، بلکہ حضور کے ساتھ جہاد بھی کرتے تھے۔ کافروں سے قتال کرتے تھے۔ اللہ عزوجل نے ان کا پردہ چاک فرمادیا۔ قرآن نے ان خبثا کو کافر فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مسجد پاک سے ایک ایک کو نکال دیا۔ یہ فرمایا کہ: ”أخرج فإنک منافق“۔

ایک منافق نے آپس میں کہا تھا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی گم گشتہ ناقہ فلاں وادی میں ہے، انہیں غیب کی کیا خبر؟ وما یدرہ بالغیب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب و محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خبر دے دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ﴿وَلَسَنُسَأَلُهُمْ لِيَقُولُوا نَمَّا كُنَّا نَحْوُ وَنَلْعَبُ﴾ (۱)

اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں گے، تو کذاب مکر جائیں گے، جھوٹے بہانے بنائیں گے، کہ ہم تو یوں ہی ہنسی دل لگی میں تھے، آپس میں کھیل کر رہے تھے۔

ان کی اس بکواس کا جواب بھی قرآن عظیم نے فرمادیا:

﴿لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِسْلَامِكُمْ﴾ (۱)

تم فرمادو! جھوٹے بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے، اپنے (دعویٰ) ایمان کے بعد۔

دین اسلام کے علاوہ جو ادیان ہیں سب کفر ہیں، اور اسلام کے مدعیوں میں جو جو ضروریات دین سے کسی بات کے منکر ہیں وہ سب کافر ہیں۔ جیسے قادیانی، دیوبندی، وہابی، رافضی، بابی، نیچری، وغیرہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

گنگوہی کے کفریات پر اطلاع کے بعد اس کو کافر نہ سمجھنے والا بھی کافر

(۲۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک شخص مسمی سید احمد ذوقی جو اپنے آپ کو خلیفہ وارث حسین کوٹرا جہان آبادی کا کہتا ہے۔ اور وارث حسین، اپنے آپ کو رشید احمد گنگوہی کا خلیفہ کہتا ہے، اور ذوقی اس وقت تک مہمان ہے اور زردہ پلاؤ تو رما طرح طرح کا کھانا کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید مسمی ابوالقاسم جو بریلی شہر کہنہ محلہ کبڈز میں رہتا ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خلیفہ بتاتا ہے، اور اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے، اور کہتا ہے کہ حضور پر نور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: کہ تو بہت کمزور ہو گیا، تجھ کو نماز معاف ہے۔ ہر سال قوالی مزا میر کے ساتھ عرس میں کراتا ہے، اور خود سنتا، اور لوگوں کو سنواتا ہے۔ ذوقی نے مع چند دوستوں کے ابوالقاسم کے ہاں جا کر مزا میر کے ساتھ قوالی سنی اور ذوقی کو ابوالقاسم نے نہایت تعظیم و تکریم سے لیا، اور اپنی مسند ذوقی کے لیے چھوڑ دی اور اس پر اس کو بٹھایا، اور مجلس سماع گرم ہوئی، اور خوب گانا سنا۔ جو لوگ ایسے شخص کی تعظیم کریں اور اس کے مرید ہوئے، یا ابوالقاسم کے مرید ہوئے، ایسے لوگوں سے بیعت ہونا چاہیے؟ یا ان کی تعظیم کرنا اور ان کو پیر بنانا، مرید ہونا بموجب شریعت مطہرہ کے جائز ہے یا ناجائز؟ حلال ہے یا حرام؟ اور جن لوگوں نے ان

کے ساتھ کھانا کھایا، اور سماع سنان کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یا صاحبزادہ مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب نے یا مولوی مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب نے ان کو یعنی ابوالقاسم کو خلیفہ کیا ہے، اور مرید کرنے کی اجازت دی ہے یا نہیں؟ برائے خدا جواب باصواب سے مع مہر اور دستخط کے مشرف فرمائیے اور سیدھے لوگوں، نادانوں اور بھولی بھیڑوں کو گمراہی سے بچائیے۔ بیسوا توجروا۔

از شہر محلہ قلعہ مسئولہ امجد علی صاحب معرفت مختار احمد صاحب طالب علم
مدرسہ منظر اسلام، بریلی ۳ رجب ۱۳۵۶ھ

الجواب

گنگوہی کی نسبت علمائے کرام حرمین طیبین کا فتویٰ مدت سے شائع ہے۔ بے شک گنگوہی اپنے ان کفریات قطعیہ کے سبب ایسا ہے کہ جو اس کے ان اثبات اشنع کفروں، یا ان میں سے کسی ایک ہی پر مطلع ہو کر اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے، وہ بھی کافر۔ نہ کہ اسے پیرو پیشوا امام و مقتدا ماننے والا۔ اگر وہ شخص ادعا کرے کہ وہ محض بے خبر ہے، اسے آج تک اس کے ایسے اشنع حال کی اطلاع نہ ہوئی۔ نادانستہ وہ اس کے سلسلہ میں منسلک ہو گیا۔ تو آج گنگوہی کے کفریات اس پر پیش کیے جائیں، اگر انہیں دیکھ کر وہ بے تامل اسے کافر مان لے اور اس سے بے زاری کا اظہار کر دے اور اس بیعت کو اب بیعت نہ مانے جب تو یہ سمجھا جائے کہ واقعی یہ شخص بے خبر تھا۔ اور اگر اب مطلع ہو کر بھی اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے تو وہ اسی کی رسی میں گرفتار ہے۔

ابوالقاسم نہ ابن القاسم نہ قاسم اس نام کا کوئی شخص اعلیٰ حضرت کا خلیفہ نہیں۔ اس سے اس کی کیا شکایت کہ وہ اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے، جب وہ اپنے لیے نماز ہی کو معاف جانتا ہے۔ ”ما علی مثله یعد الخطاء“ جب کہ اس کی عقل کا دیا اس کی کھوپڑی میں ٹٹمار ہا ہے۔

المستند المعتمد میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

”المتصوفة المتصلفة المبطلۃ المتکلفة القائلة بالاتحاد والحلول وسقوط التکالیف عن العارفين مع بقاء العقول بمعنی أنهم إذا وصلوا جلوا أن يؤمروا بشي، أو ينهوا عنه، فيحل الله لهم الحرام، ويسقط عنهم الفرائض، وترى بعضهم يستخف بالشریعة الغراء جهاراً، ویقول: الشرع طریق، فمن وصل فما له وللطریق؟ ویقول: صلاة الزاهدين الركوع والسجود، وإنما صلاتنا ترك الوجود، يتمسك به

علیٰ تهاونه بالصلاة وترکہ الجمع والجماعات (إلی قوله) بالجملة هؤلاء کفار مرتدون خارجون عن الإسلام بإجماع المسلمين، وقد قال في البزازیة والدرر والغرر والفتاویٰ الخيرية ومجمع الأنهر والدر المختار وغيرها من معتمدات الأسفار في مثل هؤلاء الکفار "من شك في كفره وعذابه فقد كفره" (۱)

بے فیض گمراہ گمراہ صوفی اتحاد اور حلول کے قائل ہیں۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ عارفین ذی عقل سے احکام شرع ساقط ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس مقام پر فائز ہو گئے کہ دوسروں کو کسی شی کا حکم دیں، یا اس سے منع کر سکیں، تو اللہ عزوجل نے ان کے لیے حرام کو حلال کر دیا، اور ان سے فرائض ختم کر دیے، اور بعض تو ایسے ہیں جو کھلے عام شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ شریعت ایک راستہ ہے، پس وہ جس کو حاصل ہو گیا، (منزل تک پہنچ گیا) اب اس کا راستے سے کیا تعلق رہ گیا، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زہدین کی نماز رکوع اور سجود ہے، لیکن ہماری نماز ترک وجود ہے، اور وہ اس سے نماز کے بارے میں اپنی سستی اور ترک جماعت پر دلیل پیش کرتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ یہ سب باجماع مسلمین کافر مرتد اور خارج از اسلام ہیں۔ بزازیہ، درر، غرر، فتاویٰ خیریه، مجمع الانهر اور در مختار وغیرہ معتمد اسفار میں ان جیسے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہے۔ (مترجم)

رد المحتار میں علامہ شامی قدس سرہ السامی رسالہ ابن کمال، و امام غزالی کی "کتاب التفرقة بين الإسلام والزندقة" سے نقل فرماتے ہیں:

"ومن جنس ذلك ما يدعيه بعض من يدعي التصوف أنه بلغ حالة بينه وبين الله تعالى أسقطت عنه الصلاة (إلی قوله) فهذا مما لا أشك في وجوب قتله، إذ ضرره في الدين أعظم، ويفتح به باب من الإباحة لا ينسد وضرر هذا فوق ضرر من يقول بالإباحة مطلقاً، فإنه يمتنع عن الإصغاء إليه لظهور كفره، أما هذا فيزعم أن لم يرتكب إلا تخصيص عموم التكليف بمن ليس له مثل درجته في الدين، ويتدعى هذا إلى أن يدعي كل فاسق مثل حاله. (۲)

(۱) [المعتمد المستند: ۲۳۰، ۲۳۱]

(۲) [رد المحتار، کتاب الجهاد مطلب في دعوى علم الغيب: ۶/۲۹۴] ۵ ملخصاً.

اور اس کی جنس (قبیل) سے ہے بعض نام نہاد صوفیوں کا دعویٰ ہے کہ اس کا رب تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق ہو گیا کہ وہ اس مرتبہ کو پہنچ گیا کہ اس سے نماز ساقط ہو گئی۔ ایسا شخص یقیناً واجب القتل ہے، اس لیے کہ دین میں اس سے زیادہ نقصان ہے کیوں کہ اس اباحت کا ایسا دروازہ کھلے گا جس کا بند ہونا مشکل ہو، اور اس کا ضرر مطلقاً اباحت کے قول کرنے والے سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ اس کا کفر اتنا واضح ہے کہ کوئی بھی اس کی بات پر دھیان نہ دے گا۔ لیکن یہ ایسا خیال کرتا ہے کہ اس نے صرف عموم تکلیف کو اس شخص کے ساتھ خاص کر دیا جو اس کا درجہ اور مرتبہ کے برابر نہ ہو دین میں، اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہر فاسق اسی کے طرح دعویٰ کرے۔ (مترجم)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ”لا أصلی، إذ لا تحب علیّ أولم أو مربها، یکفر“ کسی نے کہا کہ میں نماز نہ پڑھوں گا کیوں کہ نماز مجھ پر فرض نہیں۔ یا کہا کہ مجھے نماز کا حکم نہ دیا گیا تو وہ کافر ہو گیا۔ (مترجم)

اسی میں ہے: ”دلت المسألة علیٰ انه تهاون الصلاة والترك مستخفاً کفر۔“ یہ مسئلہ اس بات پر دال ہے کہ نماز کو ہلکا سمجھ کر سستی کرنا اور ترک کرنا کفر ہے۔ (مترجم)

شفا شریف اور اس کی شرح اعلیٰ قاری میں ہے:

”کل مقالة صرحت بنفي الربوبية، أو الوحدانية، أو عبادة أحد غير الله، أو مع الله فهو كفر، كمقالة الدهرية (إلى قوله) وكذلك من ادعى مجالسة الله، والعروج إليه ومكالمته، أو حلوله في أحد الأشخاص كقول بعض المتصوفة أي: المشتبهة بالصوفية من الحلولية والوجودية والاتحادية زعموا أن السالك إذا أمعن في سلوكه، وخاض في لجة وصوله، واستغرق في بحر حضوره، فربما حل فيه سبحانه وتعالى كالنار في الفحم فيرتفع الأمر والنهي الخ.“

اسی میں ہے:

أجمع المسلمون علی كفر بعض غلاة المتصوفة الزاعمين أنهم وصلوا إلى الله فرفع عنهم التكليف، قال الدلحي: وقد أدركت بعضاً منهم يقول: أسقط الله عني التكليف فاستباح فطر رمضان، والخلوة بالاجنبيات من النساء، ونحو ذلك“ (۱)

وہ بات جس سے رب کی ربوبیت یا وحدانیت کی صراحتاً نفی ہو۔ یا غیر اللہ کے لیے عبادت کا اثبات ہو۔ یا پھر عبادت میں اللہ کے ساتھ غیر کی شرکت ثابت ہو وہ کفر ہے۔ جیسا کہ دھریہ کے اقوال، اور اسی سے طرح وہ شخص جو رب تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے، یا اس تک پہنچنے اور اس سے گفتگو کرنے کا دعویدار ہو۔ یا رب تعالیٰ کے بعض افراد میں حلول کر جانے کا قول کرے جیسا کہ فرقہ حلویہ، وجودیہ اور اتحادیہ کے بعض نام نہاد صوفیوں کا قول ہے، ان کا ماننا ہے کہ جب سالک سلوک کی گہرائیوں میں اور رب تعالیٰ کے بحر حضور میں مستغرق ہو جائے تو بسا اوقات رب تعالیٰ اس کے اندر حلول کر جاتا ہے، جس طرح آگ کو نلے میں حلول کر جاتی ہے، اس کے بعد اس سے اوامر و منہیات اٹھ جاتے ہیں، تمام مسلمین نے بعض نام نہاد غالی صوفیوں کے کفر پر اتفاق کیا ہے۔ یعنی تمام مسلمین کا ان کے کفر پر اجماع ہے، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ تک پہنچ گئے اور ان سے احکام شرع اٹھ گئے۔ اور دلجی نے کہا کہ میں نے ان میں سے بعض کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ اللہ نے مجھ سے تکلیف (حکم شرع) ختم فرمادی جس کی وجہ سے اس نے ماہ رمضان میں افطار کو (روزہ نہ رکھنے کو) اور اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت وغیرہ کو جائز سمجھا۔ (مترجم)

اس کا یہ قول کفر صریح ہے۔ اور حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمداً افتراء قبیح۔ یہ یوں بھی کفر ہے۔ اور فرضیت نماز کا انکار ہے یوں بھی۔ اس قائل کے کافر و مستحق عذاب نار ہونے میں کیا شک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایسے سے قوالی مع مزامیر کرانے، سننے سنانے، یا کسی حرام کے ارتکاب کی کیا شکایت۔ بد مذہب کی تعظیم بھی حرام ہے۔ جو لوگ ایسوں سے بیعت ہوتے ہیں وہ شیطان کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جب تک ایسے لوگ توبہ نہ کریں، مسلمان ان سے میل جول موقوف رکھیں۔ واللہ الہادی وهو الموفق وهو تعالیٰ أعلم۔

اس فقیر نے ہرگز ابوالقاسم کونہ ابن القاسم نہ قاسم اس نام کے کسی شخص کو آج تک خلافت نہیں دی، اور اگر کسی نے بحالت اسلام ایسے کو خلیفہ کیا بھی ہو تو وہ بیعت ہی نہ رہی، خلافت کیسی۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

عبدالرحمن اور عبدالقیوم جیسے ناموں میں ”عبد“ کو حذف

کر کے بولنا جائز نہیں بلکہ بعض میں کفر ہے

(۲۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید دریافت کرتا ہے کہ چند نام جیسے عبدالقادر، عبدالقدیر، عبدالرزاق۔ ان میں لفظ عبدال چھوڑ

کر نام لینا کیسا ہے؟ عمر و کہتا ہے کہ انسان کو صرف ایسے نام بغیر عبدال ملائے پکارنا کفر ہے۔ لہذا حق کیا ہے؟

از بریلی محلہ صالح نگر مسئلہ کفایت حسین صاحب رضوی، تیم شعبان ۱۳۵۶ھ۔

الجواب

ایسے ناموں سے لفظ عبد کا حذف بہت برا ہے۔ اور کبھی ناجائز و گناہ ہوتا ہے، اور کبھی سرحد کفر تک بھی پہنچتا ہے۔ قادر کا اطلاق تو غیر پر جائز ہے۔ اس صورت میں عبد القادر کو قادر کہہ کے پکارنا برا ہے۔ مگر قدیر کا اطلاق غیر خدا پر ناجائز۔ کمافی البیضاوی۔ اور اگر کسی کا نام عبد القدوس، عبد الرحمن، عبد القيوم ہے تو اسے قدوس، رحمن، قیوم کہنا جیسا ہے جیسے اسے جس کا نام عبد اللہ ہو، اللہ کہنا، بہت سخت بات ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ جس کا نام عبد القادر ہو اسے بھی عبد القادر ہی کہا جائے، جس کا عبد القدیر ہو اسے عبد القدیر ہی کہنا ضروری ہے۔ عبد الرزاق کو عبد الرزاق، عبد المقتدر کو عبد المقتدر۔ غیر پر اطلاق قدیر و مقتدر میں علما کا اختلاف ہے، کمافی عنانیۃ القاضی حاشیہ شرح البیضاوی۔ عبد القدوس کو عبد القدوس، عبد الرحمن کو عبد الرحمن، عبد القیوم کو عبد القیوم، عبد اللہ کو عبد اللہ ہی کہنا فرض۔ یہاں عبد کا حذف اشد درجہ حرام و کفر ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

فتاویٰ ظہیریہ پھر شرح فقہ اکبر میں فرمایا:

”من قال لمخلوق یا قدوس، أو القیوم، أو الرحمن کفر. او مختصراً“

جس نے کسی مخلوق کو یا قدوس، یا قیوم یا پھر رحمن کہا وہ کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

بلکہ یہاں تک ظہیریہ میں فرمایا گیا کہ:

”أو قال اسما من أسماء الخالق کفر.“

یا اس نے مخلوق کو خالق کے کسی نام سے پکارا وہ کافر ہو گیا۔ (مترجم)

فتاویٰ ظہیریہ کی اس عبارت کی بنا پر بظاہر عبد القادر کو قادر کہنا بھی کفر ٹھہرے گا، مگر اس صورت میں

کہ ان کی مراد معنی لغوی ہوں اور وہ کہاں ہوتے ہیں۔

شرح فقہ اکبر میں:

”وهو یفید أنه من قال لمخلوق یا عزیز و نحوه یکفر أيضاً، إلا إن أراد بها

المعنی اللغوی لا الخصوص الاسمی.“

اور یہ قول اس کا بھی فائدہ دیتا ہے کہ جس نے مخلوق کو یا عزیز وغیرہ کہا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا،

مگر یہ کہ وہ ان سے لغوی معنی مراد لےنا کہ خاص اسمی۔ (مترجم)

مگر بات یہی ہے کہ بعض اسماء الہیہ جو اللہ عزوجل کے لیے مخصوص ہیں۔ جیسے اللہ، قدوس، رحمن، قیوم، وغیرہ انہیں کا اطلاق غیر پر کفر ہے۔ ان اسماء کا نہیں جو اس کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جیسے عزیز، رحیم، کریم، عظیم، علیم، حی، وغیرہ۔ بعض وہ ہیں جن کا اطلاق مختلف فیہ ہے۔ جیسے قدیر، مقتدر وغیرہ۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے شرح فقہ اکبر کی اس عبارت پر اپنے حاشیہ میں فرمایا:

”أقول: ليس من هذه الإفادة في شي وإنما أراد بأسماء الخالق الأسماء المختصة به.“

میں کہتا ہوں کہ یہ اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا (یعنی یہ قول دعویٰ کے سلسلے میں مفید نہیں ہے) بے شک اسماء خالق سے مراد وہ اسماء ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہیں۔ (مترجم)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ارشاد کی تائید مجمع الانہر کی یہ عبارت فرماتی ہے:

”أطلق على المخلوق من الأسماء المختصة بالخالق، نحو القدوس، والقيوم، والرحمن، وغيرها يكفر.“ (۱)

(جس نے) مخلوق پر خالق کے خاص اسماء مثلاً قدوس، قیوم اور رحمن، وغیرہ کا اطلاق کیا تو وہ کافر ہے۔ (مترجم)

نیز حدیقہ ندیہ میں ہے:

”واعلم أن التسمی بهذا الاسم حرام، وكذا التسمی بأسماء الله تعالى المختصة به كالرحمن، والقدوس، والمنهين، وخالق الخلق ونحوها. وكذا في ح النووي على صحيح مسلم.“

اور جان لؤنہ ان کے ساتھ کسی شخص کا نام رکھنا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء کے ساتھ کسی کا نام رکھنا، مثلاً رحمن، قدوس، منہین، اور خالق الخلق وغیرہ، اور شرح نووی علی صحیح مسلم میں اسی طرح مذکور ہے۔ (مترجم)

عمر و جو علی الاطلاق حکم کفر کرتا ہے وہ صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عنایت مشرقی بانی تحریک خاکسار کا اجمالی شرعی حکم

(۳۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...
 (۱) خاکسار تحریک جو کہ تقریباً ہر شہر و قصبہ اور گاؤں میں ہے، اور تقریباً ڈھائی لاکھ مسلمان اس میں شریک ہیں، عقیدے سے کوئی بحث نہیں، جو سب مسلمانوں کے عقیدے خواہ کیسے ہی ہیں، اس میں شامل ہوتے ہیں، اس کے بانی یعنی عنایت خاں المشرقی نے جو کتاب ”تذکرہ“ لکھی ہے اس کی وجہ سے سب کو کافر کہنے والا حق بجانب ہے یا نہیں؟ اعتقاد صحیحہ کے بیان اور عمل کرنے کے باوجود پھر بھی زبردستی مرتد اور کافر کہنا کہاں تک درست ہے۔ والسلام مع الإکرام۔

(۲) جس شخص کا یہ بیان ہے کہ میرا عقیدہ صحیح مطابق شریعتِ غرا کے ہے، پنج ارکانِ اسلام و دیگر اصول کو ماننا ہوں، اور فی المقدر عمل بھی کرتا ہوں، کسی رنج کی بنا پر اس کو کفر کا فتویٰ دینا کیسا ہے؟
 (۳) کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے کہ ملزم کی غیر حاضری اور اس کے بیانات لیے بغیر، اس کو خبر کیے بغیر اس کو مرتد قرار دیا جائے، مرتد کہنے والا کون اور کس گناہ کا مرتکب ہے؟۔

از کوہ مزی ضلع راولپنڈی پنجاب بازار کلاں متصل ہوٹل مجیب خاں۔ مرسلہ جناب عبد الرحمن صاحب، رجب ۱۳۵۶ھ

الجواب

(۱) خاکسار تحریک کیا ہے میں نہیں جانتا۔ تذکرہ میں اگر کوئی بات کفر کی ہے تو وہ کفر ہے پھر کفر لزومی ہے، یا التزامی۔ اگر کفر التزامی ہے تو جو اس پر مطلع ہو کر کتاب جس کی ہے اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے گا، کافر ہو جائے گا۔ جیسے قادیانی کہ نبوت کا مدعی تھا اور توہین و تنقیصِ خدا و انبیاء کا مرتکب۔ اس کے مریدین سب کافر مرتدین ہیں، کہ اسے بعض نبی جانتے ہیں، اور بعض مجدد مانتے ہیں۔ باوجودے کہ اس کی اس گندگی پر مطلع ہیں۔ خاکسار تحریک میں جو لوگ شامل ہوں، اگر سب اس تذکرہ کے اس کفر پر مطلع ہیں جو التزامی ہے، اور پھر اس تذکرہ والے کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک بھی کرتے ہوں تو خود اس کی طرح کافر ٹھہریں گے۔ اور اگر سب مطلع نہیں تو جو مطلع ہو کر اسے اپنا مقتدا جانے گا بلکہ اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں تردد ہی کرے گا کافر ہو جائے گا۔

خاکسار تحریک میں ہر قسم کے لوگ اگر شامل ہیں تو لا اقل گنہ گار تو ہیں کہ بدنہ ہوں سے میل جول

ناجائز ہے، ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا ناروا، ان سے سلام وکلام ممنوع۔

قال تعالى: ﴿وَأَمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (۱)

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اگر کوئی ایسی بات نہیں ہے تو جو مسلمان اس میں شریک ہیں وہ کسی کفر کے نہ مرتکب ہیں، نہ کسی کو اس کے کفر التزامی کے باوجود جو کل تاویل ہی نہیں، یا اس کے ایسے کفر پر جو معلوم ہو کہ اس نے کفر ہی کے لیے یہ قول کیا اسے مسلمان سمجھتے ہیں، تو ایسی لوگوں کو کافر کہنے والا جو بطور سب و شتم نہ کہتا ہو، بلکہ ان کے کفر کا معتقد ہو ان کی تکفیر کو حکم شرع جانتا ہو خود بحکم حدیث کافر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اگر اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر اس کی تکفیر کی جائے، تو جو شخص بے وجہ اس کی تکفیر کرتا ہے وہ تکفیر بحکم حدیث خود اس کی ناحق تکفیر کرنے والے پر لوثی ہے، اور اگر بطور سب و شتم کہتا ہے جب بھی سخت گنہگار، مستحق نار، حق اللہ اور حق العبد میں گرفتار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اگر اس شخص کا کفر و ارتداد بوجہ مقبول شرعی ثابت ہو گیا ہو، اس کا کلام ناقابل تاویل ہو تو اسے کافر مرتد بے اس کا بیان لیے کہا جائے گا۔ اور اگر قول پہلودار ہو تو اس سے پوچھا جائے گا، یہ کہنا بشرط صدور قول یا فعل ہوگا کہ وہ قول یا فعل اس سے صادر ہوا ہے تو حکم یہ ہے۔ رہا حکم قاضی تو قضا علی الغائب جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عنایت خاں مشرقی جس نے نماز، روزہ وغیرہ ضروریات دین کا انکار کیا وہ کافر و مرتد ہے

(۳۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

عنایت اللہ خاں مشرقی کی بابت جس نے اپنی تصانیف ”تذکرہ“ وغیرہ میں نماز، روزہ، حج، زکاۃ، کلمہ شہادت کے بنیاد اسلام ہونے سے انکار کیا ہے۔

تذکرہ ص: ۲۲۰ میں ہے کہ: یورپ کی قومیں اب بھی بدرجہا اچھی ہیں، ان میں ایفائے عہد کا خاص اہتمام ہے۔ آگے چل کر لکھتا ہے: اس لیے صحیح معنوں میں متقی و محبوب خدا ہیں۔

تذکرہ دیباچہ ص: ۱۹ پر ہے: ”وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی امت اسلام کے الہی اور نبوی

تخیل پر تیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی۔“

تذکرہ دیباچہ ص: ۹۱ ”قرآن کی الصلاۃ (نماز) صرف ایک نوکر کا بیچ وقتہ سلام ہے۔“ آگے چل کر کہتا ہے: ”مگر عبادت قطعاً نہیں۔“

تذکرہ دیباچہ ص: ۳۳ آج بھی الصلاۃ نماز وہی ہے جو وہی تکلیف دل، وہ نتیجہ خیز اطاعت، وہ ضبط نفس، وہ توقیت عمل، وہ اخوت اور موالات، وہ تعاون محافظت پیدا کر دے جو ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام میں مقصود تھی، محمدی نماز کے ظواہر و ارکان سے اس کو کچھ سروکار نہیں۔ اور جس طرح نتائج پیدا ہو جائیں اس کی نظروں میں بارگاہ خدا میں مقبول ہیں۔

”تذکرہ ص: ۹۰“ ادھر امتوں نے اپنے رہنماؤں سے ذاتی عقیدت اور نیاز مندی ظاہر کرنے کو اور حسب مطلب احکام کو ضرورت سے زیادہ اہم سمجھنے میں ناروا غلو کیا۔

”پھر ایک سطر بعد ہے: ”پھر لوگ انبیا کی وساطت سے خدائی قانون کی تعمیل کرنے اور ان کو ذریعہ علم سمجھنے کی بجائے ان کے پیچھے لگ گئے، فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے، مسلم بننے کے بجائے موسوی، گوتھی، عیسائی، محمدی بن گئے، انہیں کو سراہنا ان کو اپنے اعمال و افعال میں بت بنا لینا جزو دین جانا۔“ چار سطر بعد لکھتا ہے: ”عیسائی مسیح کو مچ سچ ابن خدا کہنے لگے۔ مسلمانوں نے ڈاڑھیوں تہدوں مسواکوں ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا، یہودی تسمیحوں کے پیچھے لگ گئے، بدھ چلہ کشی میں مصروف ہو گئے۔ گرنے نور آتش کو خدا سمجھ لیا۔ پھر حج، جاتری، نماز، زکاۃ، روزے، برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب رسم اور بے نتیجہ شعار ہو گئے۔“

تذکرہ ص: ۶۱ میں ہے کہ اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی، سب قولی اور اعمالی، سب اتباعی اور غیر اتباعی، سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں، سب کو علانیہ مٹانا چاہتا ہوں، سب مطیعوں اور مطاعوں، مرید و مرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل سمجھتا ہوں۔ اور عذاب آخرت کا مستوجب۔“

ایک قول اس کا مرقومہ ص: ۹۸ بھی قابل دید ہے کہتا ہے: ”اصل دین میرے نزدیک توحید ہے، اور توحید قلوب کے اندر پیہم بت شکنی کرتے رہنا ہے، یہی عبادت خدا ہے، صوم و صلاۃ، حج و زکاۃ کو رہنما، یا عادتاً، یا تعظیماً، ادا کر لینا، یا کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں۔“

تذکرہ حصہ عربی شروع کرنے سے پہلے لکھتا ہے:

”تهدية إلى الله عز وجل، رب إنني قد جئتک بشی غریب مما أتیتني من

لذک، وقلبی وحل إنسی راجع الیک فی یوم لا ریب فیہ، فتسئلنی عما فعلت، فتقبل منی، واصلح لی فی تدبری، وثبت به فؤادی، واجعل إفئدة من الناس تهوی إلیہ، فیعلموا أنه الحق منک، فتحت لك قلوبہم، رب واصلح المؤمنین واهدہم بنورک فی هذا کما اصلحتہم وهدیتہم من قبل، فإنہم قوم لا یعلمون، رب أخبرتنی إنہم لہا لکون من قریب فأتیتہم نبأ عظیم.

اللہ عزوجل کے نام۔ اے میرے رب میں تیرے لیے ایک عجیب چیز لے کر آیا ہوں جو تو نے مجھے اپنے پاس سے عطا فرمائی، اور میرا دل خوف زدہ ہے، بے شک قیامت کے دن میں تیری طرف لوٹنے والا ہوں تو تو مجھ سے اعمال پوچھے گا۔ لہذا میری طرف سے قبول فرما، اور میری فکر و تدبیر کی اصلاح فرما اور اس پر میرے دل کو ثابت رکھ، اور لوگوں کے دل اس کی طرف مائل کر دے، تاکہ وہ جان لیں کہ حق تیری طرف سے ہے اور ان کے دل تیرے لیے کشادہ ہو جائیں۔

اے رب اکبر مومنوں کی اصلاح فرما، اور انہیں اپنے نور سے اس میں ہدایت عطا فرما، اس لیے کہ وہ نادان قوم ہیں، اے اللہ تو نے مجھے خبر دی کہ وہ عن قریب ہلاک ہونے والے ہیں تو میں ان کے پاس بڑی خبر لے کر آیا۔ (مترجم)

نبأ عظیم کی تشریح اردو ص: ۵ پر کر کے لکھتا ہے: ”یہی اس نبائے عظیم کا لب لباب تھا جو محکمہ قضا و قدر کے آستانہ عالیہ سے نبیوں کو ملی، یہی سچی نبوت ہے، یہی انتہائے علم و خبر ہے، کمال کشف و اکتشاف ہے۔ اس علم کے بالمقابل ماسوا علم کا ہیج ہے۔“

از شہر کہنہ بریلی کانگریٹولہ مسؤلہ شمشاد علی خاں اور کمال الدین صاحب۔ محرم الحرام ۵۸ھ

الجواب

ان ناپاک اقوال میں بہت اقوال بدتر از ابوال وہ ہیں جو صراحتاً ہادوم اساس دین وایماں، نانی و منانی اسلام مومناں ہیں، جن میں کوئی تاویل دور کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کا قائل اور قابل یقیناً کافر قادیانی مرتد سے زائد اضر ا کفر۔ اس کے کفر و استحقاق عذاب میں اصلا شک و تامل کو راہ نہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، وہ مسلمانوں ہی کو کافر نہیں ٹھہراتا بلکہ خود اسلام کو معاذ اللہ کفر اور اپنے گڑھے ہوئے خود ساختہ تخیل کو نبائے عظیم اور سچی نبوت اور انتہائے علم و خبر کہتا ہے جس کے بالمقابل ماسوا کا علم ہیج بتاتا ہے۔ اپنی نبوت کا اشعار کرتا ہے، کفار کے صحیح معنی میں متقی اور محبوب خدا ہونے کا اقرار کرتا ہے، اسلام و مسلمین کے کفر و کفار ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم، والعیاذ باللہ تعالیٰ ربنا

الخبر العليم، وهو تعالى أعلم۔

تحریک خاکسار کے بانی مشرقی کی کتاب ’تذکرہ‘ کے اقوال خبیث اور کفر ہیں

(۳۲) مسئلہ:

علمائے دین کیا فرماتے ہیں عنایت اللہ مشرقی کی بابت اور اس کے اتباع کی بابت،

اس کی تحریک میں شامل ہو کر خاکسار بننے کی بابت؟

آج کل بریلی میں لوگ اس جماعت میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے اقوال اور اصلیت سے ناواقف ہیں۔ چند اقوال لکھ کر اس کے اور تبعین کی بابت حکم شرعی مطلوب ہے۔

تذکرہ صفحہ اول میں تہدییہ الی اللہ کے ضمن میں عربی عبارت لکھتا ہے:

”رب أخبرتني إنهم لها لكون من قريب فأتيتهم نبأ عظيم.“

اے میرے رب تو نے مجھے خبر دی کہ وہ ہلاک ہونے والے ہیں، تو میں ان کے لیے ایک بڑی

خبر لایا۔ (مترجم)

پھر دیباچہ کے ص: ۵ پر لکھتا ہے:

”یہی اس نبائے عظیم کا لب لباب تھا، جو حکمہ قضا و قدر کے آستانہ علیہ سے نبیوں کو ملی اور یہی سچی

نبوت ہے، یہی انتہائے علم و خبر ہے، کمال کشف و اکتشاف ہے۔ اس علم کے بالمقابل سب سوا کا علم ہیچ ہے۔ سب کمتر معاملوں کی خبر ہیچ ہے۔“

دیباچہ تذکرہ ص: ۹ پھر لوگ انبیا کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کرنے اور ان کو ذریعہ علم

سمجھنے کی بجائے ان کے پیچھے لگ گئے، فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے اور مسلم بننے کی بجائے

موسوی۔ گوتمی۔ عیسائی اور محمدی بن گئے، اور ان کو سراہنا، ان کو اپنے اعمال و افعال میں بت بنا لینا جزو دین

جانا۔

”پھر دو تین سطر بعد لکھتا ہے: ”عیسائی سچ سچ ابن خدا کہنے لگے، مسلمانوں نے ڈاڑھیوں،

تہدوں، مسواکوں اور ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا۔ پھر دو سطر بعد لکھتا ہے، پھر حج جا تری نماز، زکاۃ،

روزے، برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب رسوم اور بے نتیجہ شعار ہو گئے، الخ تذکرہ ص: ۱۱

، نبی آخر الزماں علیہ السلام کا واحد صحیح نظر روئے زمین پر غلبہ حاصل کرنا اور امت عرب کو بقا و دوام کی

معراج پر پہنچانا تھا، یہی ان کے مبعوث ہونے کی واحد اور صحیح غرض تھی۔

تذکرہ ص: ۷۵ کوشن علیہ السلام

تذکرہ ص: ۴۸ اگر آج اسلام کسی بڑی بڑی پگڑیوں والے مولوی حضرات، یا گزگز بھر لمبی داڑھیوں والے فقیہوں کی کم نگہی کے باعث مسواکوں اور ڈھیلوں، استجاؤں، پانچاموں، عماموں اور داڑھیوں کے اندر گھس چکا ہے، اگر اس کی اشد شدید حکمت اور مبلغ علم حیض و نفاس کے مسئلوں، گردن مروڑی مرغیوں کی تشریحوں، آمین بالجبر اور رفع یدین کی بحثوں پر ختم ہو چکے ہیں، الخ۔

تذکرہ ص: ۹۱ قرآن کی الصلاۃ ”صرف نوکر کا بیچ وقت سلام ہے“۔

چار سطر بعد لکھتا ہے ”مگر عبادت قطعاً نہیں۔“

تذکرہ ص: ۹۲ ”ایسی عبادت وقت اور مقام، قوموں اور قعدوں، رکعتوں اور رکنوں سے قطعاً مستثنیٰ ہے، فجر، ظہر، عصر اور مغرب و عشا۔ یا اشراق سے اس کو کچھ واسطہ نہیں، یہ ایک پیہم اور مسلسل عمل ہے، چند لمحوں تک کھڑا ہونا، یا بیٹھ جانا اس کو ادا کرنے کا اسلوب نہیں، قرآن کی بتائی ہوئی الصلاۃ اگر کسی معنوں داخل عبادت ہے تو اس لیے کہ یہ بھی ادب بیسوں حکموں میں خدا کا ایک حکم ہے“۔

تذکرہ ص: ۹۸، پس اصل دین میرے نزدیک توحید ہے، اور توحید قلوب کے اندر پیہم بت شکنی کرتے رہنا ہے۔ یہی عبادت خدا ہے، صوم و صلاۃ، حج و زکاۃ کو رسماً، عادتاً، یا تعظیماً ادا کر لینا، یا کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں۔“

تذکرہ ص: ۹۹، ”پتھر کی رسماً پرستش، یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم، یا فرد کے عابد خدا۔ یا۔ عابد ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے مشرک۔ یا۔ موحد ہو جانے کا معاملہ طے نہیں ہو سکتا“۔ فقط۔

از شہر کہنہ محلہ روہیلی ٹولہ محمد رضا خاں صاحب۔ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۵۸۔

الجواب

یہ تیسرا سوال مشرقی کے اقوال بدتر از ابوال اور اس کے زبوں حال پر ملال بدآمال سے متعلق آیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے غالباً ہر سوال میں نئے نئے اقوال پیش ہوئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتاب ایسے ہی خبیث اقوال کا خزانہ ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کے اقوال اسلام کو کفر، کفر کو اسلام ٹھہراتے ہیں۔ ایمان کو از نیج برکنہ کرتے اور مشرقی کے گڑھے ہوئے، بے ڈول، لائق ہزار نفریں ولا حول، مذہب کو از نام اسلام پیش کرتے ہیں، مسلمانوں کو کھلا کافر، بت پرست، مشرک بتاتے۔ اتباع و اطاعت انبیا کو شرک، بت پرستی سمجھانے ہیں۔ ان میں ارکان اسلام و شعائر دین، سنن سید المرسلین کے

ساتھ استہزاء، ان کی توہین مبین ہے۔ عبادتوں کے عبادت ہونے سے انکار۔ اسلام و مسلمین و علمائے دین و احکام شرع متین پر بے طرح بوچھاڑ ہے۔ اس کی کتاب میں ایسے اقوال ہیں جن کی کوئی تاویل صحیح نہیں ہو سکتی۔ جن پر مطلع ہو کر قائل کے کفر و عذاب میں شک و ارتباب موجب کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ جو لوگ اس کے ان اقوال پر مطلع نہیں ہیں، اس کی جماعت میں شریک ہو گئے ہیں ان پر ابھی الزام نہیں۔ ہاں مطلع ہو کر پھر اس کی جماعت میں شریک رہیں گے، تو ملزم ہوں گے۔ اور اس کے کفر و استحقاق عذاب میں بعد اطلاع شک کریں گے تو خود اسلام سے خارج ٹھہریں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ دین کی اصل صرف توحید ہی مانتا ہے، پھر عقل کا پتلا صرف جڑ ہی کو درخت جانتا ہے۔ اسلام کے شعائر و ارکان و احکام کا مضحکہ اڑاتے، ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے کہتا ہے: ”آج اسلام (تا) ختم ہو چکے ہیں“۔

اس کا خود ساختہ خود تراشیدہ مذہب جسے یہ اسلام بتاتا ہے، وہ بھی تو ان سے معرانا ہوگا۔ اثباتاً و نفیاً کچھ تو ان امور کے لیے کہتا ہوگا۔ اور خود اس کا دل بھی۔ تو کیا اس کے طور پر کوئی اور بھی ایسا کہہ سکتا ہے، کہ مشرقی کا اسلام اس کے اور اس کے تبعین کی شرم گاہوں میں گھس چکا ہے، کہ انہیں ڈھیلے سے صاف کریں، یا پانی سے یا کپڑے سے یا کاغذ سے، یا یوں ہی لتھڑا رکھیں۔ یہ لوگ اور ان کی عورتیں قبل جماع بحال جماع بعد جماع یہ کریں، یہ نہ کریں۔ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں یا نہ رکھیں۔ ہر ایک کے لیے، یا خاص خاص کے واسطے، یا کسی ایک شخص کے لیے انہیں برائے استمتاع پیش کیا کریں۔ انہیں چھپائیں یا کھلا رکھیں، ہر ایک کو دکھائیں۔ موئے زریں ناف رہنے دیں یا صاف کریں۔ کریں تو کب کتنے کتنے دن بعد اور کس طرح کس کس چیز سے۔ حیض و نفاس والیاں کیا کیا کریں، ان کے ساتھ کیا کیا جائے، کیا نہ کیا جائے۔ اگر اس کا خود ساختہ دین اس سے بالکل معرابطہ غلط ہو تو کیا اس کے دین کو کوئی ایسا کہہ سکتا ہے کہ اس کا دین، اس کی بی بی، ماں، بیٹی، بہن، بھتیجی، پھوپھی، خالہ، بھانجی، اور ہوتی سوتی کی اگلی پچھلی اور خود اپنی شرم گاہوں میں گھس چکا ہے؟ اپنے تبعین کی مقعدوں اور فرجوں میں دھنسا ہوا ہے؟ زنا و لواطت اور حیض و نفاس اور بول و براز کی نجاست میں پڑا ہے۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ خدا سے اور اس کے تبعین، اس کے اقوال کے قبول کرنے والوں کو توبہ کی توفیق دے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی نے درخواست وغیرہ کسی تحریر میں اپنا کافر ہونا ظاہر کیا تو وہ کافر ہے

(۳۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
میاں بیوی کی ناچاقی بہت تھی لیکن تصور اس میں خاوند کا تھا، وہ تصور یہ تھا کہ ایک بچے کو اس کی ماں سے جو شیر خوار تھا لے گیا، اور اس کا پتہ نہیں دیا، ان لوگوں نے ریٹ درج کرادی، تب بھی وہ لڑکے کو نہیں لایا، اس معاملہ کے اندر اس قدر نا اتفاقی ہوئی کہ لڑکی نے دعویٰ دائر کر دیا، اور اس کے بعد جب وہ کچھری میں حاضر نہ ہوا تو لڑکی نے کچھری میں اپنے آریہ ہونے کی درخواست دی۔ درخواست کچھری سے منظور ہوئی اور حکم صادر ہوا، کہ تم کو اپنے فعل کا اختیار ہے، اب اسی مضمون پر آ کر اس شخص نے اس کو طلاق دے دی، آریہ وہ نہ ہوئی بلکہ مسلمان ہی رہی اور اب تک ہے۔ اب اس صورت میں طلاق اس کو جائز ہوئی یا نہیں ہوئی؟، شریعت مطہرہ کے مطابق کیا حکم ہے؟

ازدہلی سرانے توپ خانہ مرسلہ مولوی محمود حسن صاحب، ۲۷ شوال ۱۳۵۶ھ۔

الجواب

عورت اپنی اس درخواست کی بنا پر اسلام سے خارج ہوگئی، اس پر توبہ و تجدید ایمان فرض ہے۔
مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر میں فرمایا:

”من أضمرك الكفر أو هم به فهو كافر، ومن كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالإيمان فهو كافر، ولا ينفعه مافي قلبه؛ لأن الكافر يعرف بما ينطق به بالكفر، فإذا نطق بالكفر كان كافراً عندنا وعند الله تعالى“ (۱)

جس نے دل میں کفر چھپایا۔ یا کفر کا ارادہ کیا تو وہ کافر ہے، اور جس نے خوشی خوشی زبان سے کفریہ کلمہ بکا حالاں کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا وہ کافر ہو گیا اور اس کا اطمینان قلبی اسے نفع نہ دے گا، اس لیے کہ کافر کو اس کے کفریہ کلمات کی وجہ سے کافر سمجھا جاتا ہے، پس جب اس نے کفریہ کلمہ کہہ دیا تو وہ عند اللہ اور عند الناس کافر ہو گیا۔ (مترجم)

(۱) [التوسط والاقتصاد: باب (۲۸) ۱/۴۴]

[مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: باب الصبي العاقل إذا ارتد، ۱/۶۸۸]

اسی میں ہے:

”إذا عزم بالكفر بعد حين يكفر في الحال لزوال التصديق المستمر.“ (۱)

جب کسی نے ایک مدت کے بعد کفر کرنے کا ارادہ کر لیا تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا، کیوں کہ

اس کی وہ تصدیق ختم ہوگئی جس میں دوام واستمرار تھا۔ (مترجم)

عالمگیر یہ وغیرہ بائیں ہے:

”القلم احدى اللسانين.“ (۲)

قلم بھی ایک زبان ہے۔ (مترجم)

جب تک وہ تجدید ایمان نہ کرے اس کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا۔

لأنها مرتدة، ولا يجوز نكاح المرتد والمرتدة مع أحد. كما صرح به في

العالم گیریة وغیرها۔“

اس لیے کہ وہ مرتدہ ہوگئی اور مرتد و مرتدہ کا نکاح کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتا، عالم گیری وغیرہ میں

اس کی صراحت ہے۔ (مترجم)

اس بارے میں کہ عورت کے کفر سے نکاح پر کیا اثر ہوتا ہے۔ تین روایتیں ہیں۔ ایک ظاہر

الروایۃ کہ فسخ عاجل ہوتا ہے۔ مگر وہ توبہ و تجدید ایمان کے بعد شوہر ہی سے تجدید نکاح باقل مہر پر مجبور کی

جائے گی، راضی ہو یا ناراض۔

دوسری روایت نوادر، اس میں بھی فسخ عاجل ہے۔ اور یہ کہ عورت باندی ٹھہرے گی۔

تیسری روایت یہ ہے کہ عورت کی ردت سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوتا، وہ بدستور اس کی بی بی رہتی

ہے۔ تجدید ایمان کرائی جائے گی۔

قال تعالیٰ: ﴿بيده عقدة النكاح﴾ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

حسماً لباب الفتنة۔ فسخ نکاح و بیذونت کا حکم نہ ہوگا۔

آج اسی روایت پر فتویٰ ہمارے نزدیک واجب، اس مسئلہ کی تفصیل و تحقیق واضح، اور تینوں

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: باب الصبي العاقل إذا ارتد، ۶۸۸/۱]

(۲) [رد المحتار: فصل في البيع، ۴۱۰/۶]

[الفتاوى الفقهية الكبرى: باب المبيع قبل قبضه، ۲۵۸/۲]

روایتوں میں صورت تطہیق ہمارے فتاویٰ میں ہے۔ پہلی دوسری روایت جن میں حکم فسخ نکاح ہے۔ ان پر بھی اگر فتویٰ ہو تو بھی اس طلاق کے وقوع کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت عدت کے اندر ہو۔
مجمع الأنهر میں ہے:

”إن النكاح لما انفسخ بالردة كانت المرأة معتدة فإن طلقها يقع.“ (۱)
بے شک نکاح جب ارتداد کی وجہ سے فسخ ہو گیا تو عورت عدت گزارے گی، پس اگر اس نے طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (مترجم)
اور جب کہ تیسری روایت ماخوذ ہوئی تو ظاہر ہے کہ طلاق ہوگئی، اگرچہ کتنے ہی زمانہ کے بعد دی ہو کہ جب فسخ ہی نہ ہو تو عدت کیسی؟
برجندی میں ہے:

”قال الفقيه أبو القاسم الصفار والفقيه أبو جعفر وبعض أئمة سمرقند: إن ردة المرأة لا يوجب البينونة الخ.“ (۲)
فقہ ابو القاسم صفار، ابو جعفر اور بعض ائمہ سمرقند نے کہا ہے کہ عورت کے ارتداد سے تفریق ثابت نہیں ہوتی۔ (مترجم)
خانیہ (صہ) میں فرمایا:

”منكوحه ارتدت: والعياذ بالله تعالى- حكي عن أبي نصر وأبي القاسم الصفار أنهما قالاً: لا يقع الفرقة بينهما حتى لا تصل إلى مقصودها الخ. واللّه تعالى أعلم“

منکوحہ معاذ اللہ مرتدہ ہو جائے تو ابو نصر اور ابو القاسم صفار سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ زوجین میں فرقت واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ عورت اپنے مقصود کو نہ پہنچ جائے۔ (مترجم)

(۱) [مجمع الأنهر: باب نكاح المرتد، ۱/۶۸۳]

(۱) [بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: فصل فی بیان ما یخرج به الوکیل، ۶/۳۸]

دہریوں کی مذہب سے آزادی کی تحریک میں شرکت کرنے والے مسلمان نہیں

(۳۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

سرزمین ہند میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ جو یہ کہتا کہ: ہندوستانیوں کو اب مذہب سے آزاد ہو جانا چاہیے، خواہ کوئی سا مذہب رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مذہب ہی بنی نوع انسان میں جھگڑوں اور تباہی کا باعث ہے۔ حالاں کہ اس گروہ میں جس قدر ہنود ہیں، وہ اپنے قدیمی مذہب کی بقا و قیام اور ترقی کی بیش از بیش کوشش کر رہے ہیں، اور ان کو اپنے قرون سابقہ کی معراج تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس گروہ کا یہ بھی خیال ہے کہ زمین داری کو رفتہ رفتہ یا ایک قلم منسوخ کر دیا جائے، اور جاگدادوں پر کاشت کاران یا گورنمنٹ کا غاصبانہ قبضہ کر دیا جائے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سرمایہ داروں کا روپیہ ضبط کر لیا جائے، اگر ان کا روپیہ کسی مقروض پر آتا ہے تو قرض کو اصل اور سود سے منسوخ کر دیا جائے۔ اس گروہ کا یہ بھی خیال ہے کہ موجودہ نظام تمدن کو چاہے وہ کسی قوم و فرقہ کا ہو، اس طور پر جبراً و کلیتہً درہم برہم کیا جائے کہ انقلاب پیدا ہو کر موجودہ نظام حکومت فنا ہو جائے۔

حالاں کہ اس گروہ کے دوش بدوش اور اس سے اشتراک عمل کرتا ہوا ہنود کا وہ گروہ بھی شامل ہے جو اس انقلاب سے فائدہ اٹھا کر قدیم تمدن ہنود کو مع اپنے تمام بت پرستانہ اور اوہام پرستانہ ذہنیت کو قائم کر دینا چاہتا ہے، یہاں تک کہ گوشت خور قوم کو اپنے شعاع قومی سے ترغیباً یا جبراً باز رکھنا چاہتا ہے، اور گائے کو دیویت کے تخت پر دوبارہ بٹھالنا چاہتا ہے، ان تحریکات کے کچھ مدد و معاون وہ لوگ ہو گئے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے چلے آ رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس سے مسلمان کے مذہب اور تمدن یا معاشرت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ گروہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ اشتراک عمل کی پیہم دعوت دے رہا ہے، مگر مسلمین کا سواد اعظم ان تحریکات کے سخت خلاف ہے، اور اپنے آپ کو ان کے مقابلہ کے واسطے منظم کر رہا ہے، مگر اول الذکر قلیل گروہ مسلمین کا اس سواد اعظم کو ملک اور انسانیت اور ترقی کا دشمن بنا رہا ہے۔ شرعی ارشادات ان مسائل پر کیا ہیں اور مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

از رام پور محلہ گھیر میاں ضیاء النبی صاحب مسئلہ سید محمد عبداللہ شاہ صاحب بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ۔

الجواب

دہریوں اور اباحیوں کا وجود آج نہیں عرصہ دراز سے ہے۔ یہ لوگ ابلیس کے ایجنٹ، شیطان کے

وکیل، شیطانیت کے پروپیگنڈہ کرنے والے ہیں۔ انہیں اللہ ورسول۔ جل جلالہ وسلم علیہ وسلم۔ سے کوئی علاقہ نہیں۔ جیسے ان کے پیر و استاد ابلیس لعین کو۔ ان بد عقلوں نے خطوات شیاطین کا اتباع کیا۔ ابلیس کے نقش قدم پر چلے تو دین و دیانت ہی کو پیٹھ نہ دی، بلکہ عقل کو بھی۔ حیا و شرم وغیرت کو بھی۔ واقعات، محسوسات، مشاہدات جن سے روز روشن کی طرح روشن کہ دین و مذہب کے اتباع ہی سے دینی دنیوی ہر قسم کی ترقیاں ہوتی ہیں۔ اور جس قوم نے دین حق کی پیروی سے روگردانی کی ہے وہ ہی قعر مذلت میں گری، اور خصیص تنزل میں پڑی:

گر نہ بیند بروز شپہرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

یہ نمائشی آنکھیں رکھنے والے حقیقۃً حقیقی بینائی سے محروم، دل کے اندھے، اس پاگل اندھے کی طرح ہیں جو خاص دوپہر کو جب کہ آفتاب بروجہ کمال روشن و آشکارا ہوا، آفتاب کے وجود کا انکار کرے۔ نابینائی کے سبب اسے دیکھ نہ سکے، اور پاگل پن کی وجہ سے کسی اور طرح بھی اس کے وجود کو محسوس نہ کر سکے۔ جیسے اس پاگل اندھے کے احساسات باطل ہو گئے جو آفتاب کے وجود سے انکار کرے یوں ہی ان نابیناؤں کے احساسات باطل ہیں، جو ایسا جکتے ہیں۔ آج مسلمان کروڑوں ہیں، اور آج سے تیرہ سو برس پہلے کتنے تھے؟ ان نابیناؤں کی آنکھیں چیر کر ان کے کان کھول کر تاریخ ہی کے اوراق دکھاؤ سناؤ۔ جب تک مسلمان دین حق کی بروجہ کمال پیروی اور تعمیل احکام کرتے رہے، روز افزوں دن دونی رات چوگنی ترقیات کرتے رہے۔ دین حق کی پیروی سے اس معراج ترقی پر پہنچے جہاں تک کوئی قوم نہ پہنچی۔ مسلمانوں کے خون کے پیاسے، مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو سب کے دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے آئے۔ اور آج تک برابر مان رہے ہیں۔ و الفضل ما شہدت بہ الأعداء۔ (۱)

جب سے مسلمانوں میں سستی آئی، احکام دین حق پر عمل میں تکاسل پیدا ہوا۔ جب ہی سے ان کی ترقیاں بند ہوئیں، نہ صرف یہ بلکہ روز بروز انحطاط و تنزل ہو رہا ہے جتنی جتنی مذہب سے دوری ہوتی جا رہی ہے۔ خدا مسلمانوں کی آنکھیں کھولے، وہ قوم جو جاہلیت میں جہالت کا پیکر تھی، وحشت کا مجسمہ تھی، آن کی آن میں ایسی مہذب ہوئی کہ ہادی و مہذب بن گئی۔ ساری دنیا میں جس کی تہذیب کا ڈنکا بج گیا۔ بحر و بر میں جس کی اعلیٰیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ وہ قوم جو کنگال تھی، لوٹ مار اور طرح طرح کے ظلم و جفا کی خوگر تھی، جوڈاکتھی اور سلطنت کی دشمن۔ انہیں دہریوں اور باحیوں کی طرح سلطنت سے دیکھتے دیکھتے دنیا

بھر کی بادشاہت ان کے قدموں پر نثار ہوئی، اور اس کے پاؤں چومنے لگی۔ اس قوم کی خلافت سلطنت سے بہت اعلیٰ چیز بھری جس سے وہ قوم نہ صرف بادشاہ بلکہ شہنشاہ تاج بخش بادشاہوں کی ہوئی۔

اس موضوع پر کچھ زیادہ لکھنے کی حاجت بھی نہیں، اور فقیر کو فرصت بھی نہیں۔ جو لوگ مسلمان نام رکھ کر اس دہریت اور اس اباحت کے حامی ہیں، وہ محض نام کے مسلمان ہیں، درحقیقت دہریہ اباحیہ ہیں۔ اگر وہ لوگ توبہ نہ کریں مسلمان محض ان کے اسلامی ناموں کی بنا پر مسلمان نہ سمجھیں۔ محض نام یا گائے کا گوشت کھانا مسلمان نہیں بناتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس ملعون تحریک سے مذہب کا کچھ نقصان نہیں وہ اس پاگل کی طرح ہیں جو قلعہ کی درو دیوار ڈھاتا جاتا ہے، اور بکتا جاتا ہے کہ اس سے قلعہ کو کوئی نقصان نہیں۔ حدود البیہ کو توڑو، دائرہ دین کو مٹاؤ، اور بکے جاؤ کہ اس سے دین و مذہب کو خطرہ نہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ ان ہی دہریوں اباحیوں کی جماعت کا نام آج کل بوشو یک ہے، جو اس بوشو یک تحریک کا حامی ہے، اسے اسلام سے کوئی علاقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہنود کے مذہبی جلوس میں شرکت اشد حرام اور رشتہ اتحاد قائم کرنا کفر

(۳۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اس کے متعلق کہ ایک جلوس راج گدی کا اہل ہنود نکالنا چاہتے ہیں، جس میں ہندو اتاروں کی صورت میں انسان بٹھائے جاتے ہیں، اور مجمع عام اہل ہنود کا اس کے ساتھ ہوتا ہے، مسلمانوں سے اصرار کیا جاتا ہے، کہ وہ بحالی امن اور رشتہ اتحاد مضبوط کرنے کے لیے اس جلوس کی جلو میں چلیں، اگر مسلمان اس جلوس کے ساتھ چلتے ہیں تو لازمی طور پر اس سے راج گدی کے جلوس کی زینت اور شہرت میں اضافہ ہوتا ہے، کیا اس حالت میں مسلمان بلا ارتکاب گناہ کیے ہوئے اس جلوس کی معیت میں چل سکتے ہیں؟ اور اگر نہیں چل سکتے تو گناہ جو ان سے سرزد ہوگا، وہ کس درجہ کا ہوگا؟۔ بینوا توجروا۔
از بریلی محلہ قلعہ مرسلہ مولوی عزیز احمد خاں وکیل۔

الجواب

اس کے حرام حرام حرام، اشد حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ کفار کے ایسے کاموں کے محض تماشہ کے لیے وہاں چلنا تو حرام ہے۔ نہ کہ رشتہ اتحاد قائم کرنے کے لیے۔ کفار سے رشتہ اتحاد کفار ہی کا ہے، مسلمان کا کسی کافر سے رشتہ اتحاد قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کا مضبوط کرنا کیسا۔ جو لوگ اس نیت سے شریک

ہوئے وہ ضرور کفار سے متحد ہو گئے، اسلام سے جدا۔ ایسے امور کفار کے جلوس میں شرکت ہی نہیں اس کے جلوس میں چلنا ان کی تعظیم ہے، اور ان کے ایسے امور کی تعظیم سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم۔ چاہے یہ تعظیم خود کی ہو یا حکماً۔ آج اگر کسی حاکم کا حکم اس کے لیے مان لیا گیا اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھ لیا ہے تو کل بتوں کو سجدہ کا بھی حکم ہوگا، اور ایسے بے خرد لوگ جب بھی تعمیل حکم کریں گے، اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھیں گے۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

یہی لوگ ہیں جنہوں نے ایسی کمزوریاں نمایاں کر کے اسلام کو نظر کفار میں معاذ اللہ ذلیل کیا ہے۔ کل کافران سے یہی چاہیں گے کہ امن اور رشتہ اتحاد کو مضبوط کرنے کے لیے ہمارے ساتھ ان ان کفروں میں ہماری موافقت کرو، ہمارے ساتھ بتوں کو سجدہ کرو، اور گلہری پوجو، اور مہادیو کے آگے ڈنڈوت بجلاؤ وغیرہ وغیرہ۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو امن نہ رہے گی، مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں گے، یہ ہوگا وہ ہوگا۔ تو یہ کافروں سے رشتہ اتحاد کرنے والے، اسلام کو کافروں کے آگے معاذ اللہ ذلیل و رسوا ٹھہرانے والے، وہ سب کچھ کریں گے جس جس کے کرنے کا انہیں حکم ہوگا۔ کذاب مخالفین جنہیں اللہ و رسول۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کا ڈر نہیں ہمارے لیے تو یہ نجس پروپیگنڈہ کرتے ہیں، کہ ان کے یہاں کفر کی مشین ہے جس میں دن رات ایسے فتوے ڈھلتے ہیں جس سے کوئی مسلمان محفوظ نہیں رہتا، یہ ہر ایک کو کافر بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ہم پر ان کذابوں کا بدترین افترا ہے، خود ان مخالفین ہی کا اپنا یہ حال ہے جو بالکل ظاہر ہے۔ بالکل واضح بے پردہ۔ مگر چوں کہ عوام کو ایسا دھوکہ دیتے ہیں اس لیے ہم مخالفوں کا منہ بند کرنے کے لیے مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کے فتاویٰ سے ایسے لوگوں کا حکم لکھتے ہیں: ان کے یہاں تو تکفیر کی مشین مخالفین نہیں بتاتے: فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب میں ہے:

”ایسے لہو و لعب کفار میں اہل اسلام کو شریک ہونا حرام ہے، بلکہ ان کی موافقت درضا موجب کفر ہوتی ہے۔“

حدیث میں وارد ہے: ((من کثر سواد قوم فہو منہم)) (۱)

جس نے کسی قوم کی تعداد بڑھائی تو وہ انہی میں سے ہے۔ (مترجم)

اور خزائنہ الروایات میں ہے:

”في الفصول قال الشيخ أبو بكر الطرخاني: من خرج إلى السدة فقد كفر؛

لأن فيه إعلان الكفر. وعلى قياس مسألة السدة الخروج إلى نيروز المحوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم من المسلمين كفر، وكذا الخروج إلى لعب كفره الهند في اليوم الذي يدعونه بسرتهى، والموافقة معهم فيما يفعلونه من تزئين البقور والأفراس والذهاب إلى دور الأغنياء يلزم أن يكون كفر، وكذا الخروج في ليلة تلعب فيها كفره الهند بالنيران والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اه.

فصول میں ہے، شیخ ابوبکر طرخانی نے فرمایا: جو شخص میلہ (دسہرہ) گیا تو وہ کافر ہو گیا، اس لیے کہ اس میں اعلان کفر ہے۔ اور میلہ پر قیاس کرتے ہوئے مجوسیوں کے نیروز کو جانا اور ان کے اس دن کے معمولات میں ان کا شریک ہونا، کفر ہے۔ اسی طرح کافروں کے کھیل کی طرف جانا اس دن جس دن کو پیرانی کا نام دیتے ہیں اور ان کے معمولات میں ان کا شریک ہونا مثلاً۔ گائے اور گھوڑا سجانا اور مالداروں کے گھر جانا یقیناً کفر ہوگا، اور اس رات نکلنا جس میں ہندوستانی کافر آگ سے کھیلتے ہیں اور ان کے کھیل میں ان کا ساتھ دینا بھی کفر ہے۔ (مترجم)

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

”الخروج إلى نيروز المحوس، والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم، وأكثر ما يفعل ذلك من كان أسلم منهم فيخرج ذلك اليوم، ويوافق معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم فيصير بذلك كافراً ولا يشعربه. اه“ (۱)

مجوسیوں کے نیروز (میلہ) میں جانا، اور ان کے اس دن کے معمولات میں موافقت کرنا اور زیادہ تر یہ کام وہ کرتے ہیں جو لوگ انہی میں سے ایمان لا چکے ہوں تو جوان کی طرف نکلتا ہے، اور اس دن کے معمولات میں ان کا ساتھ دیتا ہے اور ان کے ساتھ شریک ہوتا ہے، تو وہ اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور اس کو محسوس تک نہ ہوگا۔ (مترجم)

اسی میں اس سوال کے جواب میں ”زید خالد بکر عمرو یہ چار شخص صاحب ریش کلاں، شریف صورت اگر نوکری نزد برہمن قبول کریں وبعده امور ذیل کے مرتکب ہوں، اول جب کہ برہمن بیٹھا ہو اور زید بکر وغیرہ بھی دربار عام نام پردہ میں بیٹھے ہوں، اور بت موسومہ ٹھا کر کو ایک برہمن پوجیری چاندی کے طشت میں لاوے تو برہمن مذکور سر و قد اٹھ کر تعظیم پیشگی کرے، زید بکر بھی بخوف ناخوشی و سوائے ادبی

و برخواستگی خود و بخمال اس کے کہ ستاخی ہوگی، اور بے ادب کہلاؤں گا اور مشاہرہ بند ہو جائے گا، ساتھ ہی بنظر تعظیم بر مذکور اٹھ کھڑا ہو۔

دوم:- برہمن مذکور بروز تولید خود مجلس جشن برقص زنان بدکار بحضور بت قائم کرتا ہے، تو حکم دیتا ہے کہ نوکراں ہمارے آن کر شریک نوروز ہوں۔ اور اگرچہ ہم زیب انجمن نہ ہوں مگر ہر ایک نوکران حاضر ان مجلس پر ہمارا حکم ہے کہ حسب دستور بت پرستی جب سامنے آوے، یا بت کا پوجا ہو تو سب کے سب حاضران اٹھ کھڑے ہو کر بت کی تعظیم کریں۔ چنانچہ یہ دستور بت پرستی برہمن مذکور و تعظیم و تکریم ہمیشہ سے جاری ہے، پس زید بکر اکثر بہ تعمیل حکم زینت بخش مجلس مذموم رہتے ہیں، باوجودیکہ برہمن مذکور نہیں رہتا ہے۔ زید بکر خود بخود دستور العمل بت پرستی نام پر وہ یکبارگی فی الفور سب کے سب حضار مجلس بت کی اٹھ کر تعظیم کرتے ہیں، اور جب بت کی پوجا ہونے لگتی ہے تو با ادب پیش بت جشن مذکور میں تعظیماً کھڑے رہتے ہیں۔ بخوف برخواستگی روگرداں ہو کر علاحدہ ہو نہیں سکتے۔ بطمع زر کھڑے رہتے ہیں۔

سوم: جب کہ بت مذکور ایک بت کدہ سے دوسرے بت خانہ میں پہنچایا جاتا ہے، تو بڑی تیاری سے مثل اقوام ہند برہمن مذکور بت کے پیچھے پیچھے پایادہ جاتا ہے، اور تمامی زید و بکر کو یہ حکم عام رہتا ہے، کہ اس وقت خوش پوش ہو کر جلوس میں پیچھے پیچھے بت کے تادر بت خانہ چلیں۔ چنانچہ زید بکر وغیرہ بغرض تحصیل مشاہرہ خود بفراموشی وعدہ ”فسی السماء رزقکم وما من دابة الخ“ بخوشی ان افعال کو بجالاتے ہیں۔

چہارم:- برہمن مذکور کے تعمیل حکم کو مقدم سمجھ کر جان کر روزمرہ اذان سن کر جماعت میں نہیں آتے اور جمعہ کے روز جان بوجھ کر کہ آج جمعہ ہے حکم:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ (۱)

اے ایمان والو! جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ (مترجم)

سے روگرداں ہو کر تارک جمعہ ہو کر یہ عذر کرتے ہیں کہ رزق کا معاملہ ہے۔ ”حکم حاکم مرگ مفاجات“۔ بوجہ مجبوری انجام امور اسلام نہیں کر سکتے ہیں۔ بہ ظہور امور حیات کفر متذکرہ صدر جب کہ زید بکر استعمال کلمات رد کفر سے غافل و سالہا سال موجبات کفر پر مصر رہیں، تو ان سب کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے یا نہیں، وہ طمع زر زید بکر جان بوجھ کر باز نہ آویں تو کافر اور بیوی ان کی نکاح سے

باہر ہوئی یا نہیں، اور بہ نسبت اولاد کے کیا حکم ہے؟۔

فقہائے کرام کتب فقہ میں ایسی صورت میں کہ اس میں تحسین اعمال کفار اور شرکت افعال کفار اور موافقت ان کی عبادت کی ہو کفر حکم کفر لکھتے ہیں۔ اور جو شخص مرتکب ایسے امر کا ہو جس کا سوال میں ذکر ہے اس پر حکم لزوم تجدید ایمان و تجدید نکاح دیتا ہے۔

خزانة الروایات میں ہے: ”في الفصول قال الشيخ ابو بكر الطرخاني: من خرج إلى السدة فقد كفر؛ لأن فيه اعلان الكفر اه.“

اگر ان لوگوں میں ایسا بھی کوئی ہو جسے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عقیدت کی سعادت حاصل تھی، اور اب بھی باقی ہے، تو اس کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتویٰ بھی حاضر۔ بعض فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ”دسہرہ کی شرکت حرام ہے بلکہ فقہانے اسے کفر کہا (الیٰ ان قال) بحر الرائق میں ہے:

”یکفر بخروجہ الیٰ نیروز المجوس لموافقته.“ (۱)

اس کی تکفیر کی جائے گی نیروز کو جانے کی وجہ سے، کیوں کہ وہ اس کی موافقت کر رہا ہے۔

(مترجم)

آخر میں ان دونوں فتوؤں کی تائید میں ایک عبارت شرح فقہ اکبر کی فقیر بھی پیش کرتا ہے۔ زیادہ نہیں صرف ایک سطر:

”من خرج إلى السدة أي مجتمع أهل الكفر في يوم النيروز كفر، لأن فيه

إعلان الكفر و كأنه إعانتهم عليه“ (۲)

جو کافروں کے میلہ میں گیا نیروز کے دن اس کی تکفیر کی جائے گی اس لیے کہ اس میں اعلان کفر

ہے، اور گویا کہ یہ ان کے کام میں ان کی مدد کرنا ہے۔ (مترجم)

محض تماشائی کی حیثیت سے جانے کا تو یہ حکم ہے۔ کفری جلوس کی پیشوائی اور کافروں سے اتحاد

وسگائی پر خداے جبار و قہار کی کس قدر راشد ترین لعنت ہوگی۔ ایسوں کو فوراً فوراً تجدید ایمان و تجدید نکاح

و تجدید حج جب کہ بیوی رکھتے ہوں حج کر چکے ہوں لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) [مجمع الأنهر: الفاظ الكفر انواع، ۱/۶۹۸]

(۲) [منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر: ۵۰۰]

کافر کو مرحوم کہنا سخت اجنبت کام، موجب تجدید ایمان و تجدید نکاح

(۳۶) مسئلہ:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے علمائے اہل سنت و مفتیان ملت مسائل ذیل میں کہ...

(۱) زید نے اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا کہ سب مسلمان اپنے اپنے محلہ کی مسجد میں جمع ہو کر فلاں

نصرانی مرحوم کے لیے رحمت کی دعا کریں۔ لہذا زید کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟۔

(۲) کافرہ مشرکہ مسلمان ہوئی اور چاہتی ہے کہ کسی مسلمان سے نکاح کر لوں۔ اس کے لیے

عدت کا کیا حکم ہے، اس نو مسلمہ کا شوہر ہے، وہ اسے کفر کی طرف لوٹانا چاہتا ہے، اور اسے ڈر ہے کہ اگر کسی سے نکاح نہ ہوا تو سمجھا پھسلا کر پھر اسے کفر کی طرف لوٹائے۔ ایسے موقع پر یہ نو مسلمہ فی الفور نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اور ایک کافرہ اپنے شوہر سے تین ماہ سے زیادہ مدت سے علاحدہ ہے، اور اب مسلمان ہو

ئی، اس کے لیے عدت کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا

از سورت کھارداوار متصل بالا پیر، مرسلہ غلام نظام الدین، فیض اللہ صاحبان۔ ۲۳ رجب ۱۳۵۷ھ۔

الجواب

زید بے قید اپنے اس اعلان ہادم ایمان کے سبب شدید گنہ گار، مستحق نار، مستوجب غضب جبار

ہے۔ اسے توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح چاہیے اگر بیوی رکھتا ہے۔ نصرانی یا کسی کافر کو مرحوم کہنا، لکھنا، حرام

حرام حرام، سخت اجنبت و اشنع بد کام ہے۔ اور اس کے لیے اس کے مرنے کے بعد دعا رحمت کرنا کرانا

تکذیب قرآن ہے: قال تعالیٰ:

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (۱)

تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا۔

وقال: عز من قال

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ (۲)

ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔

وقال تعالیٰ:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِيهِ وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ﴾ (۱)

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بے شک وہ اللہ و رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

وقال تعالیٰ:

﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ (۲)

اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ اس پر جنت حرام فرمائے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

وقال تعالیٰ:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (۳)

نبی اور ایمان والوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ قریبی ہوں بعد اس کے کہ ان پر ان کا جہنمی ہونا بیان ہو چکا ہو۔

تفسیرات احمدیہ میں حضرت سید عارف باللہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”المراد من الصلاة الدعاء للميت والاستغفار له، وهو ممنوع في حق

الكافر.“ (۴)

اور صلات سے مراد میت کے لیے دعا اور اس کے لیے استغفار کرنا ہے، اور یہ کافر کے حق

میں ممنوع ہے۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

”الدعاء والاستغفار منع مطلقاً في حق الميت الكافر اه.“ (۵)

(۱) [سورة التوبة : ۸۰] (۲) [المائدة: ۷۲]

(۳) [سورة التوبة: ۱۱۳] (۴) [التفسيرات الاحمدية. ۴۷۰]

(۵) [التفسيرات الاحمدية. ۴۷۱]

دعا اور استغفار کا فریضہ کے لیے مطلقاً ممنوع ہے۔ (مترجم)

حربیہ پر عدت تو نہیں مگر فی الفور نکاح بھی نہیں کر سکتی ہے کہ اسلام کہ بعد اسلام زن یہاں، جہاں حکومت اسلامیہ نہیں تین حیض کی مدت گزارنا قائم مقام انکار اسلام زوج ٹھہرائی جائے گی، کہ عرض اسلام یہاں نہیں ہو سکتا۔ جب تین حیض کی مدت گزر جائے گی۔ تو حکم فرقت ہوگا۔ وہ بانہ دو ہی طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت اسلام نہیں، وہاں تین حیض کی مدت گزر جائے اور اس مدت میں شوہر اسلام نہ لائے۔ تو یہ مدت حیض گزارنا اس کے انکار کے قائم مقام ہو کر فرقت ہوگی۔

در مختار میں ہے:

”لو أسلم أحدهما في دار الحرب وملحق بها لم تبين حتى تحيض ثلاثا

قبل الإسلام الآخر إقامة لشرط الفرقة اه“ (۱)

اگر زوجهین میں سے کوئی دار الحرب میں یا وہ جو حکم میں دار الحرب کے ساتھ ملحق ہو، اسلام لائے تو جدائی واقع نہ ہوگی یہاں تک دوسرے (شوہر) کے اسلام لانے سے پہلے اسے تین حیض آجائیں شرط فرقت قائم کرنے کے لیے۔ (مترجم)

ردالمحتار میں ہے:

”قوله (إقامة لشرط الفرقة) وهو مضي هذه المدة مقام السبب وهو

الإبء اه.“ (۱)

إقامة لشرط الفرقة سے مراد یہ ہے کہ اس مدت کا گذرنا سبب یعنی انکار کے قائم مقام ہوگا۔

(مترجم)

والله تعالى اعلم۔ عورت کی حفاظت کی جائے اس کے کافر شوہر سے ملنے نہ دیا جائے کہ وہ اسے معاذ اللہ مرتدہ بنا سکے۔ عورت جب اسلام لائی ہے، خدا سے اور ہمیں سب کو اسلام پر ہمیشہ قائم رکھے، تو وہ ایسے مواقع پر کیوں کھڑی ہو جہاں شیطان اور اس کی ذریت اسے بہکائے، اور اس کے بہک جانے کا اندیشہ ہو۔ بعد ماضی مدت کسی مسلم سے نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کافر و مرتد کو کسی امر میں والی و سربراہ بنانا اشد حرام ہے

(۳۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ... ہم مذہب اہل سنت و جماعت ان تمام عقائد سے جو ہمارے مذہب اور عقائد کے خلاف ہیں بے زار ہیں، بے زار رہیں گے، اس حالت میں اگر ہم ایک جماعت خاکساران طیار کریں، اور اس میں شریک ہوں اور خاکساران میں جو ناظم اعلیٰ ہو اس کے اصول میں باستثنا اس کے عقائد کے اس کا اتباع کریں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ بینوا تو جو روا۔ ذخیرہ کے سوال میں جس عبارت پر خط کر دیا گیا ہے اس کی بجائے یہ عبارت ہے: خاکساران میں جو ناظم اعلیٰ ہو اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ از محلہ ملوک پور مسئولہ اختریار خاں شوزمرچنٹ وقت صبح بار دوم بعد مغرب از ذخیرہ مرسلہ محمد علی صاحب پسر مولوی مسعود علی صاحب بدست رضا حسن خاں صاحب رامپوری خویش احمد اسحاق صاحب مرحوم۔

الجواب

جو کوئی ادعا اسلام کرتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، ضروری نہیں کہ وہ فی الحقیقت مسلمان ہو۔ خصوصاً اس زمانہ قرب قیامت میں۔ قرب قیامت تو حالت یہ ہوگی کہ حدیث میں فرمایا: صبح کرے گا اس حال میں کہ مسلمان ہوگا، شام اس حال میں کرے گا کہ کافر ہوگا۔ شام کو مسلمان ہوگا، صبح کافر ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخَدِّعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ (۱)

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں۔

عہد شریف حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تک منافق نہ رہے کہ پھر منافقوں کا بیج مارا گیا ہو۔ ہر زمانہ میں رہے، اور آج تو وہ اس کثرت سے ہیں جن کا شمار خدا ہی جانے۔ مشرقی کے طور پر تو اسلام

کفر ہے، اور مسلمان سب کافر اور خود وہ بھی اس گڑھے ہوئے اسلام پر بھی مسلمان نہیں ٹھہر سکتا۔ اس کے اقوال چھپے ہوئے نہیں چھپے ہوئے ہیں۔ ان پر مطلع ہوتے ہوئے سوال میں یہ لکھنا کہ ”ناظم اعلیٰ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو“ بہت ہی عجیب ہے، خصوصاً اس عبارت کے ساتھ کہ ”ان تمام عقائد سے جو ہمارے مذہب اور عقائد کے خلاف ہیں“۔ اپنے آپ کو مسلمان کہہ دینے سے کوئی شخص باوجود اپنے کفریات پر اصرار کے مسلمان ٹھہر جاتا ہے، اور اس کے کفریات مٹ جاتے ہیں۔ مگر یہ قرآن کے خلاف ہے، ابھی اوپر آیت ذکر ہوئی کہ ”بعض لوگوں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور قیامت پر حلالاں کہ وہ مسلمان نہیں۔ وہ اللہ اور مسلمانوں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ فریب نہیں دے رہے ہیں مگر اپنی جانوں کو اور انہیں اس کا شعور نہیں۔“

اللہ سچا اور اس کا کلام سچا۔ تو محض ادعاے اسلام اس کے کام نہیں آسکتا۔ جو سنی مسلمان اپنے دین و مذہب پر قائم رہتے ہوئے کسی کافر سے اگر چہ وہ کیسا ہی اظہار مودت و صداقت کرتا ہو جو موالات کرے گا اگر چہ فقط اتنا ہی کہ اس کا حلیف بنے بحکم قرآن و حدیث شدید گناہ گار ہوگا خصوصاً مرتد سے اگر چہ وہ اسلام کا مدعی ہو کہ مرتد سے تو نری معاملت بھی حرام ہے۔ تو کسی کافر خصوصاً مرتد کو والی بنانا، اس کے ہاتھوں پڑنا، اسے سربراہ کار کرنا، کیا اشد حرام ہوگا؟ یہ تو موالات صورتیہ کا حکم ہے۔ اور اگر معاذ اللہ حقیقیہ ہو جب تو آفت بہت سخت ہے۔

ایسے کے لیے قرآن عظیم کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (۱)
اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے۔
اور فرماتا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ (۲)
تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

اور فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا هُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (۳)
اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اتر تو کافروں سے دوستی نہ کرتے۔

(۲) [سورة المجادلة: ۲۲]

(۱) [سورة المائدة: ۵۱]

(۳) [سورة المائدة: ۸۱]

حرمت موالات میں کفار کی آیات بہت کثیر ہیں، یہاں دو تین آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔
فرماتا ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُم مَّؤْمِنِينَ﴾ (۱)

اے ایمان والو! انہیں جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہرا لیا جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور سب کفار ان میں کسی کو حبیب نہ بناؤ، ولی و مددگار نہ ٹھہراؤ، اور اللہ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔
اور فرماتا ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُؤًا مَا عَنَتُمْ قَدْ
بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ
تَعْقِلُونَ﴾ (۲)

اے مسلمانو! اپنے غیروں سے کسی کو راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے۔
تمہارا مشقت میں پڑنا ان کی دل کہی تمنا ہے۔ دشمنی ان کے منہوں سے ظاہر ہو چکی اور وہ جوان کے سینوں
میں دبی ہے اور بڑی ہے۔ بے شک ہم نے تمہارے لیے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تم ایمان رکھتے
ہو۔

﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا. الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ
الْمُؤْمِنِينَ أَلِيتُهُمْ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ (۳)

منافقوں کو عذاب الیم کی بشارت دیجئے جو مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار بناتے ہیں۔ کیا کا
فروں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں تو عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہے۔
تفاسیر دیکھیے!

ابن جریر میں پہلی آیت کے نیچے ہے:

”لَا تَتَّخِذُوهُمْ أَيْهَا الْمُؤْمِنُونَ أَنْصَارًا وَإِخْوَانًا وَحُلَفَاءَ فَإِنَّهُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ
خَبَالًا وَإِنْ أَظْهَرُوا لَكُمْ مَوَدَّةً وَصَدَاقَةً“ (۴)

(۱) [سورة المائدة: ۵۷] (۲) [سورة آل عمران: ۱۱۸]

(۲) [سورة النساء: ۱۳۸-۱۳۹] (۴) [تفسير الطبري: باب (۵۷)، ۱۰/۴۲۹]

اے مسلمانو! کافروں کو مددگار یا بھائی اور حلیف نہ بناؤ وہ تمہاری ضرر رسانی میں کمی نہ کریں گے اگر چہ دوستی اور یارانہ ظاہر کریں۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الملتہ والدین رازی زیر آیہ ثانیہ تحریر فرماتے ہیں:

”إن المسلمین كانوا یشاورونهم فی أمورهم ویؤانسونهم لما کان بینهم الرضاع والحلف ظناً منهم أنهم وإن خالفوهم فی الدین فهم ینصحون لهم فی أسباب المعاش، فنهاهم الله تعالیٰ بهذه الایة عنه، فمنع المؤمنین أن یتحدوا بطانة من غیر المؤمنین فیكون ذلك نهیاً عن جمیع الکفار۔“ (۱)

بے شک مسلمان اپنے معاملات میں یہودیوں سے مشورہ کرتے تھے، اور ان سے میل جول رکھتے تھے کیوں کہ ان کے درمیان رضاعت اور حلف تھا، یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ اگرچہ ان سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن دنیاوی معاملات میں ان کے خیر خواہ ہیں، تو اللہ عزوجل نے اس آیت کے ذریعہ انہیں منع فرمادیا، اس طرح غیر مسلموں کو قریبی بنانے سے منع فرمادیا، لہذا یہ تمام کفار سے قربت رکھنے کے بارے میں نہیں قرار پائے گی۔ (مترجم)

وقال تعالیٰ:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (۲)

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

یعنی کچھ مسلمان کچھ یہود سے اپنے معاملوں میں مشورہ لیا کرتے اور باہم مؤانست رکھتے، دل بہلایا کرتے کہ کوئی کسی کا دودھ شریک تھا، کوئی کسی کا حلیف تھا، اس گمان پر یہ مشورت وغیرہ تھی کہ وہ اگرچہ دین میں ہمارے مخالف ہیں دنیوی امور میں تو ہماری خیر خواہی کریں گے۔ تو اللہ عزوجل نے اس آیت سے انہیں اس مشورت وغیرہ سے روکا اور حکم فرمایا کہ کسی کافر کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ تو یہ ممانعت صرف یہود سے نہیں جمیع کفار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے دشمن کو یار نہ بناؤ۔

علامة الوجود حضرت سیدی ابوالسعود علیہ رحمۃ ربہ الودود زیر آیت سوم فرماتے ہیں:

”بیان لخبیة رجائهم یطلبون بموالاة الکفرة العزة والغلبة، فإن العزة لله

(۱) [التفسیر الکبیر للامام الرازی ۳/۳۳۹]

(۲) [سورة الممتحنة: ۱]

جميعاً، تعليل لبطلان رأيهم، فإن انحصار جميع أفراد العزة في جنبه عز و علا
بحيث لا ينالها إلا أولياءه-“ (۱)

یہ ان کی ناامیدی کا بیان ہے کہ کفار سے دوستی کر کے غلبہ اور عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں، بے
شک عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے، یہ ان کی رائے کے بطلان کی دلیل ہے، بے شک عزت کے جملہ
افراد اللہ عزوجل کے حضور میں ہے، جسے صرف اس سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ (مترجم)

وقال تعالى:

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (۲)

يقضى ببطلان التعزز بغيره واستحالة الانتفاع به- (۳)
اور عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے، (اللہ کا یہ فرمان)
غیر اللہ سے حصول عزت و منفعت کے بطلان اور استحالة کا مقتضی ہے۔ (مترجم)
تفسیر لباب التاویل میں ہے:

”المعنى لا يجعل المؤمن ولا يته لمن هو غير المؤمن نهى الله المؤمنين أن
يوالوا الكفار أو يلاطفوهم لقربة بينهم أو محبة و معاشرة-“ (۴)
مطلب یہ ہے کہ مومن، غیر مومن کو اپنا دوست نہیں بناتا، اللہ عزوجل نے مومنوں کو کافروں سے
دوستی کرنے یا قرابت، محبت اور معاشرت کی کسی وجہ سے نرمی کرنے سے منع فرمادیا۔ (مترجم)
مدارک میں ہے:

”المراد إن الله تعالى أمر المسلم أن لا يتخذ الحبيب والناصر لإمن
المسلمين-“ (۵)

مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا دوست اور مددگار صرف مسلمانوں کو

(۱) [تفسیر ابي السعود: إرشاد العقل السليم- سورة النساء، ۱۳۹- ۲/۲۴۴]

(۲) [سورة المنافقون: ۸]

(۳) [تفسیر ابي السعود: إرشاد العقل السليم- سورة النساء، ۱۳۹- ۲/۲۴۴]

(۴) [تفسیر الخازن: سورة آل عمران، ت ۲۸، ۱/۲۳۷]

(۵) [التفسیر الكبير للرازي: سورة المائدة، ت ۵۵- ۱۲/۳۸۶]

بنائیں۔ (مترجم)

نیز اسی میں ہے:

﴿لَا تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ أي: لا تعتمدوا على الاستنصار بهم، ولا توددوا

إليهم۔ (۱)

انہیں دوست نہ بناؤ یعنی ان کی مدد پر بھروسہ نہ کرو، اور نا ہی ان سے دوستی کرو۔ (مترجم)

تفسیر ابوالسعود فتوحات البیہ میں ہے:

”نهوا عن موالاة تهم لقراءة أو صداقة جاهلية ونحوهما من أسباب

المصادقة والمعاشرة، وعن الاستعانة بهم في العزة وسائر الأمور الدينية۔“ (۲)

مسلمانوں کو قرابت اور زمانہ جاہلیت کی دوستی وغیرہ اسباب صداقت و معاشرت کی وجہ سے ان

لوگوں سے دوستی کرنے سے منع فرمادیا، اسی طرح تمام دینی عزت اور تمام دینی معاملات میں استعانت

سے منع فرمادیا۔ (مترجم)

ان آیات اور تفاسیر کی عبارات سے روشن کہ کسی کافر سے دوستی، بھائی چارہ، محبت، ان کو انصار

و مددگار بنانا، ان کے حلیف بننا، ان سے مل کر غلبہ و عزت چاہنا، حتیٰ کہ ان سے مشاورت و موافقت، دینی

امور نہیں دینیوی باتوں ہی میں سہی ان سے ملاطفت، ان سے مسلمانوں کی معاشرت سب حرام ہے۔ تو

مرتد تو مرتد ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ، کافر سے میل کیسا، اس کی طرف ادنیٰ میل حرام ہے، اللہ عزوجل

فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ (۳)

ان کی طرف ادنیٰ میل نہ کرو جنہوں نے ظلم کیا، کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

کافروں بلکہ فاسقوں سے مجالست کی ممانعت ہے۔

مولیٰ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَإِمَّا يَنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (۴)

(۱) [سورة المائدة: ۵۱] [التفسير الكبير: ۴/۳۷۵]

(۲) [فتح البيان: في مقاصد القرآن، ۳/۲۱۴]

(۳) [سورة هود: ۱۱۳]

(۴) [سورة الأنعام: ۶۸]

اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔
تفسیرات احمدیہ میں ہے:

”الظالمین یعم المبتدع والفاسق والکافر، والقعود مع کلہم ممتنع.“ (۱)
ظالمین عام ہے ہر بدعتی اور فاسق و کافر کو، لہذا ہر ایک کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ممنوع ہے۔ (مترجم)
حدیث میں فرمایا: ((لا تجالسوہم)) (۲)
حدیث میں مبتدع کے بارے میں فرمایا:

((من أعرض عن صاحب بدعة بغضاً له ملأ الله قلبه أمناً وإيماناً، ومن انتهر صاحب بدعة آمنه الله تعالى يوم الفرع الأكبر، ومن أهان صاحب بدعة رفعه الله في الجنة مائة درجة۔)) (۳)

جس نے بدعتی سے روگردانی کی اللہ عزوجل اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا، اور جس نے بدعتی کو جھڑکا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن محفوظ و مامون فرمائے گا۔ اور جس نے بدعتی کی ابانت کی اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجات بلند فرمائے گا۔ (مترجم)
ایک حدیث میں ہے:

((من سلم على صاحب بدعة أولقيه بالبشر أو استقبله بما يسره فقد استخف بما أنزل على محمد صلى الله تعالى عليه وآله وصحبه وسلم۔)) (۴)
جس نے بدعتی کو سلام کیا۔ یا اس سے خوش دلی سے ملا۔ یا خوش کن انداز میں اس کا استقبال کیا تو اس نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئے (قرآن) کو ہلکا سمجھا۔ (مترجم)
اور حدیث میں ہے:

((إذا لقيتم صاحب بدعة فاكفروا في وجهه۔)) (۵)

- (۱) [التفسيرات الأحمدية: ص ۲۵۵]
(۲) [كنز العمال، كتاب الفضائل، حدیث: ۳۲۵۲۶: ۱۱/۲۴۶]
(۳) [كنز العمال: كتاب الأخلاق، حدیث: ۵۵۹۲-۳۸/۳]
(۴) [تاریخ بغداد للخطیب البغدادي، حدیث: ۵۳۷۸: ۱۰/۲۶۲]
(۵) [جامع الأحادیث: ۱۶۷/۳۳ عن أنس بن مالك]

[کنز العمال: فصل في البدع، ۱/۳۸۸]

جب تم بدعتی سے ملو تو چہرہ ترش کر لو۔ (مترجم)

منافق کے لیے حدیث میں ارشاد ہوا:

((لا تقولوا للمنافق سيذاً، فإن يكن سيدكم فقد اسخطتم ربكم)) (۱)
منافق کو سید (سردار) مت کہو اگر منافق کو اپنا سردار بنایا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔

(مترجم)

تو منافق فاسق کی تعظیم حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

((إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش)) (۲)

جب فاسق کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور عرش الہی ہلنے لگتا ہے۔ (مترجم)

تو کسی مرتد کے ساتھ دوستی، محبت، اس کی اطاعت، اس کی نصرت، اس سے استعانت، اس سے

مشاورت، اس سے موانست و ملاطفت، اس سے خواہش غلبہ و عزت، اس کے ساتھ عوام نہیں، خواص

مسلمین سے بھی بالا اخص الخواص کی سی معاشرت، اسے رازدار اور سربراہ کار بنانا ہی نہیں اس کے ہاتھوں

پڑنا، اس کے ہاتھ میں اپنی گردنیں دے دینا، اسے والی و امام ماننا، کیسا اشد ظلم اور اشد حرام، اجنبت و اشنع

کام ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ!

آیات کریمہ و احادیث و تفسیر کے یہ ارشادات دیکھنے کے بعد سچے دل سے خدا کی طرف رجوع

کر کے دل پر ہاتھ دھر کے کہو! کیا وہ جس نے کہا کہ ”لوگ انبیاء کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کر

نے، اور ان کو ذریعہ علم سمجھنے کی بجائے ان کے پیچھے لگ گئے، فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے، مسلم بننے

کے بجائے (إلى قوله) محمدی بن گئے۔ ان کو سراہنا، ان کو اپنے افعال و اعمال میں بت بنالینا، جزو دین

جانا۔“

اسلام کو شرک ٹھہرا کر انبیاء کی اطاعت و محبت اور ان کے سراہنے کو بت بنالینا، اسے شرک سمجھ کر خدا

کی تسلیم سے اسے انکار، اور سارے مسلمانوں کو نامسلم، مشرک، کافر صراحتاً بتا کر، خود کافر مرتد

ہوا، یا نہیں؟ مبتدع نہیں فاسق کے متعلق اوپر حکم معلوم ہو چکا۔ تو خود بتاؤ کہ ایسے شخص کو والی و امام بنانے

(۱) [سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب لا يقول الملوك، حدیث: ۴۹۷۷: ۴/۲۹۵]

(۲) [مشكاة المصابيح، کتاب الآداب، باب الاعتصام في الفصل الأول، حدیث: ۴۸۵۹: ۲/۲۶۰]

والا کیسا ہوگا؟۔

کیا وہ جس نے نماز اور ارکان اسلام کے متعلق یہ کہا کہ ”صوم و صلاۃ، حج و زکاۃ کو رسماً عادتاً یا تعظیماً ادا کر لینا، یا کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا، میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں“ اور کہے ”قرآن کی الصلاۃ نوکر کا پنج وقتہ سلام ہے، (الی قولہ) مگر عبادت قطعاً نہیں“ اور جس نے کہا کہ ”ص: ۹: کام چور اور حرام خور نوکر کے لیے یہ ہر وقت سلام کرتے رہنا، یہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جانا، یا مؤدب سر وقد ہو جانا، پر لے درجہ کی بد معاشی ہے“۔ اور جس نے کہا ص: ۱۱۲: ”جس طرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی، اسی طرح عبادت بھی وقت سے حتماً بے نیاز ہے۔ الصلاۃ صرف ایک پنج وقتہ حاضری اور اسلام ہے، بجائے خود عبادت نہیں“۔ نیز جس نے کہا ص: ۹۹: پتھر کی رسی پرستش، یا خدا کے آگے رسی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابد خدا، یا عابد ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا“۔ اس کے مشرک موحد ہونے کا معاملہ طے نہیں ہو سکتا“۔ نیز کہا ”اگر کوئی فرد یا قوم اپنے اعمال میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے، لیکن رسماً یا عادتاً یا رواجاً کسی بت، کسی پتھر، کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے، تو وہ درحقیقت خدا کی عابد ہے“۔ نیز جس نے کہا ص: ۱۵۰: ”مسلم کا خدا کو منہ سے ایک ایک چپتے رہنا، کلمے اور لاجول پڑھ کر جنت کا حق دار بننا، قرآن کا ایک ایک حرف پڑھ کر دس دس نیکیوں کا منتظر رہنا، پیروں کی پرستش، قبروں کی زیارت، پھونکا پھانگی، اور استجاؤں کو دین سمجھنا وغیرہ فی الحقیقت ناکار براز اور بے دلیل باتیں ہیں، کہ ہر مسلم الذہن شخص کو ان سے اعراض کرنے کے سوا چارہ نہ تھا“۔

خود بتاؤ کہ یہ شخص بیخ کن اسلام، اشد مرتد بے لگام ہوا یا نہیں؟ اور جو ایسا ہوا خود سمجھو کہ اسے مطاع ٹھہرانا، اپنے سیاہ سپیدہ کا اختیار دینا کیسا ہے؟ کیا اسلام دشمنی، مسلم بیخ کنی، اس کے منہ سے ظاہر نہ ہو چکی، کیا اس نے جو کچھ اسلام اور ارکان اور شعائر دین اور سنن سید المرسلین کے متعلق کہا اس سے آشکار نہ ہوا کہ، اس نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا؟ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اصرار بسیار، کہ بے اس کے کام نہ چلے گا، ایک کافر کو محرری کا عہدہ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: میرا ایک محرر نصرانی ہے۔ فرمایا: تمہیں اس سے کیا تعلق؟ خدا تم سے سمجھے۔ کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر رکھا۔ کیا تم نے یہ ارشاد الہی نہ سنا: اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو یار نہ بناؤ، میں نے عرض کیا: اس کا دین اس کے لیے ہے۔ مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے، اس پر صاف فرمادیا: کہ میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا، جب کہ اللہ نے انہیں خوار کیا، نہ انہیں عزت دوں گا، جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا، نہ انہیں قرب دوں گا

جب کہ اللہ نے انہیں دور کیا۔“

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عرض کیا کہ: ”بصرہ کا کام بے اس کے نہ چلے گا۔ اس پر فرمایا: ”مات النصرانی والسلام“ یعنی فرض کرو کہ وہ نصرانی مر گیا، اب اس کے بعد کیا کرو گے، جو اس وقت کرو گے وہ اب کرو۔ کسی مسلمان کو مقرر کر کے اس سے بے پروہ ہو جاؤ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ایک فرمان بھی تحریر فرمایا تھا، جس میں ہے:

”لیس لنا أن نأتمنهم وقد خونهم الله، ولا أن نرفعهم وقد وضعهم الله،

ولا أن نعزهم وقد أمرنا بأن يعطوا الجزية عن يدهم صاغرون.“ (۱)

ہمیں جائز نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خائن بتاتا ہے۔ یا ہم انہیں رفعت دیں، حالانکہ اللہ نے انہیں پستی دی۔ یا انہیں عزت دیں حالانکہ ہم حکم فرمائے گئے کہ کافر ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فر نصرانی کو باوجود اصرار، محرری نہیں دیتے۔ اسے حرام فرماتے ہیں۔ کہاں یہ، اور کہاں یہ کہ آج ایسے شخص کو جو اسلام و مسلمین کا بیخ کن ہے، ان کا ایسا دشمن پرفن ہے جس کے منہ سے دشمنی بار بار ظاہر و آشکار ہو چکی۔ جو اسلام کو کفر ٹھہراتا ہے۔ اسے اپنا والی، اپنی جانوں کا مختار بنانا چاہا جاتا ہے۔ کہ ”اس کے عقائد سے بے زار ہیں۔ بے زار رہیں گے، مگر اپنی جانیں اس کے سپرد کیوں نہ کر دیں“۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ ع۔ ہمیں تفاوت رہ از کجا سے تا بہ کجا۔ اس کا جواب بھی حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے سمجھ لو۔ کہ اس کے عقائد سے ہم بے زار ہیں، بے زار رہیں گے۔ یعنی اس کے عقیدے اس کے لیے ہیں، ہمیں تو اس کی تحریک سے کام ہے۔ پھر لطف یہ کہ اس کی تحریک مذہبی تحریک ہے۔ جسے زبردستی یہ کہا جاتا ہے، کہ وہ مذہبی نہیں۔ اس کا انکار آفتاب کے انکار سے زیادہ بدتر ہے۔ اس کی کتابیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ یہ تحریک مذہبی ہے۔ اس نے ایک اسلام اور گڑھا ہے جسے رواج دینا چاہتا ہے۔ اور اس اسلام کو کفر ٹھہراتا ہے۔

بہت کثیر عبارات اس کی ایسی پیش کی جاسکتی ہیں، اس وقت صرف ایک ہی عبارت پیش کی جاتی

ہے:

(جو بات بالکل واضح کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے: کہ خاکسار تحریک خالص مذہبی تحریک ہے)

اور اس نے اپنا دین، اپنا عقیدہ، اپنا مذہب بھی کھول کھول کر بتایا ہے۔ اور چوبیس (۲۴) اصول میں بھی اسے رکھا ہے، اگرچہ وہاں لفظ دین و مذہب و عقیدہ نہیں لکھا ہے۔ تحریک چودہ (۱۴) نکات سے بھی ایک عبارت پڑھ لیجئے:

(۲) قرن اول یا قرون اولیٰ کا عمل اسلام ہی صحیح اسلام ہے۔ خاکسار سپاہی رسول (خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے طریق عمل کے سوا کسی شی کو دین اسلام نہیں سمجھتا۔

(۳) مولوی کا آج کل کا بنایا ہوا راستہ غلط ہے۔ خاکسار سپاہی اس غلط مذہب کو صفحہ زمین سے مٹانے اور اس کی جگہ نبوی اسلام پھر رائج کرنے کے لیے اٹھا ہے۔

کہیے۔ جب وہ تحریک مذہبی ہے، اور سپاہی اس کو رواج دینے کا پابند اور حلف نامہ یا عہد نامہ جو ہو وہ جب یہ سب کچھ دیکھ کر لکھے گا، تو کیوں کر اس کے دین و مذہب سے علاحدہ رہ سکے گا۔ اور اگر کوئی بالفرض بے دیکھے بھالے بے سوچے سمجھے دستخط کرے گا، تو بعد علم اگر رہے گا تو کیسے اس کے دین سے علاحدہ رہے گا۔ اس کا دین تو اسی عمل کا نام ہے، و بس۔ اس کی تصریحات بے شمار سے یہ آشکار۔ جو مشرقی کے گروپ میں شریک ہو گا شرع ہی کو پیٹھ نہ دے گا، بلکہ عقل سے بھی کوئی واسطہ نہ رکھے گا، جب کہ اس کے اقوال پر مطلع ہو کر شرکت کرے گا۔ کہ بیخ کن اسلام و مسلمین سے خدمت ایمان و مومنین کی امید باندھے، اور اسے بلکہ اسی کو اس کا اہل جاننے والے ایسے ہی ہیں جیسے پہلے گاندھی کی آندھی میں پتے کی طرح اڑتے پھرنے، اور اسے مربی بے کس، مسلمانوں کا حامی و یار و یاور و مسیحا۔ مردہ قوم کو جلانے والا۔ آب چشمہ حیوان پلانے والا۔ فخر قوم، ایک خدا سے ڈرانے والا۔ رحمت خدا بن کر مبعوث من اللہ، نبی بالقوۃ، مسجود ملائکہ، کہنے اور یہ لکھنے والے:

ہمیں امید ہے ہم کامیاب ہوں گے ضرور۔ کہ ہیں ہماری مدد پر مہاتما گاندھی۔

بجائے خطبہ جمعہ گاندھی کی مدح کے گیت گانے والے، اسے مقدس ذات ستودہ صفات کہنے والے۔ اس کی مدح میں ایسے ہوش گمانے والے۔ حمد الہی کا مصرع اس کی مدح میں پڑھنے والے۔ یہ شعر گانے والے:

تعریف کوئی کرے ان کی یہ نادرست خاموشی از ثنائے تو حد ثنائت

جب گاندھی کی آندھی کا گرد و غبار بکرم کردگار دفع ہوا، اور آنکھیں کھلیں، اور اپنی زبوں تر حالت اور سراسر نقصان نظر آیا، اور سمجھے کہ ہم بڑے عظیم جال میں پھانسنے گئے تھے۔ اور ہمارے حلیف دراصل ہمارے حریف تھے۔ وہ برادران وطن نہ تھے، بلکہ ہمارے خون کے پیاسے تھے۔ جنہوں نے ہمیں سبز باغ

بکا، حضور علیہ التحیۃ و الثنا پر افترا کیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ایسی چیز کے لیے اپنے پہلے حکم کے خلاف حکم دیتے، داڑھی منڈانا شعار کفار ہے، رکھنا شعار اسلام، شعار اسلام کو مٹانے اور وضع کفار کو اختیار کرنے کا حکم دیتے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ کفار کی وضع پسند فرماتے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس نے دوسرا کلمہ شنیعہ فظیہ خبیثہ لعینہ کفریہ بک کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی توہین کی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اس پر اس عظیم جبل و بال کے ہوتے ہوئے، پھر اس کا دامن اور پتھروں کے نیچے دبا ہونے کا کیا ذکر۔ کہ وہ جو ا کھیلتا ہے، ضرور وہ حرام جو ا ہی ہے، رمضان المبارک میں شارع عام پر سگریٹ پیتا ہے، پردہ کو غیر ضروری خیال کرتا ہے، اور ان سب میں بڑھ کر یہ کہ نماز کا پابند نہیں۔ ماعنسی مثله یعد الخطاء۔ ایسے شخص کو ذلیل کار، سربراہ کار بنانا حرام ہے۔

قال تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُوا مَا عَنْتُمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (۱)

اے ایمان والوں! لوغیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (۲)

تفسیر مدارک میں فرمایا:

”أَي لَا تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ تَنْصُرُونَهُمْ، وَتَسْتَنْصُرُونَهُمْ، وَتَوَاحُونَهُمْ، وَتَعَاشِرُونَهُمْ مَعَاشِرَةَ الْمُسْلِمِينَ.“ (۳)

انہیں اس طرح دوست نہ بناؤ کہ تم ان کی مدد کرو، یا ان سے مدد چاہو اور ان کے ساتھ بھائی چارگی سے پیش آؤ اور ان سے مسلمانوں جیسے برتاؤ کرو۔ (مترجم)

(۱) [سورة آل عمران: ۱۱۸]

(۲) [سورة الممتحنة: ۱]

(۳) [التفسير النسفي: (۵۱)، ۱/۴۵۳]

تفسیر کبیر میں ہے:

”المراد أن الله تعالى أمر المسلم أن لا يتخذ الحبيب والناصر إلا من المسلمين.“ (۱)

مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے مسلمان کو حکم دیا کہ وہ دوست اور مددگار مسلمان ہی کو بنائے۔
(مترجم)

اسی میں ہے:

”لا تتخذوهم أولياء أي: لا تعتمدوا على الاستنصار بهم، ولا تتوددوا إليهم.“ (۲)

انہیں دوست نہ بناؤ یعنی ان کی مدد پر بھروسہ نہ کرو، اور ان سے محبت نہ کرو۔ (مترجم)
تفسیر علامہ ابوسعود فتوحات الہیہ میں ہے:

”نهوا عن موالاتهم لقراية أو لصداقة جاهلية ونحوهما من أسباب المصادقة والمعاشرة، وعن الاستعانة بهم في الغزو وسائر الأمور الدينية.“ (۳)
مسلمانوں کو قرابت، دور جاہلیت کی دوستی وغیرہ اسباب صداقت و معاشرت وغیرہ کی وجہ سے تعلقات قائم رکھنے سے منع کر دیا گیا، اسی طرح جنگ اور تمام امور میں استعانت و مدد مانگنے سے روک دیا گیا۔ (مترجم)

نیز کبیر میں زیر آیہ شریفہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (۴)

”إن المسلمين كانوا يشارونهم في أمورهم، ويوانسونهم لما كان بينهم

(۱) [تفسیر الرازی: سورة المائدة: (۵۵) ، ۱۲/۳۸۶]

(۲) [تفسیر الرازی: سورة المائدة، ت، (۵۲) ، ۱۲/۳۷۵]

(۳) [فتح البیان فی مقاصد القرآن: ۳/۳۱۴]

(۴) [سورة آل عمران: ۱۱۸]

الرضاع والحلف ظناً منهم أنهم إن خالفوهم في الدين، فهم ينصحون لهم في أسباب المعاش، فنهاهم الله تعالى بهذه الآية عنه. "اه (۱)

اے ایمان والوں غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، مسلمان کفار (یہودیوں) سے اپنے معاملات میں مشورہ لیتے تھے، اور ان سے لگاؤ رکھتے تھے، اس لیے کہ ان میں رضاعت اور حلف قائم تھے، اور مشورہ اسی خیال سے کرتے تھے کہ وہ اگرچہ دین میں ان سے مخالف ہیں لیکن وہ دنیاوی زندگی میں ان کے خیر خواہ ہیں، پس اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عمل سے منع فرما دیا۔ (مترجم)

ایسے شخص کو والی امور بنانا اس کے سپرد اپنے دینی، دنیاوی کام کرنا حرام ہے۔

قال تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ

رَاكِعُونَ﴾ (۲)

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے۔
ایسا شخص تو ایسا شخص، فاسق مسلمان کی تعظیم و تقدیم بے عذر معقول و مقبول ناجائز۔
علماء فرماتے ہیں:

"لو قدموا فاسقاً ثمناً؛ لأن في تقديمه تعظيمه وقد وجب عليهم

إهانته." (۳)

اگر انھوں نے فاسق کو آگے بڑھایا تو وہ گناہ گار ہوں گے اس لیے کہ اس کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے۔ جب کہ لوگوں پر اس کی اہانت واجب ہے۔ (مترجم)

شرعاً اسے ووٹ دینا اس کی مدد کرنا، اور یہ اس لیے ہے کہ اسے اپنا ناصر و معین مددگار یا رویا اور ٹھہرانا ہے، اور یہ سب حرام۔ علمائے اعلام و ائمہ کرام کی عبارت سے واضح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) [التفسير الكبير للامام الرازي ۳/۳۳۹]

(۲) [سورة المائدة: ۵۵]

(۳) [تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: باب، الأحق بالامامة - ۱/۱۳۴]

[رد المحتار على الدر المختار: باب الامامة، ۱/۵۶۰]

حضور کا مرتبہ امام مسجد کے برابر یا اس سے بھی کم بتانے والا کافر ہے

(۳۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

(۱) زید امام مسجد ہے، اس کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ وہ بسم اللہ کی ترکیب بھی نہیں جانتا، اس کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ائمہ مساجد کا مرتبہ مجھ سے زیادہ ہے، اور اگر اتنا نہ جانو تو میرے برابر البتہ ان کو جانو۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قول کے قائل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی یا نہیں؟ اور غیر نبی کو نبی کے مرتبہ سے برابر جاننا کفر ہے کہ نہیں؟ اور جو لوگ زید کو اس قول کا قائل جان کر اس کی حمایت کریں، اور اسے امامت سے معزول نہ کریں، اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔ ایسے لوگوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ یہ کہیں کہ جن لوگوں نے زید کی بلا اجازت کہ جو امام مقرر ہے، اور دوسرے کو اپنا امام بنا لیا، اور اس کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھیں وہ نمازیں نہ ہوں۔ اس لیے کہ زید امام مقرر کی بلا اجازت دوسرے امام نے نمازیں پڑھائیں، ان لوگوں کا یہ قول شرعاً کیسا ہے؟ قابل قبول ہے یا مردود و باطل، اگر ان کا یہ قول مردود و باطل ہے تو شرعاً ان لوگوں پر کچھ الزام ہے یا نہیں؟ بینوا تو جرو۔

(۲) زید اکثر اوقات نماز میں اپنے وعظ میں یہ قصہ بیان کرتا ہے کہ ایک بار سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے مبارک ورم کر گئے تھے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام ایک پتھر کو آگ پر گرم کر کے ورم کو اس پتھر سے سینکتے تھے۔ پتھر نے بارگاہ رب العزت جل و علا میں عرض کیا کہ الہی تیرا رسول مجھے اپنے فائدے کے لیے آگ پر بار بار گرم کرتا ہے، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ میں تیرا بدل لوں گا۔ چنانچہ فرشتوں نے اللہ عز و جل کے حکم سے اس پتھر کو جبل احد کی طرف پھینک دیا۔ جنگ احد کے دن اسی پتھر کو حبشی نے لے کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف پھینکا جس سے حضور کا دندان مبارک شہید ہو گیا۔ اس سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟ ایسے بے علم شخص کو ہمیشہ کے لیے امام رکھنا باوجود اس کے کہ قوم آسودہ حال ہے، وہ بہتر سے بہتر دوسرا امام رکھ سکتی ہے۔ مگر پھر بھی زید کو امامت سے علاحدہ کیا نہیں جاتا، آیا ان لوگوں پر کچھ مواخذہ شرعی ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص سے وعظ کہلانا کہ جس سے گمراہی پھیل رہی ہے جائز ہے یا ناجائز؟۔

از ترسانی علاقہ کاٹھیاوار۔ مرسلہ مسلمانان اہل سنت و جماعت بتوسط حضرت مولانا مولوی محمود

جان صاحب جام جو دھ پوری۔ ۲۶ رذوی القعدہ ۱۳۴۸ھ۔

الجواب

زید بے قید اپنے اس ملعون قول بدتر از بول کے سبب کافر ہو گیا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔ وہ سخت بے باک نہایت ناپاک جری ہے۔ اللہ کے حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مفتری ہے۔ ائمہ مساجد کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد مرتبہ والا کہنا، یا انہیں حضور کے برابر ٹھہرانا، دونوں یقیناً حضور کی توہین ہیں۔ اور توہین حضور علیہ الصلاۃ والسلام کفر۔ حضور پر عداوت کفر ہے۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ کسی غلام کو کسی حاکم سے برتر یا اس کے ہمسر کہنا حاکم کی توہین ہے۔ نہ کہ کسی ادنیٰ غلام کو بادشاہ عالی مقام کا ہمسر، یا اس سے برتر بتانا۔ احکم الحاکمین رب اکبر کے حبیب و محبوب بادشاہ عرش پائے گا سلطان دارین، باعث تخلیق کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی ادنیٰ غلام کو ہمسر، ان سے برتر کہنا کیوں کر سخت، شدید، شنیع، اجنبی توہین اور اشد تر کفر نہ ہوگا، اس پر توبہ و رجوع فرض ہے، اسے لازم کہ نئے سرے سے مسلمان ہو، از سر نو کلمہ اسلام پڑھے، اور اپنی بیوی سے اگر بیوی رکھتا ہو، نکاح جدید بمہر جدید کرے اگر وہ راضی ہو، اور عورت اگر راضی نہ ہو تو اسے اس پر کوئی دست رس نہیں رہی، وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور اپنا مہر جب چاہے اس کی چاند ٹھوک کر لے سکتی ہے۔

اس کے اس شنیع کلمہ خبیثہ پر مطلع ہو کر جو اس کی حمایت کرتے ہیں سب توبہ کریں، اور سب تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی۔ اس کے پیچھے نماز باطل محض، امام مقرر وہ کب رہا جب کہ کافر ہو چکا، کیا کفر کے بعد بھی امام برقرار ہے۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔ اسے امامت سے معزول کرنا کیا معنی، معزول تو وہ کیا جائے جو بدستور قائم ہو، وہ تو معزول ہو چکا، وہ جو اسے بدستور اپنا امام مانے جاتے ہیں کچھ عقل سے واسطہ رکھتے ہیں، اور اس جہالت کا کیا کہنا کہ امام مقرر کی بلا اجازت جو نماز کسی اور کے پیچھے پڑھی جائے وہ ہوگی ہی نہیں۔ احمق لوگ جو خود اپنی بے علمی اور جہالت سے بکتے ہیں، اسے فتویٰ شریعت جانتے ہیں:

حالانکہ حدیث کا ارشاد ہے:

”من أفتی بغير علم لعنته ملائكة السموات والأرض“ (۱)

جو بے علم فتویٰ دے اس پر ملائکہ زمین و آسمان لعنت کرتے ہیں۔ یہ تو اس کے لیے ہے جو بے علم فتویٰ دے اگرچہ صحیح، پھر اس کا کیا پوچھنا جو غلط و باطل کہے، اور اسے فتویٰ شریعت جانے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

یہ لوگ ارشاد حدیث: ((أفتوا بغیر علم فضلوا وأضلوا)) (۱) انھوں نے بے علم فتویٰ دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، کے مصداق ہیں، ان سب پر تو بہ فرض ہے۔ واللہ هو الموفق وهو تعالیٰ أعلم۔
(۲) یہ قصہ بھی نرا من گڑھت ہے، کہیں یہ روایت نہیں، نہ ہرگز کسی طرح معقول، اللہ اکبر ہر کافر تو پتھر سے یہ اور ہزار ہا طرح نفع لے سکے، مگر اللہ کا حبیب و محبوب اگر اسے اپنی عنایت سے نوازے تو وہ اللہ کا شاکی ہو، اور اللہ عزوجل اپنے محبوب کے لیے پتھر سے کام لینے کو ناروا ٹھہرائے، بدلہ کسی ظلم کا لیا جاتا ہے، تو معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پتھر پر ظلم کرنے والے ٹھہرے۔ والعیاذ باللہ۔ کیسا دریدہ دہن ہے۔ جلد بتائے کہ اس نے یہ قصہ کہاں سے، کس معتمد و معتبر کتاب سے اخذ کیا۔ ولا حول ولا قوة إلا باللہ العلی العظیم۔ اور وہ ہرگز ثبوت نہ پیش کر سکے گا، وہ مفتری علی الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، سخت جھوٹا کذاب جری و بے باک ہے اور اس حدیث کا مصداق ہے:

((من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار)) (۲)
جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ جہنمی ہے۔ (مترجم)

صلاة کے بارے میں یہ کہنا کہ مردے کو پکارنا ہے، تو ایسا شخص دوبارہ کلمہ پڑھے
(۴۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
جو شخص صلاة پڑھنے میں اعتراض کرے، اور یہ کہے کہ معاذ اللہ مردے کو پکارتے ہیں، اس پر شریعت سے کیا حکم ہوتا ہے؟۔ بینوا توجروا۔

(۱) [مشکاة المصابیح، کتاب العلم، حدیث: ۲۰۶-۵۸/۱]

(۲) [مشکاة المصابیح، کتاب العلم، حدیث: ۱۹۸-۵۷/۱]

الجواب

ایسا شخص سخت بے ادب بد لگام ہے، بے ہودہ بکتا ہے، اس پر تو یہ فرض ہے، اسے تجدید ایمان و تجدید نکاح بھی چاہیے، وہ بدنصیب شاید التحیات میں السلام علیک ایہا النبی بھی نہ پڑھتا ہوگا، غالباً یہ شخص وہابی ہے، اگر ایسا ہے تو وہابی تو اس سے زائد گستاخیاں کرتے ہیں، اس کی اس سے کیا شکایت، یا وہابی کی صحبت میں بیٹھنے والا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہابیوں کا اولیائے کرام کی شان میں گستاخی کرنا کوئی ٹھیک بتائے

تو اس پر تو بہ لازم

(۴۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے یہ الفاظ بولے کہ: وہابی ٹھیک کہتے ہیں کہ اولیا اللہ مزاروں سے چلے گئے اور کہا کہ میں نے خود دیکھا کہ مزاروں میں گڈھے پڑ گئے ہیں۔ اولیا میں کچھ نہیں ہے وہ کچھ کرتے نہیں۔ ان الفاظ پر عمرو زید کو جواب دے رہا تھا۔ تو زید نے عمرو کو خاموش کیا کہ ٹھہرو اور سنو۔ عمرو نے زید کے خاموش کرنے پر ہاں کی اور ٹھہر گیا۔ تو عمرو پر سکوت ہاں کا حکم فرمایا جائے کہ: اس کے ایمان میں تو کوئی فرق نہ آیا۔ اور زید کے مذکورہ بالا الفاظ بحکم شرع کیسے ہیں، بعد میں جو عمرو نے جواب زید کو دیا وہ یہ کہ اکثر وہابی یوں ہی کہہ دیا کرتے ہیں، کہ: اولیا اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کچھ نہیں ہے کہ ان کے مزاروں پر قوالی ہوتی ہے مزار میر کے ساتھ اور عورتیں بھاگ جاتی ہیں، اور لوگ ان کو وہاں سے بھگالے جاتے ہیں۔ غیر عورتوں کو تو اولیا اللہ کچھ نہیں کرتے اور نہ دیکھ رہے ہیں اور لوگ ان سے مرادیں عرض کرتے ہیں۔ یہ چاہیے ہے وہ چاہیے ہے۔ ان میں کچھ نہیں ہے صرف خدا سے مانگو۔ تو ان وہابی، عبدالوہاب نجدی کے پیروں کو یہ نہیں معلوم کہ یہ کام اچھے برے، حرام، شرک و کفر ان کو خدا کیا نہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ کچھ نہیں کرتا تو اس معنی بقول وہابیوں کے ان کے خدا میں کچھ نہیں۔ اولیا اللہ کو چھوڑ کر صرف خدا ہی سے مانگو۔ اب مانگنا کیسا؟ جب ان کے بقول ان کے خدا میں کچھ نہیں۔ ہم تو اولیا اللہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مراتب جانتے ہیں اور انہیں کے توسل سے مانگتے ہیں، یہ دنیا دورنگ ہے کہ جو جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا کہ: اللہ جل شانہ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی رحمت کے بہ سبب کافروں کو بھی عذاب سے دنیا میں مہلت دی کہ سزا، اور جزا سے خالی نہ جائے گا، کوئی عقوبتی میں ہوگی، پھر کچھ نہیں کرتے اور نہ دیکھ رہے ہیں، کا سوال کیسا؟ وہابی جانا

پر خاک ڈالتے ہیں۔ اپنی ہی آنکھوں میں لیتے ہیں۔ ملعون، خبیث، جہنمی، مکرگدھے سنیوں کو بہکاتے پھرتے ہیں۔ سنیوں کو ان سے بات بھی نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ان دشمنوں سے سنیوں کو محفوظ رکھے آمین۔ تو یہاں عمرو کے سمجھانے میں کوئی امر خلاف شرع تو نہیں؟

الجواب

زید نے کہا وہابی ٹھیک کہتے ہیں اس سے توبہ کرے۔ ایسا خبیث قول بکنے والا جو اولیاء اللہ کے لیے یہ بکتا ہے وہ حکیموں اور ڈاکٹروں کو خدا مانتا ہوگا، جب تو اپنے مریضوں کے لیے ڈاکٹروں حکیموں کو شافی الامراض دافع الکربات سمجھ کر پہنچتا ہے۔ اور کسی کو ان کے پاس جانے سے نہیں روکتا۔ عمرو نے روکنے سے اس وقت کچھ نہ کہا۔ رک گیا اگر رک جانا مصلحت تھا تو اس کا الزام نہیں، نہ رکنا مصلحت تھا اور رکنا تو برا کیا۔ بہر حال اس نے اپنا فرض ادا کر دیا اور جو کچھ کہا ٹھیک کہا۔ جزاء اللہ تعالیٰ. واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) چراغ کی بتی سنبھال کر وہ ہاتھ دیوار سے یا لحاف گدے وغیرہ سے پوچھا؟

(۲) ایک چراغ سے دوسرا چراغ ملا کر روشن کرنا؟

(۳) سرس کی لکڑی کی کوئی چیز استعمال کرنا کہ جیسے اس کی لکڑی کے چوکھٹ کو اڑ لگانا؟

(۴) دیوالی، دسہرہ کے دنوں جادو سے بچنے کے لیے سرس کی لکڑی یا ٹہنی دروازے پر لگانا یہ

مذکورہ بالا امور شرعاً درست ہیں یا نہیں؟

الجواب

لحاف گدے دیوار کو صاف رکھنا چاہیے، کسی شے سے انہیں ملوث کرنا برا ہے، اور ناپاک چیز سے ملوث کرنا ناجائز ہے۔ تیل اگر پاک ہے تو انگلی پاک رہی۔ ناپاک تو انگلی ناپاک ہوگئی۔ صاف کرنے سے پاک نہ ہوگی۔ اسے پانی سے پاک کریں۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ ملا کر روشن کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ سرس کی لکڑی کی چیز استعمال کرنے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ جادو سے بچنے کو اگر لکڑی سرس کی مفید ہوتی ہو تو اسے لٹکا سکتے ہیں، مگر اس کے لٹکانے میں مشابہت ہنود نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شریعت کے لیے گستاخی کے الفاظ کہنے والا کافر و مرتد ہے

(۴۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مکرمی معظم جناب قبلہ مولوی صاحب دام ظلکم

(۱) سائل نے ۱۷/۱/۶۹ کو جو سوال کیا اس کا جواب ۴۴/۷۶ لکھا جس کا اصل پرچہ ساتھ میں لگانا شامل۔ اس فتوے کو کہا کہ ایسے فتوے اور شریعت میرے لوڑے پر ہیں، اور ہم اس شریعت کو نہیں مانتے، اور کئی فحش گالیاں بھی دیں، جو کہنے کے قابل نہیں، ہمارے گاؤں کی مسجد میں ایک امام صاحب دوسرے گاؤں کے نماز پڑھاتے ہیں انھیں گاؤں کی طرف سے غلہ بھی مل جاتا ہے، انھوں نے بھی آپ کے اس گاؤں کے فتوے پر کوئی غور نہیں کیا، امام صاحب نے جواب دیا کہ اگر میں اس فتوے پر عمل کروں اور شریعت پر چلوں تو میری روزی میں خلل آ رہا ہے، امام صاحب کے یہ لفظ سن کر کہ شریعت پر چلوں تو روزی میں خلل آتا ہے، لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی۔

(۲) چند لوگ اس بارے میں آپ سے فتویٰ لے آئے، انھوں نے دوسری جگہ نماز پڑھی، ان امام صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، اوپر لکھے سوالوں سے مطلع کیا جائے۔

(۳) اس کے چند لوگ گواہ بھی ہیں: محمد بخش، حیدر علی، کرامت اللہ ولد شیر علی، پھول شاہ ولد نظیر علی شاہ۔ عاشق علی موضع سچنا ڈاک خانہ میر گنج بریلی شریف

الجواب

(۱) جس نے وہ خبیث کلمہ بکا، شریعت مطہرہ کی توہین کی، وہ اپنے اس قول بدترکی بنا پر کافر و مرتد خارج اسلام ہو گیا، اس کے کافر مرتد ہونے کو یہی کافی تھا جو اس نے بکا کہ ہم اس شریعت کو نہیں مانتے، اس پر توبہ فرض ہے، اور از سر نو اسلام لائے، اس کی بیوی اگر ہے تو وہ اس کے نکاح سے فوراً نکل گئی، وہ بالکل رخصت ہو گئی، آگے اس پر کوئی دست رس نہ رہی، وہ آزاد ہو چکی، بعد عدت جس سے اس کا نکاح جائز ہو اس سے نکاح کر سکتی ہے، اس شخص کے پاس رہنا حرام حرام حرام ہے، اگر یہ توبہ کرے، پھر سے مسلمان ہو تو اس سے نکاح جدید بہ مہر جدید کرے، تو اس کو رکھا جاسکتا ہے۔

(۲) اس امام پر توبہ لازم ہے، جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز سے احتراز کریں

۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ان لوگوں نے ٹھیک کیا، جب تک وہ توبہ نہ کرے اسے ہرگز امام نہ بنائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

مسلمان نے کہا ”میرا کوئی مذہب نہیں“ اس سے مرتد ہو گیا

(۳۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک عورت جو طوائف ہے اور بہت عرصہ سے ایک مسلمان قضائی کے گھر میں رہتی ہے، تقریباً چار سال پہلے وہ میونسپلٹی کے الکشن میں اچھوت سیٹ سے کھڑی ہوئی تو گورنمنٹ نے اس سے سوال کیا کہ تم تو مسلمان کے گھر میں ہو اور یہ سیٹ اچھوت کے لیے ہے، تو اس طوائف نے کہا کہ میرا مذہب کوئی نہیں، میں نٹ کی لڑکی ہوں اور میرے باپ کا نام ہیرا ہے جو نٹ ہے، لہذا اس کو اچھوت کی سیٹ سے الکشن لڑنے کی اجازت مل گئی، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی، اس کے مقابلے میں جو اچھوت کی سیٹ سے کامیاب ہوا تھا اس کو عیسائی ثابت کر کے خارج کر دیا گیا، اب پھر ماہ فروری ۷۵ء الکشن ہوا جس میں وہی عورت پھر کھڑی ہوئی اور الکشن سے ایک دن پہلے کچھ لوگوں کے سامنے اس نے اپنے اس جرم سے توبہ کی، اور تجدید ایمان بھی کیا، لہذا اس کے توبہ کرنے پر اعلان ایک صاحب نے کیا کہ سب لوگ اس کی مدد کریں چوں کہ یہ توبہ و تجدید ایمان کر چکی ہے لہذا بہت سے لوگوں نے اس کی سپورٹ کی، مگر کچھ حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس کو سپورٹ کرنا جائز نہیں تھا، چوں کہ وہ مرتدہ ہے، اور اس کی یہ توبہ لائق قبولیت نہیں جب کہ کچھری میں جا کر توبہ نہ کرے، وہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو ووٹ دیئے ہیں ان پر توبہ واجب ہے، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی یہ توبہ مان کر سپورٹ کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ دوسرے الکشن میں کھڑے ہونے والے کنڈی ڈیٹ کافر ہیں، اگر اس کو سپورٹ کرنا جائز نہیں تو ان پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اگر سپورٹ کرنا جائز ہے تو ناجائز بتانے والوں پر جنھوں نے کافر کو ووٹ دیئے ہیں ان پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ مفصل جواب سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا تو جو روا

المستفتی عزیز جاں تحصیل فرید پور ضلع بریلی شریف ۹/مارچ

الجواب

مسلمان کے گھر میں رہتی تھی اتنے سے وہ مسلمان نہ ہو گئی، جس کے گھر رہتی تھی وہ بتائے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی یا نہیں، اگر ہو گئی تھی تو بے شک وہ اس بیان سے جو کچھری میں دیا کہ میرا کوئی مذہب نہیں

وہ مرتد ہوگئی، اور اگر مسلمان نہیں ہوئی تھی تو وہ مرتد نہیں ہوئی اس قول سے، پھر اگر وہ دوسری دفعہ الکشن کے وقت توبہ کر کے مسلمان ہوگئی تھی تو جنھوں نے اسے یہ معلوم ہونے کے بعد مرتد کہا، مرتد سمجھ کر اس کا ساتھ نہ دیا وہ توبہ کریں۔ سوال میں لکھا ہے فقط تجدید ایمان۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ پہلے مسلمان ہوگئی تھی۔ جن لوگوں نے کہا کہ اس کو سپوٹ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ مرتد ہے، اگر انہیں یہ معلوم ہوا تھا کہ اس نے توبہ کی، تجدید ایمان کے لیے کلمہ پڑھا تو وہ توبہ کرے، ان پر توبہ لازم ہے جنھوں نے کہا کہ اس کی توبہ الائق قبولیت نہیں جب تک وہ کچھبری میں جا کر توبہ نہ کرے، ان پر بھی اس سے رجوع لازم ہے، توبہ علی الاعلان کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ جہاں وہ لفظ کہے وہیں جا کر توبہ کرے، جن لوگوں نے یہ کہا: اس کی توبہ تجدید ایمان معلوم ہونے کے بعد کہ جن لوگوں نے ووٹ دیئے ہیں ان پر توبہ واجب ہے، غلط و باطل کہا، اس سے توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کفر کو کسی چیز پر معلق کر کے کہنا فی الحال کفر ہے

(۲۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جناب من بزرگوار مفتی اعظم السلام علیکم

مجھے امید ہے کہ میں کم پڑھا لکھا ہوں اور خدا کا گنہ گار بندہ ہوں، اس لیے میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں کہ میں تاریخ انگریزی ۲۵/۱۱/۸۷ اور ۱۱ شوال ۱۳۹۲ھ دن سینچر کو وقت شام ۴ بجے عورت کے بڑبڑا اور کڑکڑانے سے کہ تم بہت کھانا کھاتے ہو، اور بستر میں پڑے رہتے ہو، یہ بات دو عورت سے کہا مگر میں عورت کو سمجھایا کہ میں رات نوکری کرتا ہوں، اور بہت کڑی نوکری کرتا ہوں، اور بہت چلتا بھی ہوں اور بندوق لے کر پریٹ بھی کرتا ہوں، اس لیے میرا خوراک زیادہ ہو گیا ہے، اور رات کو جگنے کی وجہ سے دن میں زیادہ سوتا ہوں مگر عورت کے طعنے سنتے سنتے میں قسم کھایا کہ آج کی تاریخ سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا، اگر کھاؤں گا تو کافر ہوں گا، قسم وحدہ لا شریک، تو آج تک میں نے کھانا پیٹ بھر کر نہیں کھایا، مگر جسم بہت کمزور ہو گیا ہے، اس لیے کیا حکم ہے، کیا پیٹ بھر کر کھا سکتا ہوں۔ جواب عنایت فرمائیں۔

سائل حیات قادری

الجواب

آپ اپنے خط کشیدہ قول سے توبہ کریں، تجدید ایمان و تجدید نکاح کریں، اور پیٹ بھر کر کھانا کھا کر دس مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلائیں، جیسا کھانا آپ کھاتے ہیں یا دس مسکین کو کپڑا دیں۔ اگر ان دونوں میں سے کسی پر استطاعت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھیں۔ والی مولیٰ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد طاہر حسین پورنوی غفرلہ ۲۲ رجب المرجب ۹۳ھ

الجواب صحیح: بہت جلد توبہ کیجیے، بہت بری حرکت آپ نے کی، یہ کیا برا کلمہ بکا، تجدید ایمان کیجیے، تجدید نکاح کیجیے، پیٹ بھر کر کھانا ویسے بھی نہیں چاہیے کچھ پیٹ خالی رکھنا چاہیے، آپ پیٹ بھر نہ کھائیں تو اچھا ہے، اور اگر کھائیں تو کفارہ دیں جیسا جواب میں مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تنبیہ: وحدہ لا شریک لہ، ایسے لکھا کریں بولا کریں۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

(۷) اعتقادات و معمولات

کسی مسلمان ہونے والے کو فوراً کلمہ کی تلقین کرنا فرض ہے

(۴۶) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید ایک کافرہ کو جامع مسجد میں امام مسجد کی خدمت میں جو مولوی اور مفتی بھی ہیں مسلمان کرنے کی غرض سے لایا اور مسلمان کرنے کو کہا: امام صاحب نے فرمایا: بعد جمعہ مسلمان کروں گا، حالاں کہ جمعہ کی نماز میں اتنی تاخیر تھی کہ امام صاحب نے کچھ دیر بیٹھ کر بعد سنتیں پڑھیں اور نصف گھنٹہ وعظ فرمایا، پھر خطبہ پڑھا، زید نے کہا کہ کافرہ کو نہلا کر لایا ہوں، ابھی مسلمان کر دیجیے، تو وہ جمعہ بھی پڑھ لے، امام صاحب نے فرمایا: اسلام لانے کے بعد غسل اس پر فرض ہے، لہذا بعد جمعہ بہتر ہوگا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعد اسلام تجدید غسل فرض ہے یا نہیں؟ نیز امام صاحب اس تاخیر کرنے میں حق بجانب ہیں یا نہیں۔ بیسوا توجروا.

الجواب

زید اور اس مولوی پر توبہ و تجدید اسلام و تجدید نکاح لازم۔ عورت نے زید سے جس وقت کہا تھا کہ

میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں اسی وقت زید پر لازم تھا کہ وہ اسے مسلمان کرتا۔ تفصیل سے تلقین اسلام پر اگر وہ قادر نہ تھا تو کلمہ طیبہ تو پڑھا سکتا تھا۔ اللہ عزوجل کی توحید اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا اقرار تو لے سکتا تھا۔ یہ ایمان مجمل کی تلقین اس کے اسلام کو کافی تھی۔ اتنا کرنے کے بعد پھر عالم کے پاس لے جاتا کہ وہ مفصل تلقین کرتا۔ جتنی دیر اس نے اسے غسل کرایا پھر عالم کے پاس لے گیا اتنی دیر کا اس کے ذمہ رضا بہ بقاء الکفر کا الزام ہے۔ عالم کے پاس جب وہ پہنچی تھی، عالم پر فرض تھا کہ فوراً اسے مسلمان کرتا۔ زید نے تو ایک وجہ سے یہ تاخیر کی تھی مگر عالم پر حکم میں کوئی اختلاف نہیں معلوم ہوتا۔ اور عقلاً بھی اس پر الزام بشدت ہے کہ جاہل کے لیے جہل اگرچہ شرعاً عذر نہ ہو مگر عقلاً عذر ہو سکتا ہے۔ نماز اگر قائم ہوتی جب بھی قطع صلاۃ کی اس اہم کام کے لیے شرعاً اجازت تھی۔

خلاصہ پھر شرح فقہ اکبر علی قاری میں ہے:

”کافر قال لمسلم أعرض علي الإسلام فقال: اذهب إلى فلان كفر.“ (۱)
 کسی کافر نے مسلمان سے کہا مجھ پر اسلام پیش کرو (کلمہ پڑھا دو) تو اس نے کہا کہ فلاں کے پاس چلے جاؤ تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (مترجم)
 شرح فقہ اکبر میں اس کی وجہ یہ لکھی:

”لأنه رضى ببقائه في الكفر إلى حين ملازمة العالم ولقائه، أو لجهله بتحقيق الإيمان لمجرد إقراره بكلمتي الشهادة، فإن الإيمان الإجمالي صحيح إجماعاً، وقال أبو الليث: إن بعثه إلى عالم لا يكفر؛ لأن العالم ربما يحسنه ما لا يحسن الجاهل، فلم يكن راضياً بكفره ساعة، بل كان راضياً بإسلامه أتم وأكمل.“ (۲)

اس لیے کہ وہ عالم سے ملاقات کے وقت تک کافر کے حالت کفر میں باقی رہنے پر راضی ہے، یا اس کی تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس امر سے جاہل ہے کہ محض اقرار شہادتین سے ایمان کا تحقق ہو جاتا ہے، اس لیے کہ ایمان اجمالی بالاتفاق درست ہے۔ اور فقیہ ابو الیث کہتے ہیں کہ اگر اس نے کافر کو عالم کے پاس بھیجا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ عالم بسا اوقات اس کام کو بہتر طریقہ سے کر سکتا ہے جسے جاہل بہتر طریقہ سے نہیں کر سکتا، لہذا وہ اس کے کفر سے ایک لمحہ کے لیے بھی راضی نہ ہوا، بلکہ اس کی

(۱) [شرح الفقہ الاکبر للعلامة علي القاري. ۲۱۸]

(۲) [شرح الفقہ الاکبر للعلامة علي القاري. ۲۱۸]

مرضی یہ تھی کہ کافر اسلام کو آئیل و اتم طریقے سے قبول کرے۔ (مترجم)
مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر میں ہے:

”كافر جاء إلى رجل وقال: أعرض على الإسلام فقال: إذهب إلى فلان
يكفر، وقيل لا“ (۱)

کوئی کافر کسی شخص کے پاس آ کر یوں: مجھے مسلمان کر لے، تو اس نے کہا کہ فلاں کے پاس چلے جاؤ،
تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اور ایک قول یہ کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ (مترجم)
نور الايضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے:

”يجوز قطعها بسرقه يساوي درهماً أو طلب منه كافر عرض الإسلام
عليه“ (۲)

قطعید جائز ہے ایک درہم برابر چوری کرنے پر اور اسی طرح اس صورت میں جب کافر نے اس
سے اسلام میں داخل کرنے کا مطالبہ کیا ہو۔ (اور اس نے اس کو کلمہ نہ پڑھایا ہو) (مترجم)
حاشیہ علامہ طحطاوی علی المراقی: ۳۷۲ میں ہے:

”إنما أبيع له البقاء في الصلاة لتعارض عبادتين، ولا يعد ذلك راضياً ببقائه
على الكفر، بخلاف ما إذا أخره عن الإسلام هو في غير الصلاة.“ (۳)
اسے نماز میں مشغول رہنا جائز قرار دیا گیا دونوں عبادتوں میں تعارض ہونے کی وجہ سے، اور اس
کا یہ عمل بقا علی الکفر سے رضائے ٹھہرے گا، برخلاف خارج نماز میں تاخیر کرنے کے۔ (مترجم)
امام ابن حجر مکی ”اعلام الاعلام بقواطع الاسلام“ میں فرماتے ہیں:

”ومن المكفرات أيضاً أن يرضى بالكفر ولو ضمناً، كأن يسأله كافر يريد
الإسلام أن يلقنه كلمة الإسلام فلم يفعل، أو يقول له أصبر حتى أفرغ من شغلي أو
خطبتي لو كان خطيباً.“ (۴)

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: باب الفاظ الكفر انواع، ۱/ ۶۹۰]

(۲) [نور الايضاح مع الطحطاوي: ۳۷۲]

(۳) [نور الايضاح مع الطحطاوي: ص: ۳۷۲]

(۴) [اعلام الاعلام بقواطع الاسلام، ص: ۱۹]

اور رضا بالکفر اگرچہ ضمنی طور پر ہو، اسباب کفر سے ہے، مثلاً کوئی کافر جو مسلمان ہونا چاہتا ہو، کسی سے کہے مجھے کلمہ اسلام پڑھاؤ تو یہ شخص نہ پڑھائے۔ یا اس سے کہے کہ تھوڑی دیر کو یہاں تک میں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں۔ یا اپنی تقریر سے فارغ ہو جاؤں اگر خطیب ہو تو۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

”لو قال کافر لمسلم أعرض علي الإسلام، فقال: حتى أرى، أو أصبر إلى الغد، أو طلب عرض الإسلام من و اعظ فقال: إجلس إلى آخر المجلس كافر، وقد حكينا نظيرها عن المتولي“ (۱)

اگر کسی کافر نے کسی مسلمان سے کہا مجھے مسلمان بنا لو، تو اس نے جواب دیا کہ مجھے غور کرنے کا وقت دو۔ یا کہا کہ کل تک ٹھہرو۔ یا پھر اس نے واعظ سے اسلام میں داخل کرنے کی گزارش کی اس نے جواب دیا کہ اختتام مجلس تک ٹھہرو۔ تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ تحقیق ہم نے متولی سے اس کی نظیریں پیش کر دیں۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

”قال له كافر أعرض علي الإسلام، فقال: لا أدري صفة الإيمان، أو قال: اذهب إلى فلان الفقيه (إلى قوله) ما ذكره في المسئلتين الأوليتين هو المعتمد كما قدمته بما فيه لمام أنه متضمن ببقائه على الكفر ولو لحظة، والرضا بالكفر كافر.“ (۲)

اگر کسی کافر نے مسلمان سے کہا کہ مجھ پر اسلام پیش کرو، تو اس نے جواب دیا کہ میں صفت ایمان سے واقف نہیں ہوں۔ یا کہا کہ فلاں فقیہ کے پاس چلے جاؤ۔ اس قول تک جو شروع کے دونوں مسئلوں میں مذکور ہوا، یہی معتمد ہے، جیسا کہ میں نے اس کا حکم پہلے بیان کر دیا کہ اس کے اس قول سے کافر کے لیے بقا علی الکفر ثابت ہوتا ہے اگرچہ لمحہ بھر کے لیے ہو، اور رضا بالکفر کفر ہے۔ (مترجم)

دونوں پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح فرض ہے۔ کہ کفر متفق علیہ و مختلف فیہ کا اس بارے میں ایک ہی حکم ہے۔ مجمع الانہر میں فرمایا: ”ما كان في كونه كفراً اختلافاً يؤمر قائله بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك احتياطاً.“ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم.

(۱) [اعلام الاعلام بقواطع الاسلام، ص: ۲۸]

(۲) [اعلام الاعلام بقواطع الاسلام، ص: ۲۸]

(۳) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۱ / ۳۲۵]

جس امر کا کفر ہونا مختلف فیہ ہو اس کے قائل کو احتیاطاً تجدید نکاح، توبہ اور رجوع کا حکم دیا جائے گا۔ (مترجم)

کافر غیر جنبی اگر اسلام لائے تو بعد اسلام اسے غسل مندوب ہے اس پر واجب نہیں۔ اور اگر جنبی تھا اور اسلام لایا تو بعد اسلام اس پر جو غسل میں اختلاف روایت ہے۔ ایک روایت میں واجب اور ایک میں واجب نہیں۔

ملتی الأبحر اور اس کی شرح مجمع الأنهر میں ہے:

”یحب علی من أسلم جنباً. في رواية عن الإمام يجب عليه الغسل إذا أسلم حبساً، ووجوبه بإرادة الصلاة وهو عندها مكلف فصار كالوضوء، ولأن الجنابة صفة مستدامة ودوامها بعد الإسلام كإفشائها فيجب الغسل وإلاندب، أي: إن أسلم ولم يكن جنباً فإن الغسل مندوب له“ (۱)

کافر جنبی اسلام لائے تو اس پر غسل واجب ہے، امام صاحب کی روایت کے مطابق اس پر غسل واجب ہوگا، جب کہ وہ حالت جنابت میں اسلام لائے، اور غسل کا وجوب نماز کے ارادہ سے ہوگا کیوں کہ وہ ہمارے نزدیک مکلف ہے لہذا یہ غسل وضو کی طرح ضروری ہوگا، اور اس لیے کہ جنابت صفت دائمی ہے لہذا اس کا دوام اس پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ بعد اسلام بھی باقی ہے، لہذا غسل واجب ہے ورنہ مستحب ہے یعنی اگر طہارت کی حالت میں اسلام لایا تو غسل اس کے لیے مستحب ہوگا۔ (مترجم)

اور یہاں تو وہ عورت نہلا دھلا کر لائی گئی تھی، اب اس کے بعد بھی اس پر غسل فرض بتانا عجیب ہے۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله. اس عالم پر کتنے ہی الزام ہیں سب سے توبہ و رجوع لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر مصطفیٰ رضا غفرلہ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جواب حق و صواب۔ اور۔ مجیب مصیب و مثاب ہے۔ بلاشبہ صورت مستفسرہ میں جب کہ زید سے صاف کہہ دیا تھا کہ عورت کو نہلا کر مسلمان کرانے لایا ہے کہ نماز جمعہ بھی ادا کر لے، پھر کون سی وجہ اسلام سے روکنے اور محروم رکھنے کی تھی آہ! مفتی نے اتنی دیر اسے کفر پر رکھا اور کفر پر راضی رہا۔ والعیاذ باللہ

تعالیٰ۔ موت کا وقت معلوم نہیں، کوئی حادثہ ہا لکہ پیش آجاتا اور عورت مرجاتی، یا شیطان خناس کوئی وسواس اس کے دل میں پیدا کر دیتا تو عورت جہنمیہ ابدیہ ہو کر مرتی اور نعمت اسلام سے محروم ہو جاتی، اور یہ کفرزید اور مفتی صاحب کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا۔ ان مفتی کے مفتی صاحب کو بفرض غلط اگر تلقین اسلام سے بھی کوئی اشد واہم کام تھا تو کلمہ توحید کے دو حرف پڑھاتے کیا چھین پہر لگتے تھے، کسی کے خواہش اسلام کے وقت تو نماز جیسی افضل واہم عبادت کا تو زدینا اور اسے مسلمان کرنا حسب تصریحات فقہائے کرام جائز ہے۔ پھر مسجد میں معطل بیٹھے رہنا، اور سنتیں پڑھنا، آدھا گھنٹہ جمعہ سے پہلے وعظ گوئی میں گزارنا، کون اہم فریضہ تھا کہ دو حرف کلمہ شہادت کے نہ پڑھائے گئے، اور پھر عذر بھی کتنا معقول کہ اسلام لانے کے بعد غسل اس پر فرض ہے، لہذا بعد جمعہ بہتر ہے۔

سبحان اللہ، اسلام بعد جمعہ بہتر ہے قبل جمعہ اچھا نہیں؟ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ هَمْزَاتِ الشَّيَاطِينِ
وان يحضرون۔ یہ عجیب منطق الطیر ہے۔ بریں عقل و دانش باید گریست۔ غسل بالفرض اگر فرض تھا تو نماز کے لیے، نہ اسلام لانے کے لیے۔ بغیر غسل اتنا ہی تھا کہ نماز ترک ہوتی، کیا کلمہ پڑھنا بھی بے غسل کفر و حرام تھا؟ اور بعد اسلام اگر اس پر غسل فرض بھی ہو جاتا تو وہ فرض غسل ادا کرتی یا نہ کرتی مفتی صاحب پر تو اس تاخیر تلقین اسلام سے کفر لازم نہ آتا، اور نجاست کفر سے تو وہ پاک ہو جاتی۔ پھر اتنا وقت بھی تھا کہ وہ فریضہ غسل بھی ادا کر لیتی۔ لطف یہ کہ یہ مسئلہ ہی غلط کہ پاک ہو کر بھی کوئی اسلام لائے تو اس پر بھی غسل فرض۔ وہ عورت نہا کر پاک ہو کر قبول اسلام کے لیے بقصد نماز آئی تھی، اس پر کون حدت حکمی باقی تھا جس پر فرضیت غسل کا جبروتی حکم جڑ دیا گیا۔ عامہ کتب فقہیہ میں تصریح ہے کہ اسلام لانے سے پہلے اگر نہا لیا اور پاک ہو کر قبول اسلام کیا تو وہ دوبارہ نہانا ہرگز فرض نہیں، صرف نظافت کے لیے نہالے تو اچھا ہے، محبوب و مندوب ہے فرض نہیں۔

(در مختار میں ہے: "إن أسلم طاهراً فمندوب" (۱))

اگر طہارت پر اسلام لایا تو غسل مندوب ہے۔ (مترجم)

علامہ شامی نے فرمایا: "أي من الجنابة والحیض والنفاس أي: بأن كان

اغتسل أو أسلم صغيراً فتأمل" (۲)

(۱) [الدر المختار۔ کتاب الطہارة . مطلب فی رطوبة الفرج: ۱/۲۷۶]

(۲) [ردالمحتار کتاب الطہارة، مطلب فی رطوبة الفرج: ۱/۲۷۶]

یعنی جنابت، حیض اور نفاس سے پاکی کی حالت میں مثلاً وہ غسل کر چکا تھا، یا بچپن میں اسلام لایا۔ (مترجم)

پھر علامہ عبدالغنی نابلسی نے تصریح فرمائی اور دربارہٴ اغتسالات اربعہ مذکورہ میں فرمایا:
 ”حاصله أنهم صرحوا بأن هذه الاغتسالات الأربعة للنظافة لا للطهارة.“ (۱)
 اس سے حاصل یہ ہے کہ فقہانہ تصریح کر دی ہے کہ یہ چاروں غسل نفاخت کے لیے ہیں حصول طہارت کے لیے نہیں۔ (مترجم)

یعنی نہا کر اسلام لانے اور پورے پندرہ برس کا ہو کر بالغ ہونے اور نماز جمعہ و نماز عیدین کے لیے غسل بتصریح ائمہٴ محض نفاخت کے لیے، نہ بضرورت طہارت، علمائے کرام نے سولہ چیزیں گنائیں، جن کے بعد غسل مستحب فرمایا: ایک انہیں میں یہی قبول اسلام بہ طہارت ہے۔ اور تصریح فرمادی کہ یہ سب غسل بغرض نفاخت ہیں نہ بہ ضرورت۔
 مراقی الفلاح اور نور الایضاح میں ہے:

”ویندب الاغتسال في ستة عشر شيئاً، لمن أسلم طاهراً الخ.“ (۲)
 مستولہ مواقع پر غسل مندوب ہے، مثلاً وہ شخص جو طہارت پر اسلام لائے۔
 اسی پر علامہ شرنبلالی نے فرمایا:

”من أسلم طاهراً أي: عن جنابة وحيض و نفاس للتنظيف عن أثر ما كان منه“ (۳)

یعنی جو جنابت، حیض اور نفاس سے طہارت پر اسلام لائے تو اس کے لیے غسل مستحب ہے سابق اثر سے پاکیزگی کے لیے۔ (مترجم)

تو طہارت تو اسے حاصل تھی پھر کیوں اسے کلمہ نہ پڑھا کر جھوٹے حیلہ بہانوں سے شریک عبادت نہ ہونے دیا گیا۔ کیا بہ نیت اسلام جو غسل ہو اس سے ازالہ حدت حکمی نہیں ہوتا؟۔ جنابت و حیض و نفاس سے طہارت نہیں ہوتی، نماز اس سے حرام ہے؟۔ لا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلیٰ العظیم۔

(۱) [رد المحتار علی الدر: سنن الغسل، ۱/۱۶۹]

(۲) [مراقی الفلاح و نور الایضاح، کتاب الطہارۃ: ۱۰۸]

(۳) [مراقی الفلاح و نور الایضاح، کتاب الطہارۃ: ۱۰۸]

بالجملہ ظاہراً قبول اسلام کے بعد ہرگز غسل فرض نہیں، مفتی و مخطی امام مرتکب حرام اور مستحق آثام۔ اس پر اور زید پر توبہ و تجدید نکاح و تجدید اسلام کا حکم ضروری، صحیح و صواب، بلاشک و بلاکلام۔ واللہ الموفق المنعم واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر محمد حامد رضا خاں قادری نوری غفرلہ

اہل سنت اعتقادات و معمولات میں افراط و تفریط سے پاک ہیں

(۳۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
ایسی کتاب کے بارے میں جس کا مصنف اپنے کو عالم اہل سنت و جماعت کہتے ہوئے مندرجہ ذیل خیالات و عقائد کا اظہار کرے اور صحابہ کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرے اور ان پر مصر ہو؟۔

(۱) ”حق یہ ہے کہ ابوالبشر کی اولاد میں حضرت علی جیسی صفات حسنہ مجتمہہ کا انسان پیدا ہی نہیں ہوا، اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اہل بیت تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ تھے۔ اہل بیت کا انحصار موافق حدیث و تشریح آیت تطہیر و آیت مباہلہ جناب امیر و حضرت فاطمہ و حضرات حسنین میں ہے۔ اہل بیت کے بعد یقینی و قطعی خلفائے ثلاثہ تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ تھے۔“

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین خصوصاً حضرت سیدنا معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو ہر بد سے بد فعل کو خالصاً لوجہ اللہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہنا مقتضائے سنیت دے لیا گیا ہے۔

(۳) حضرت معاویہ نے سمجھ لیا کہ قیس دام میں نہ آئیں گے، یہ جناب امیر کے سچے ہمدرد اور مطیع ہیں، تب دوسرا چال پھیلایا، ان کے بعد عمرو بن عاص کی چال بازیوں نے خوب ترقی کی۔

(۴) حضرات طلحہ و زبیر کی شرکت نے آتش فتنہ و فساد کو اور بھی مشتعل کر دیا۔ آں حضرت کی صحبت حضرت معاویہ کو کم نصیب ہوئی تھی، اور ان کے فیض سے مستفیض ہونا یہاں بالکل مفقود تھا۔

(۵) حضرت امام حسن کی شہادت میں بھی مروان ملعون درمیانی ہے، یہ ذہنیت بجز معاویہ کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اگر معاویہ سے زائد بتلاے معاصی کوئی شخص معاویہ کی جگہ پر ہوتا تب بھی امام حسن اس کو خلافت سپرد کر دیتے، معتبر تاریخیں معاویہ کے معائب سے بھری معلوم ہوتی ہیں۔ غرض کہ معاویہ کی دنیا طلبی نے دین سے چھڑا کر تمام رعایا کو دنیاوی خواہشات میں مبتلا کر دیا۔ مسلمانوں کو ان کے حال سے عبرت کرنا چاہیے اور خدا سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ جو واقعات جناب امیر کی خلافت میں پیش آئے اس

میں معاویہ کی خواہش حکومت میں جذبہ انتقام بھی پنہاں تھا۔ اس قدر مسلمانوں کا خون معاویہ نے محض حکومت حاصل کرنے کی خواہش میں کرایا تھا۔“

الجواب

وہ شخص باوصف ادعائے سنیت، نہ سنیت بلکہ پیشوائی اہل سنت ایسے بے ہودہ اقوال رکھتا ہے جنہیں مذہبِ رضی کی جان کہا جائے تو بچا، جو روافض کا دین و ایمان ہیں۔ اس شخص پر ان اقوال سے توبہ و رجوع لازم۔ اس کے اس قول نے کہ ”ابو البشر کی اولاد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی صفاتِ حسنہ مجتمہہ کا انسان پیدا ہی نہیں ہوا“ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ ہی نہیں جمیع انبیاء بلکہ خود سرور عالم سید اعظم مولاے دو جہاں سلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی بڑھا دیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سید الانس والجان ہیں اور از اولاد کرام حضور ابو البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور اس قول میں ہے کہ ”مولیٰ علی جیسی صفاتِ حسنہ مجتمہہ کا ابو البشر کی اولاد میں کوئی انسان پیدا ہی نہیں ہوا“ تمام صحابہ سے حضراتِ شیخین کریمین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اکبر و حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم بھی ہیں، حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو افضل بتانا ہی تھلیل بہ تفضیل کو کافی۔ تو یارب! ایسا قول جس میں ان کی تمام انبیاء پر بھی تفضیل نکلے اس کے ساتھ کیا کچھ حکم ہوگا۔ اس پر کیا حکم رب جلیل ہوگا؟ پھر ایسے سے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نیز حضرت سیدنا طلحہ و حضرت سیدنا زبیر و حضرت سیدنا عمرو بن غاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کی کیا شکایت؟ یہ شخص مدعی سنیت ہے اور نہیں جانتا کہ اہل سنت حضرات صحابہ کے ساتھ کیسا ادب رکھتے ہیں، ان کے آپس کے مشاجرات میں اپنی کیا روش رکھتے ہیں۔

بجہ تعالیٰ ارباب سنت افراط و تفریط دونوں بلاؤں میں مبتلا نہیں، دونوں سے پاک ہیں۔ نہ وہ حضرت مولیٰ علی کی اسے محبت جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب، حضرت سیدنا مولیٰ علی کے احباب سے کسی کی تنقیص کریں کہ مولیٰ علی کا دامن تھا منے کے مدعی بنیں اور اوروں کو چھوڑ کر لقبِ رافضیہ اختیار کریں۔ نہ اوروں کی اس میں محبت مانتے ہیں کہ معاذ اللہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اہانت کریں اور دائرہ مذہبِ مہذب سے قدم باہر رکھ کر خارجی کہلائیں۔

حسن سنی ہے پھر افراط و تفریط اس سے کیوں کر ہو۔ ادب کے ساتھ رہتی ہے روش ارباب سنت کی باپ چچا کی لڑائی میں باپ کی طرف ہو کر چچا کے ساتھ گستاخی کرنے والا، چچا کو گالیاں دینے والا، کسی ذی عقل کے نزدیک راہِ صواب پر نہیں ہو سکتا، اگر چہ چچا خطا پر ہو، خصوصاً ایسا جس کی پیدائش سے قرون پہلے جنگ ہو چکی ہو، جس کے حالات، جس کے وجوہ و علل و اسباب سے یہ محض بے خبر ہو، قطعاً طور

پر کوئی خبر اسے نہ پہنچی ہو، نہ پہنچ سکتی ہو، یہ محض اپنے تعلق کی بنا پر باپ کو مظلوم، چچا کو ظالم، باپ کو حق پر، چچا کو ناحق پر بتائے، چچا کو گالیاں سنائے۔ یا محض اس لیے کہ اکثر لوگ باپ کو حق پر بتاتے ہیں، چچا کو خطا پر۔ چچا کی نیت پر حملہ کرے اور برا کہے، تو ان ائمہ دین و اعظم ملت کے باہمی مشاجرات میں کسی ایک طرف ہو کر دوسرے سے تبری، ایک جانب ہو کر دوسرے پر تبرا کیوں کر روا ٹھہرے گا اور کیوں کر سخت تر تبرا نہ ہوگا۔ کیا اللہ عزوجل معاذ اللہ ان کے مشاجرت سے واقف نہ تھا جس نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا جو قبل فتح ایمان لائے، اور جو بعد فتح۔ کہ فرمایا:

﴿وَكَلَّا وَعَدَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ (۱) اور سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔
جس نے ارشاد کیا:

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (۲)
اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی۔

وہ عالم الغیوب والشہادۃ عزجلالہ جب ان کی تمام کیفیات، سارے حالات، معاملات، مشاجرات، ان کی نیات و خطرات سب سے واقف ہے، اور جو کچھ جس نیت سے جس سے ہو اس سب سے سب کا عالم ہے، اور پھر فضل صحبت کی بنا پر اپنے فضل و کرم سے ان سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا ہے، تو پھر کسی کو ان پر نکتہ چینی کا کیا موقع ہے، ان کے اعمال پر اعتراض کرنے کا کیا منہ ہے۔ صحابہ کو معصوم کون کہتا ہے۔ معصوم نہ حضرت معاویہ تھے، نہ اور حضرات، نہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یا یہ مدعی پیشواے اہل سنت حضرت مولیٰ علی کو روافض کی طرح معصوم جانتا ہے، اور حضرت معاویہ وغیرہ کو غیر معصوم۔ اگر ایسا ہے تو اس کا سنی ہونا معدوم۔ اس تبرا کو تو کسی طرح اس پر محمول کر لیا جاتا کہ ناواقفی سے ایسے کلمات لکھ دیے، روافض کی صحبت، ان کی کتابوں کے مطالعہ کا یہ نتیجہ ہوا، مگر اسے کا ہے پر محمول کیا جائے؟۔

اللہ اللہ! نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ارشاد فرمائیں:

((اللہ اللہ فی أصحابی لا تتخذوہم غرضاً من بعدی، فمن أحبہم فبحبی أحبہم، ومن أبغضہم فببغضی أبغضہم، من آذاہم فقد آذانی، ومن آذانی فقد اذی اللہ، ومن اذی اللہ تعالیٰ فیوشک أن يأخذہ.)) (۳)

(۱) [سورة الحديد: ۱۰] (۲) [سورة المائدة: ۱۱۹]

(۳) [مشكاة المصابيح. باب: مناقب الصحابة الفصل الثاني، ۳/۱۶۹۶]

میرے بعد میرے صحابہ کو نشانہ نہ بنانا، تو جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کے سبب ہی ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہی بغض رکھا۔ جس نے ان کو ستایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے رب کو اذیت پہنچائی اور جو اللہ کو اذیت دے قریب ہے کہ اللہ اس کا مواخذہ فرمائے۔ (مترجم)

اور یہ مدعی پیشوائے اہل سنت امیر معاویہ و حضرت طلحہ وغیرہ سے یہ بغض رکھیں۔
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ارشاد فرمائیں:

((من سب أصحابي فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين)) (۱)
جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ (مترجم)

نیز فرمائیں: ((من سب أصحابي جلد)) (۲)

جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس کو کوڑے لگائے جائیں۔ (مترجم)
اور یہ عالم اہل سنت کہلانے والے اجلہ صحابہ کو یوں گالیاں دیں۔
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو فرمائیں:

((لا تسبوا أحداً من أصحابي فإن أحدكم لو أنفق مثل أحد ذهباً ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه.)) (۳)

میرے کسی صحابی کو گالی مت دو کیوں کہ اگر تم میں کوئی آدمی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے (راہ خدا) میں تو بھی ان کے رتبہ یا اس کے نصف کو نہ پہنچ سکے گا۔ (مترجم)
نیز حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہوا:

((لا تسبوا أصحاب محمد صلى الله تعالى عليه وسلم ، فلمقام أحدهم

ساعة (مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم) خير من عمل أحدكم أربعين سنة)) (۴)

(۱) [کنز العمال، کتاب الفضائل، حدیث: ۳۲۴۷۴-۱۱/۲۴۲]

(۲) [مجمع الزوائد للہیثمی: ۲۶/۶]

(۳) [صحیح مسلم، کتاب: فضائل الصحابة، ۶۵۸۰-۲/۳۱۰]

(۴) [سنن ابن ماجہ، المقدمة، کتاب السنة، فضل اهل بدر، حدیث: ۱۶۲-۱/۷۷]

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کو برامت کہو، کیوں کہ ان کی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ساعت کی صحبت تمہاری چالیس سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مترجم)

ایک روایت میں حضرت امام وکیع سے ہے:

((خیر من عبادة أحدکم عمره.)) (۱)

تمہاری عمر بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مترجم)

اور یہ مدعی صاحب ایک حضرت معاویہ ہی نہیں اور بھی کتنے صحابہ عظام پر تبرابازیاں کریں۔

ع: ہمیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا

حضرات اہل بیت طہارت واصحاب سرکار رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ سے ہماری محبت ان کی ذوات و نفوس کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اہل بیت واصحاب ہیں، تو ہمارے نزدیک جو محبت و جاں نثار سرکار ہوگا وہ ان سب کا محبت و دوست دار ہوگا، اور جو ان میں کسی سے بغض رکھے گا ظاہر ہوگا کہ وہ اس سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام ہی سے بغض رکھتا ہے۔ یہ میں نہیں کہتا ابھی خود ارشاد حدیث سے معلوم ہو چکا، تو جو حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی محبت و عظمت کا اظہار کرتا ہے اور حضرت امیر معاویہ وغیرہ سے سوء رکھتا ہے وہ نہ حضرت علی کی ذات بابرکات سے محبت کا مدعی ہے، نہ مولیٰ علی ابن ابی طالب کا دوست دار ہے اور نہ مولیٰ علی اخ الرسول کا۔ و هذا معنی قول المولوي مولانا جلال الدين الرومي: قدس سره: في المثنوي:

اے گرفتار ابو بکر و علی

تو چہ دانی سر حق کہ غافل

اے حضرات ابو بکر و علی کی محبت و عداوت میں گرفتار تو راز خداوندی کو کیا جانے۔ (مترجم)

كما في المستند المعتمد لشيخنا المجدد سندنا الوالد الماجد قدس سره۔

جیسا کہ والد گرامی مجدد عصر شیخ امام احمد رضا قدس سرہ کی کتاب ”المستند المعتمد“ میں ہے۔ (مترجم)

عجب اس عالم اہل سنت کہلانے والے بزرگ سے جسے نہ مذہب اہل سنت کی خبر نہ مسلک اہل

سنت معلوم۔ مولیٰ علی کی تعریف پر آئے تو انہیں برخلاف مذہب اہل سنت بے شبہ تمام صحابہ سے مطلقاً

افضل و اعلیٰ بتا دیا کہ دائرہ مذہب اہل سنت سے نکل کر مذہب تفضیلیہ میں قدم رکھ دیا، بلکہ اس قول نے

(۱) [شرح الطحاویة: باب والله يغضب ويرضى، ۱/۴۷۸]

[الموسوعة العقيدية: باب الادلة من كلام السلف، ۷/۲۸۸]

انہیں برخلاف اسلام سید الانبیا سے بھی بڑھا دیا۔ حضرت امیر معاویہ پر نزلہ گرا تو انہیں کیا اور کیا کہہ ڈالا۔ مروان کو تو ملعون تک کہا۔ کیا سنیوں کا یہی مذہب ہے اور کیا سنیوں کا یہی مسلک ہے؟ کوئی مسلمان کیسا ہی فاسق و فاجر ہو سنی مسلمان کے نزدیک تو اس پر لعنت جائز نہیں، بلکہ کسی خاص کافر کو بھی ملعون کہنا نہ چاہیے سو ان کفار کے جن کا کفر پر خاتمہ قطعاً معلوم ہو لیا، جیسے ابو جہل۔ یہ تو جو چھ تھامر۔ ع

پتھر کے تلے دبا ہے دامن

حضرت امیر معاویہ پر جو طعن اچھل اچھل کر کیے گئے ہیں، پھر حضرت سیدنا امام حسن، ان طاعن صاحب کی عنایات و منن سے کیوں کر بچ سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسے اور ایسے کو خلافت دے دی۔ اور معاذ اللہ، اسلام و مسلمین کے ساتھ خیانت کی، بلکہ خود حضور تک یہ طعن پہنچے گا کہ حضور نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تفویض امامت بامیر معاویہ کو پسند فرمایا۔ معاذ اللہ ایسے بد افعال، مفتن، مفسد، عیبی، فریبی، دھوکہ باز، حیلہ ساز، بتلاے معاصی، دنیا طلب، خود مطلب، اپنے مطلب کے لیے مسلمانوں کے خون بے دریغ بہانے والے مسلمانوں کو دین سے چھڑا کر دنیاوی فاحشات میں مبتلا کرنے والے کو امام حسن نے خلافت دی اور حضور اسے پسند فرماتے ہیں۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العظیم

یوں نظر دوڑے نہ برچی تان کر
اپنا بے گانہ ذرا پہچان کر

ان صاحب مدعی اہل سنت نے تو صاف کہہ دیا کہ اگر حضرت معاویہ سے زائد بتلاے معاصی کوئی شخص معاویہ کی جگہ پر ہوتا تو تب بھی امام حسن اس کو خلافت سپرد کر دیتے۔ یہ مدعی صاحب اسے امام حسن کے حق میں تبرانہ جانیں مگر زمانہ تو اسے تبرا ہی جانے گا کہ اتنی عظیم امانت، ایسا عظیم مرتبہ، مسلمانوں کی جانوں تک کا فیصلہ، اسلام کا بڑے سے بڑا، چھوٹے سے چھوٹا، نازک سے نازک معاملہ، اہم سے اہم فیصلہ، ایک خائن، ایک فاسق، ایک فاجر، اور چینس و چناں کے سپرد کر کے خود چین کی زندگی گزارنے، سکھ کی نیند سونے کو سبک دوش ہوں۔ ایک فاسق کی ذرا زبان سے مدح کرنے، یا کسی طرح کوئی تعظیم کرنے پر تو حدیث میں فرمایا:

((إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش.)) (۱)

جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو رب تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور عرش ہلنے لگتا ہے۔ (مترجم)

(۱) (شعب الایمان . باب حفظ اللسان ، ۵۱۱/۶)

[مشکاة المصابیح: باب حفظ اللسان ، الفصل الثالث ، ۳/۱۳۶۳]

یارب اس قدر اعظم عزت و عظمت، ارفع مرتبت دنیا، مسلمانوں کی سب سے اعظم سیادت، نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت و خلافت بخشا یہ کیوں کر کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ خصوصاً امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک، وہ اسے اپنے لیے کیوں کر جائز رکھتے۔

اور پھر اس الزام کا کیا جواب ہوگا کہ بڑے بھائی نے باوجود قوت و شوکت و شش ماہہ خلافت یہ کیا کہ خود پناہ بخدا ایک ایسے ویسے کو خلیفہ کر بیٹھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور چھوٹے بھائی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اور اپنے بچوں اور عزیزوں سب کی جان پر بنوالی مگر یزید کی بیعت ہی نہ کی۔ اب دونوں میں سے ایک پر تو مدعی صاحب ضرور الزام رکھیں گے۔ ان کے نزدیک جب امام حسن حضرت معاویہ سے زائد کودے سکتے تھے، اور حضور نے امام حسن کی اس بات پر کہ انھوں نے خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کر دی ان کی تعریف فرمائی، تو امام حسین کو یہی راہ چلنا تھی جس کی حضور نے تعریف فرمائی تھی، خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ ایک آن کو بھی خلیفہ نہ ہوئے تھے، اور یہ ظاہری شوکت و قوت کے سامان نہ رکھتے تھے۔ اس میں وہ اور ان کے بچے اور اہل خاندان اور مسلمان ہمراہی سب محفوظ رہتے۔ کاہے کو اپنے ہاتھوں یہ مصیبتیں اپنے سر لیں، اور اگر امام حسین نے جو کچھ فرمایا وہی انہیں کرنا تھا۔ وہی ان کی شان رفیع کے لائق تھا۔ ایک فاسق فاجر سے ان کی بیعت دین میں رخنہ ہوتی۔ بیعت نہ کرنے پر اپنی اور اپنے بچوں اور ہمراہیوں کی جان و مال پر بنی جو بنی، بیعت کر لیتے تو جان دین و ایمان پر بڑی بن جاتی۔ تو امام حسن نے کیوں عند المدعی ایک فاسق فاجر کو خلافت سونپ دی؟ وہ بھی لڑنے کی پوری قوت رکھتے ہوئے۔ یا حضرت شاہزادہ گلگلوں قبا مظلوم کر بلا سیدنا امام حسین شہید جو روح جفا، ایک بے نظیر شجاع، بے مثل جری و دلیر، نہایت بلند پایہ اعلیٰ درجہ کے بہادر تھے۔ اور معاذ اللہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... تھے۔ واستغفر اللہ العلی العظیم۔

ان دونوں شہزادگان کے عمل درآمد ہی نے فیصلہ کر دیا کہ یزید علیہ ما علیہ فاسق فاجر مرتکب کبار تھا اور نالائق و نااہل خلافت۔ اور حضرت سیدنا امیر معاویہ خلافت کے اہل۔ یوں ہی حضرت شاہزادہ کلاں نے ان کے سپرد فرمادی اور شاہزادہ خورد نے یزید کے ہاتھ پر بیعت بھی اپنے لیے جائز نہ رکھی۔ مدعی صاحب اگر ان صاحبزادگان سرکار ذیشان کے اس عمل ہی پر نظر غور و تامل کریں تو گریبان میں منہ ڈالیں کہ انہوں نے کس پر تبرا کیا ہے اور کس عظیم کو کیا کیا کہا ہے؟ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ مدعی صاحب جو و انقض سے سیکھ کر حضرت امیر معاویہ وغیرہ کبار صحابہ پر تبرا کی بوچھاڑ کر رہے ہیں کیا خارجیوں کے مطاعن کے جواب کو بھی تیار ہیں۔ جیسے بے ثبوت دعوے انہوں نے کیے ہیں وہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الاسنی

کے لیے انہیں دودھرا دیں گے تو کیا جواب ہوگا؟ کیا وہ نہیں کہہ سکتے کہ قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پناہ بخدا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے مشورہ سے ہوا، انہوں نے ہی ساری کاروائی کرائی، دل سے حکومت کے طالب رہے اور اس کے لیے یہ کچھ کیا، مگر زبان سے تقیہ انکار ہی کرتے رہے۔ یوں ہی ہر بات اگر خارجی حضرت مولیٰ علی کے لیے بکے تو اس کی زبان کون روک لے گا؟۔

رہا ثبوت تو جیسے تم اس سے بے نیاز بنے ہو ایسے ہی وہ بھی، تم نے اٹکل پچو کچھ جھوٹے دعوے کر دیے اور حضرت امیر معاویہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو سوء رکھتے ہو اس کی کچھ بھڑاس نکال لی۔ یوں ہی وہ بھی یہ بے سرو پیا باتیں اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کو کہہ بھاگا۔ اے پیشوائے اہل سنت کے مدعی مذہب و مسلک اہل سنت پہلے تو معلوم کر لیا ہوتا، پھر ہی عالم اہل سنت کا جلیل لقب اختیار کیا ہوتا۔ تمام کتب اہل سنت دیکھ جائیے، تمام صحابہ کا تزکیہ کرتے ہیں، سب کو عدول بتاتے ہیں، اور اس تزکیہ صحابہ کو اپنا مذہب ٹھہراتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان صاحب کو علم دے اور اس پر عمل کی توفیق، اور سچا سنی عالم بنائے۔ آمین۔ واللہ هو الموفق۔

سوال نمبر ایک میں جو اس کی عبارت نقل کی گئی ہے وہ صراحتہ مولیٰ علی نیز تمام اہل بیت کو خلفا سے افضل و اعلیٰ بتا رہی ہے۔ یہ شیخین پر حضرت مولیٰ علی کو جو تفضیل دی عجب کہ وہ کیوں کر مدعی پیشوائے اہل سنت ہو سکتا ہے، وہ روافض کا پیشوا اگر اپنے آپ کو کہے تو بجا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک تو یہ تفضیل کھلی گمراہی اور رافضی کی پہلی سیڑھی ہے، وہ کتاب ہرگز کسی سنی کے مطالعہ کے قابل نہیں، اسے تو رافضی ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ مولیٰ عزوجل سنیوں کو اس تبرا کی پوٹ سے محفوظ رکھے۔ واللہ الہادی و هو تعالیٰ اعلم۔

مہتر قوم کے لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں

اور وہ کفری عقیدہ نہیں رکھتے تو مسلمان ہیں

(۲۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

قوم مہتر جن کے یہاں حسب ذیل پیشہ و نام و کام ہوتے ہیں اور طریقہ و رسوم اجرا ہیں۔

(۱) شہنائی بجانے کا کام ہوتا ہے۔

(۲) ڈکٹ بجانے کا کام ہوتا ہے۔

(۳) جو تک لگانے کا کام ہوتا ہے۔
 (۴) حرام چیزے کی تانت بنائی جاتی ہے۔
 (۵) حرام تانت سے سوپ وغیرہ بنایا جاتا ہے۔
 (۶) ان کے گھروں کی عورتیں جملہ اقوام یعنی مسلم وغیر مسلم کے یہاں پاخانہ کماتی ہیں وغلیظ پھینکتی ہیں۔

(۷) ان کے گھروں کی عورتیں علاوہ مسلمان کے دیگر اقوام کے یہاں کھانا جائز اور ناجائز ہر قسم کالاتی ہیں اور سب اس کو کھاتے ہیں۔

(۸) شہنائی و ڈکڑ بجانے کے سلسلہ میں مندروں کا چڑھاوا و پوجا وغیرہ کی چیزیں لاتے ہیں، اور استعمال کرتے ہیں۔

(۹) ان کے یہاں مردوں کو غسل دینے کے لیے کوئی مسلمان حجام نہیں جاتا۔

(۱۰) ان کے یہاں کسی نذرو نیاز یا فاتحہ خواہ محفل میلاد وغیرہ نہیں ہوتی۔

(۱۱) ان کے یہاں کبھی قرآن خوانی نہیں ہوتی۔

(۱۲) کسی مسلمان کے یہاں ان کی یا ان کے یہاں کسی مسلمان کی آمد و رفت یا شرکت نہیں ہوتی۔

(۱۳) ان کی برادری میں سے جو شخص داخل اسلام ہو پیشہ اپنا ترک کرتا ہے اس سے یہ لوگ کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں۔

(۱۴) ان کے یہاں مردوں کے نام بچو۔ ڈھونڈے۔ بکریدہ۔ جو کرن۔ چرو۔ رجب۔ بھگیلو۔ پنگو۔ پلو۔ تلوا وغیرہ اور عورتوں کے نام جگیا۔ مانگی۔ مولیا۔ سکوتی۔ وغیرہ ہیں ان کل امورات و واقعات کے قائم اجراء رہتے ہوئے کیا وہ قوم مہتر مسلمان کہے جاسکتے ہیں، اور ان کی آمد و رفت فرش مسجد پر ہو سکتی ہے اور وہ مسجد کے بدھنے اور پانی وغیرہ کو چھو سکتے ہیں، اور وہ مسلمان نمازیوں کی صف میں شانہ ملا کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟۔

از: بنارس رام نگر مسئولہ جناب محمد رضا خاں صاحب، ۱۸/ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اگر فی الواقع وہ لوگ یہاں کے سے بھنگی نہیں، لال گرو کے پیرو، لال کتاب کے ماننے والے نہیں، محض گائے کا گوشت کھانے پر اپنے

آپ کو ہندو نہیں سمجھتے، مسلمان کہتے ہیں، بلکہ واقعی وہ تمام ضروریات دین اسلام پر ایمان اور سچے مسلمان کے سے عقائد رکھتے ہیں، اور کسی حرام قطعی کو حلال نہیں جانتے، حرام شی کو حرام سمجھ کر کھاتے ہیں، مسلمان ہونے پر اعتراض نہیں کرتے، تو وہ مسلمان ہیں اور پاک صاف ہو کر مسجد میں جماعت میں حاضر ہونے کا ہر مسلمان کی طرح حق رکھتے ہیں، کوئی انہیں اس سے نہیں روک سکتا، جو روکے گا وہ خود شرع کا مجرم گنہگار ہوگا۔ مسجد بیت اللہ ہے کسی کی ملک نہیں، اس میں ہر مسلمان آئے گا مگر اس طرح جس طرح شرعاً حاضر ہو سکتا ہے، ناپاک یا بدبو کی چیز لے کر کوئی اس پاک طاہر بقعہ میں قدم نہیں رکھ سکتا، اگرچہ سلطان ہی کیوں نہ ہو، اگرچہ قوم کا سید ہی کیوں نہ ہو۔ ہینگ بیچنے والا پٹھان، یا مٹی کا تیل فروخت کرنے والا مسلمان، جو بھی کسی قوم کا بھی ہے اگر مسجد میں بائیں حال داخل ہو کہ اس کے کپڑوں سے پینا یا مٹی کے تیل کی بدبو آرہی ہے اسے مسجد سے روکا جائے گا، اور یہ مہتر جو مسلمان ہے اگر صاف کپڑے پہن کر آیا ہے مسلمانوں کے برابر کھڑا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال میں جو امر مذکور ہیں ان میں سے کوئی کفر نہیں ہے۔ ہاں نمبر ۷ میں اس وقت حکم کفر ہو سکتا ہے جب کہ یہ ثابت ہو کہ وہ کسی حرام قطعی کو حلال جان کر کھاتے ہیں۔ اور نمبر ۱۳ میں اس وقت جب کہ یہ ثابت ہو کہ وہ مسلمان ہونے کو معیوب جانتے اور جرم قرار دیتے ہیں، مگر یہ کیوں کر معقول جب کہ وہ خود اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ نام مسلمان سے نہ چڑتے ہوں، گائے کا گوشت کھا لینے کو مسلمان سمجھتے ہوں۔ واقعی مسلمان ہونے کو برا جانتے ہوں اگر معاذ اللہ ایسا ہے تو بے شک وہ مسلمان نہیں۔ جیسے ملکانے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مسلمانوں کے نام بھی رکھتے ہیں اور سچا مسلمان ہونے کو سخت عیب جانتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہنود کے میلوں میں تماشائی بن کر جانا حرام

(۴۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

(۱) ہنود کا وہ مشرکانہ میلہ جو بتوں کی پرستش کے لیے ہوا کرتا ہے۔ جیسے دسہرہ، جنم اشٹمی، درگا پوجا، کالی پوجا وغیرہ جس میں مراسم کفریہ و شرکیہ کے علاوہ ہر قسم کے ناچ تماشے اور دیگر لہو و لعب ہوتے ہیں، اور رنڈیاں بھی منگائی جاتی ہیں، ان میلوں میں اکثر ضرورت وغیر ضرورت کی اشیاء ملتی ہیں، اور ان

میلوں کی زینت زیادہ تر مسلمانوں ہی سے ہوتی ہے، چوں کہ یہی زیادہ تر خریدار و تماشہ میں ہوتے ہیں، ان میں بیشتر دوکانیں ہنود ہی کی ہوتی ہیں۔ ایسے میلوں میں مسلمانوں کا بحیثیت تماشائی یا بغرض خرید و فروخت شریک ہونا کیسا ہے؟

(۲) بعض جاہلوں کا یہ طریقہ کہ ایام دسہرہ میں نئی دہن کے لیے اس کے مناسب حال چیزیں مٹھائیاں خرید کر سسرال بھیجنا و نیز سسرال والوں کا یہ فعل کہ اشٹی دسہرہ منانے کی غرض سے نوشہ کونڈرانہ دینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳) دسہرہ وغیرہ کا میلہ بلا ضرورت بطور رسم جانا، اور میلہ سے بطور تحفہ چیزیں خرید کر لانا، و نیز مٹھائیاں وغیرہ خرید کر بطور ہدیہ احباب کے یہاں بھیجنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔
از پورنیہ علاقہ ہاسی مرسلہ مولوی محمد غیاث الدین صاحب موجیبی مدرس مدرسہ قمر گنج۔

الجواب

ایسے میلوں میں بحیثیت تماشائی جانا حرام حرام حرام، اشد حرام، بہت اجنب نہایت ہی اشنع کام، بحکم فقہائے کرام معاذ اللہ کفر انجام ہے۔

حدیث کا ارشاد ہے: ((من کثر سواد قوم فهو منهم)) (۱)
جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ (مترجم)
خرزانتہ الروایات میں ہے:

”في الفصول قال الشيخ ابو بكر الطرخاني: من خرج الى السدة فقد كفر؛ لأن فيه إعلان الكفر، وعلى قياس مسألة السدة الخروج الى نيروز المحوس والموافقة معهم في ما يفعلونه في ذلك اليوم.

اسی میں ہے: كذلك الخروج في ليلة التي يلعب فيها كفرة الهند بالنيران والموافقة معهم في ما يفعلون تلك الليلة، فيلزم أن يكون كفراً، وكذا الخروج إلى لعب كفرة الهند في اليوم الذي يدعوه الكفرة، والموافقة معهم من تزئين البقور والأفراس والذهاب إلى دور الأغنياء يلزم أن يكون كفراً. “ (۲)

(۱) [نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الجنایات: ۴/۳۴۶]

(۲) [مجمع الأنهر: فصل الفاظ الكفر أنواع، ۱/۶۹۸]

فصول میں ہے، شیخ ابو بکر طرخانی فرماتے ہیں کہ جو شخص میلہ (دسبرہ) میں گیا تو وہ کافر ہو گیا، اس میں اعلان کفر ہے، اور (دسبرہ / میلہ) کرتے ہوئے مجوسیوں کے نیروز میں جانا اور ان کے اس دن کے معمولات میں شریک ہونا بھی کفر ہوگا، اسی طرح اس رات میں جانا (نکلنا جس میں ہندوستانی کافر آگ سے پھیتے ہیں اور ان کے اس رات کے معمولات دھیل کود) میں ساتھ دینا یہ کفر ہوگا۔ اسی طرح ہندوستانی کافروں کے اس دن کے کھیل میں شریک ہونا جس دن وہ صرف کافروں کو بلاتے ہوں، اور ان کے معمولات میں ان کا ساتھ دینا، مثلاً گائے اور گھوڑے آراستہ کرنا اور مالداروں کے گھر جانا یہ بھی کفر قرار پائے گا۔ (مترجم)

ان لوگوں پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح لازم۔ جو لوگ تجارت کے لیے جاتے ہیں، انہیں مجمع کفار سے علاحدہ قیام چاہیے۔ اول تو جانا ہی نہ چاہیے، اور جائیں تو وہاں سے دور رہیں، اس قدر دور کہ ان سے ان کے مجمع میں اضافہ ہو کر اس کی شوکت نہ ہو۔ ان کی دوکانوں سے اس کی زینت نہ ہو۔ ان کے آگے اعلان کفر نہ ہو۔ مجمع کفار محل لعنت ہے، خصوصاً ایسا مجمع جو اظہار و اعلان کفر کا ہو۔ محل لعنت سے یوں بھی تو بچنا ضروری ہے اگرچہ اس وقت اظہار کفر نہ ہو۔ تجارت کے لیے اگر جاتے ہیں مجمع کفار سے بالکل علاحدہ جہاں سے ان کی کفری باتیں دیکھ سنا نہ سکیں، راہ میں رہیں۔ مقصد تجارت یوں بھی حاصل ہوگا، اگر وہ لوگ خریدنا چاہیں گے راہ میں خریدیں گے، نہ خریدنا چاہیں گے، وہاں بھی نہ خریدیں گے۔ آج کل تو یہ نری ہوس خام ہے۔ کفار تو مسلمانوں کا بایکٹ کر چکے ہیں، ان سے وہ ضرورت پر تو خریدنا روا نہیں رکھے۔ میلے میں بے ضرورت اور گراں ان سے خریدیں گے؟ میلوں میں ہمیشہ چیز گراں بکتی ہے۔ وہ مسلمانوں کو میلوں میں آنے کے روادار نہ ہوتے، وہ ممانعت نہیں کرتے کہ مسلمان میلوں میں آئیں، اور انہیں موقع ڈھونڈھ کر خوب لوٹیں، برسوں سے متعدد مواقع پر ایسا ہو رہا ہے، مگر مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ لٹتے ہیں، مارے جاتے ہیں اور پھر پہنچتے ہیں۔ نہ دین کا لحاظ نہ دنیا کا۔ خدا ان کی آنکھیں کھولے۔ واللہ تعالیٰ هو الموفق وهو الهادی. وهو تعالیٰ اعلم.

(۲) (۳) دسبرہ منانے والے سوال میں جو مذکور ہے ایسا کرنے والے از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں، ان پر تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم ہے، یہ لوگ اگر باز نہ آئیں، تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہ کریں تو ان سے تاتوبہ، مقاطعہ کیا جائے، سلام، کلام، میل جول، نشست برخاست یک لخت موقوف کیا جائے۔

فتاویٰ صغیری میں ہے:

”من اشتری یوم النوروز شیئا ولم یکن یشتریه قبل ذلك إن أراد به تعظیم

النوروز کفر“ (۱)

جس نے نیروز کے دن کچھ خریدا جب کہ وہ اس سے پہلے اس شی کو خریدنے کا عادی نہ تھا، پس اس کا مقصد نیروز کی تعظیم کرنا تھا تو وہ کافر ہو گیا۔ (مترجم)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

”من أهدى يوم النيروز إلى إنسان شيئاً وأراد به تعظيم النيروز كفر“ (۲)
والله تعالى اعلم۔

جس نے نیروز کے دن تحفہ دیا اور اس سے اسی کا مقصد نیروز کی تعظیم تھی، تو اس کی تکفیر کی جائے گی (مترجم)

مفتی کو دھوکہ دے کر اس سے اپنے مطلب کا فتویٰ لینا حرام ہے

(۵۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک شب میں مسمی چھدا کے مکان پر برادری کے لوگ جمع ہوئے، باہم گفتگو ہو رہی تھی، اتنے میں مسمی نتھو ولد محمد عیوض نے ملا کفایت اللہ صاحب کو فحش الفاظ کہے۔ چونکہ ہماری برادری میں ملا کفایت اللہ صاحب مذکور معزز بزرگ ہیں، سب ان کا ادب کرتے ہیں، بدیں وجہ نتھو ولد محمد عیوض مذکور کو برادری پنجایت سے خارج کر دیا، دوسرے روز صبح کو چھدا مذکور کے مکان پر چھدا مذکور کی لڑکی کی شادی تھی، کل بردران کا شادی کا بلاوا تھا چھدا مذکور کے مکان پر سب برادری کے لوگ جمع ہوئے وہاں پر نتھو مذکور جو برادری سے خارج کر دیا گیا تھا، وہ بھی موجود تھا۔ لہذا چھدا مذکور سے برادروں نے کہا کہ نتھو مذکور یہاں کیوں موجود ہیں؟ کیوں کہ یہ برادری سے خارج ہے، اس کے ہمراہ ہم لوگ کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس پر مسمی اتواری نے کہا کہ خدا کے واسطے آپ سب صاحبان میرے مکان پر کھانا کھا لیجیے۔ چونکہ مسمی اتواری چھدا مذکور کا چچا ہے، اتواری کے کہنے پر مسمی ولی اللہ نے اتواری سے کہا کہ ایسی ذرا سی باتوں پر خدا کا واسطہ نہیں دینا چاہیے، اور یہ ڈانٹ کر کہا کہ آپ اس کا جواب دیجیے کہ آپ ہم لوگوں

(۱) [منح الروض الأزهر فی شرح الفقہ الأكبر: ۴۹۹]

(۲) [منح الروض الأزهر فی شرح الفقہ الأكبر: ۵۰۰]

برادروں کو کھانا کھلانا چاہتے ہو، یا صرف تھو کو؟ اس پر چھدا نے یہ کہا کہ میرے چچا اتواری نے جو کہا ہے کہ خدا کے واسطے سب صاحب میرے یہاں کھانا کھا لیجیے وہی میں بھی کہتا ہوں۔ اس پر ولی اللہ نے جواب دیا کہ آپ لوگ ایسے موقع پر نہ سمجھتے ہوئے، ایسی معمولی باتوں پر خدا کا واسطہ دیتے ہو، یہ بات شریعت مطہرہ سے منع ہے، آپ ان باتوں کا جواب دیجیے، کہ آپ ہم لوگوں کو کھانا کھلانا چاہتے ہو یا تھو کو؟ اگر آپ کو تھو مذکور کے ساتھ ہمدردی ہے تو تھو کا معاملہ طے کر دیجیے تب ساتھ میں کھانا کھا سکتے ہیں، ورنہ نہیں کھائیں گے۔ کچھ عرصہ بعد حاجی نبی بخش صاحب تشریف لائے، انہوں نے تھو برادران کے معاملہ کو معلوم کیا اور تھو کا قصور ثابت ہوا، لیکن تھو نے بیان کیا میں نے بخش الفاظ کوئی نہیں کہا، اگر میں نے کہا ہو تو خدا مجھ کو غارت کر دے، تھو کے اس کہنے پر حاجی نبی بخش صاحب نے تھو مذکور کے ایمان پر معاملہ ختم کر دیا، لہذا معاملہ طے ہونے پر کل برادران و تھو نے باہم مل کر کھانا کھایا۔ اب کچھ نزاع باقی نہیں رہا۔

اس قضیہ کے چند ایام بعد تھو کی لڑکی کی شادی تھی، تھو نے چند حرکتیں خلاف قواعد اصول پنچایت و خلاف شریعت کیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ کہ تقریب شادی میں و دیگر معاملات برادری میں برادری کا اصول ہے کہ برادران کے بلا مشورہ کوئی کام نہ ہو، اور ہر کام میں سرداران قوم کو ضرور بلا یا جائے، لیکن تھو نے اس کی خلاف ورزی کی۔

(۲) یہ کہ ایک شخص ابن ولد کلن نے اپنی منکوحہ بی بی کو طلاق دے کر کچھ عرصہ بعد بلا حلالہ کیے ہوئے اسی مطلقہ بی بی کو دوبارہ اپنی زوجیت میں استعمال کر لیا، جو کہ شرع کے قطعی خلاف ہے۔ بدیں وجہ جمیع برادران نے ابن مذکور کو قطعی برادری سے خارج کر دیا تھا جس کو عرصہ تین سال کا ہوا۔ تعلقات قطعی منقطع کر لیے۔ لیکن برخلاف برادری کے حکم کے تھو و کلن والد ابن ہردو نے ابن ملزم مذکور سے تعلقات قائم رکھے۔ اس پر برادران نے تھو و کلن ہردو کو برادری سے خارج کر دیا، ان سے بھی تعلق منقطع کر دیے، اور ملا کفایت اللہ و ولی اللہ نے ہردو اشخاص کو برادری سے خارج کرنے میں زیادہ کوشش کی، ان کی رائے پر کل برادری نے اتفاق کر کے ہردو کو برادری سے خارج کر دیا، ان دونوں ملزمان نے بوجہ رنجش کے غلط سوال قائم کر کے فتویٰ حاصل کر لیا، جن صاحب سے فتویٰ حاصل کیا ہے وہ صاحب پبلی بھیٹ کے باشندہ نہیں ہیں باہر کے ہیں۔ سوال و جواب حسب ذیل ہیں:

(۵۱) مسئلہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مسمی چھدا کے یہاں تقریب شادی میں برادری کے لوگ جمع تھے، برادرانہ اتفاق پر کچھ گفتگو

ہورہی تھی جس میں وقت بہت گزر گیا، لہذا سہمی چھدا صاحب خانہ نے چودھری وکل برادران سے عرض کیا کہ اب سب لوگ خدا ورسول کے واسطے پہلے کھانا کھا لیجیے گا، اس پر ولی اللہ وکفایت اللہ نے ڈانٹ کر کہا کہ خدا ورسول کا واسطہ نہیں مانا جائے گا، بات طے ہو جاوے، دوبارہ کچھ دیر بعد سہمی اتواری نے خدا ورسول کا واسطہ دیتے ہوئے کھانا کھانے کے واسطے کہا تو انہیں دونوں شخصوں نے پھر یہی جواب دیا کہ ہر وقت خدا ورسول کا واسطہ نہیں مانا جاتا ہے۔ جس کے لوگ گواہ حسب ذیل ہیں: شرع شریف کی رو سے اس مسئلہ پر کیا حکم ہے، اہل محلہ وچودھری صاحب سے حلفیہ اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ گواہ: نتھو ولد قادر بخش، گواہ نتھو و محمد عیوض وکلن ولد کریم بخش وندا حسین ولد چھدا، عبدالرزاق و اتواری ولد کلو و احمد حسین و محمد عیوض وچھدا ولد عبداللہ چھوٹے ولد...

از پبلی بھیت محلہ ڈرین گنج، دوکان حاجی نبی بخش صاحب حاجی صوفی صفی اللہ صاحب سوداگران تمباکون۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں ولی اللہ وکفایت اللہ دونوں بحکم جمہور فقہائے کرام خارج از اسلام ہو گئے، دونوں پر از سر نو کلمہ پڑھ کر توبہ کر کے اسلام لانا فرض اور ہر فرض سے بڑھ کر اہم فرض ہے، پھر اگر اپنی بیوی کو رکھنا چاہیں تو ان کی رضا سے جدید مہر نیا نکاح کریں، اور اگر وہ معاذ اللہ اس حکم شرعی پر عمل نہ کریں تو برادری والوں پر فرض ہے کہ ان سے میل جول، سلام کلام، حقہ پانی بند کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کریں۔ خدا ورسول۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کا واسطہ ہر بات پر نہیں دینا چاہیے، اگر کوئی ضروری بات ہو رہی تھی جس کا طے کرنا پہلے مقدم تھا، تو اس کو روکنے کے لیے خدا ورسول کا واسطہ ہرگز نہیں دینا چاہیے تھا، جب واسطہ دیا گیا تو اس کے جواب میں یوں کہنا تھا کہ خدا ورسول کا واسطہ برحق ہے، مگر اس ذریعہ سے ایک اہم بات چھوڑی نہیں جاسکتی، مگر جو کلمہ سوال میں مذکور ہے، بہت شنیع و قبیح ہے، بہر حال توبہ و تجدید ایمان فرض ہے۔ واللہ اعلم۔

اب از روئے شرع شریف جواب طلب حسب ذیل امور ہیں: کہ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۱) یہ کہ غلط سوال قائم کر کے جواب لینا جس سے ولی اللہ وکفایت اللہ کو دلی صدمہ و روحانی تکلیف پہنچی اور توہین ہوئی۔

(۲) کہ ابن ملزم جس نے اپنی عورت منکوحہ کو طلاق دے کر بلا حلالہ کیے ہوئے دوبارہ اپنے پاس رکھ لیا جس کو برادری نے خارج کیا اور تعلقات قطع کر لیے تھے، اس سے نتھو ولد محمد عیوض وکلن والد ابن ملزم سے ہر دو اشخاص نتھو وکلن کا تعلقات قائم رکھنا۔

(۳) کہ چھدا کا اپنے یہاں اتن ملزم کو بلانا و معمولی بات پر بے موقع خدا کا واسطہ دینا و برادری کو ایسے اہم ملزم کے ہمراہ کھلانے کی کوشش اس کے شرک و شریک ہمنوا یعنی تھو و کلن کی کرنا۔

(۴) یہ کہ یہاں ایک مولوی صاحب کو یہ سوال و جواب دکھلایا گیا، مولوی صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ جواب غلط ہے، ایسی صورت میں غلط جواب لکھنے والے پر از روے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ جملہ برادران قوم شہر چیلی، بھیت و سرداران قوم؟

الجواب

دھوکا دینا، فریب کرنا شدید بد کام ہے ہی۔ خصوصاً مفتی کو فریب دے کر اپنے حسب منشا جواب لینا۔ حدیث میں ہے:

((لیس منا من غشنا)) (۱)

جھوٹ بولنا، افترا کرنا، دھوکا دینا، یہ مسلمان کا کام نہیں۔ تحریف کلام یہود کا کام ہے۔

﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ (۲)

جنہوں نے یہ شنیع حرکت کی توبہ کریں، اور جن پر الزام کے لیے کی ان سے معافی بھی چاہیں، وہ لوگ حق اللہ اور حق العباد میں گرفتار زیاں کار گنہ گار ہوئے۔ واللہ اعلم۔

(۲) جس نے اپنی مطلقہ بطلاق مغلطہ کو بے حلالہ رکھ لیا اسے بے حلالہ اپنے تصرف میں لایا زانی ہے، اور وہ نابکار عورت زانیہ۔ ان سے توبہ قطع تعلق کا حکم، برادری کا حکم نہیں، حکم شریعت ہے۔ برادری نے حکم شریعت پر عمل کیا اور عمل کرنا چاہا جس نے نہ مانا اس نے برادری ہی کا جرم نہ کیا شریعت کے حکم محکم سے سرتابی روگردانی کی۔ حکم شرع مقدس کو پیٹھ دی۔ شرع مطہر کا مجرم ہوا۔ اس سے بھی برادری نے قطع تعلق کیا اچھا کیا، یہی کرنا تھا۔ جب تک یہ لوگ توبہ نہ کریں انہیں برادری سے بند رکھا جائے، اور جوان کا ساتھی ہوا سے بھی یہی سزا دی جائے۔

(۳) جن لوگوں کو برادری نے بحکم شرع بند کیا تھا، چھدا نے انہیں اپنے یہاں بلایا برا کیا۔ بلایا تھا تو ان سے توبہ و رجوع کے لیے کہتا، جب وہ توبہ کر لیتے، تو برادری سے کہتا کہ انہوں نے ہمارے سامنے توبہ کر لی، اب ان کی بندش کھول دی جائے، برادری اپنے سامنے توبہ کا اقرار لے کر بندش کھول دیتی۔ ان

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان باب بیان غلط تحریم النمیمۃ: ۱/۷۰]

(۲) [سورۃ المائدۃ: ۱۳]

مجرموں کو بلایا، پھر اتنا ہی نہیں ان کا جرم اسی طرح رہتے ہوئے برادری سے مل لینے کی کوشش وہ بھی خدا کا واسطہ دے دے کر۔ جن شرعی مجرموں کو بحکم شرع بند کیا تھا ان کو خدا کا واسطہ دینا یہی ہے کہ خدا کے واسطے یہ خلاف شرع کرو۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

خدا کے لیے شریعت کا اتباع کیا جاتا ہے، یا معاذ اللہ مخالفت شرع خدا کے واسطے کی جاتی ہے؟ کسی سے مخالفت شرع کرنا گناہ ہے، اور اس پر خدا کا واسطہ دینا تو اور بھی اشد حرام ہے۔ اگر اس خلاف شرع کو خلاف شرع سمجھتے ہوئے خدا کا واسطہ دیا جب تو معاذ اللہ بہت اشد تر الزام ہے۔ ایسے شخص پر تو بہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم ہوگا۔ حقیر بات پر خدا کا واسطہ دینا نہ چاہیے، اور جو دے تو جسے دے پسندیدہ یہ ہے کہ وہ بات نہ کرے۔

در مختار میں ہے:

”في المختارات قال ابن المبارك: سأل لوجه الله أو بحق الله يعجبني أن لا يعطيه شيئاً؛ لأنه عظم ما حقر الله تعالى.“ (۱)

مختارات میں ہے کہ ابن مبارک نے فرمایا: جس نے خدائے پاک کا واسطہ دے کر مانگا تو مجھے یہ پسند ہے کہ واسطے دینے والے کو کچھ نہ دیا جائے، اس لیے کہ اس نے اللہ عزوجل کی حقیر کردہ شی کو بڑھاوا دیا، عظیم سمجھا (مترجم)

کسی ایسی بات پر خدا کا واسطہ دینے سے اس کا کرنا لازم نہیں ہو جاتا جو جائز ہو۔ جب حقیر بات پر خدا کا واسطہ دینے پر نہ کرنا پسندیدہ ٹھہرا تو کسی ناجائز بات پر خدا کا واسطہ دینے اور مان لینے والے کا حکم ظاہر۔ ناجائز بات کا کرنا تو گناہ تھا ہی، اس پر خدا کا واسطہ اور گناہ بالائے گناہ ہوا۔ ایسے ہی مسائل کے لیے جو ناحق پر خدا کا واسطہ دے، حدیث میں ارشاد ہوا:

((ملعون من سأل بوجه الله۔ رواه الطبراني بسند صحيح رجاله رجال الصحيح عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه)) (۲)

خدا کا واسطہ دے کر سوال کرنے والا ملعون ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (مترجم)

(۱) [الدر المختار: فصل في البيع، ۶/۳۹۷]

(۲) [مجمع الزوائد للهيثمی، باب فيمن سأل بوجه الله تعالى: ۳/۱۰۳]

اسی حدیث کا آگے کا ٹکڑا یہ ہے:

((وملعون من سأل بوجه الله فمنع سائله ما لم يسأل هجرًا)) (۱)
 اور ملعون ہے وہ شخص جو خداے تعالیٰ کے واسطے سے سوال کرے پھر اس کے سائل کو منع کیا گیا
 جب تک کہ وہ فتیح کا سوال نہ کرے۔ (مترجم)
 حدیث سے جہاں یہ واضح ہوا کہ جس شخص نے ناجائز بات ماننے کے لیے خدا کا واسطہ دیا وہ بحکم
 حدیث مذکور ملعون ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ برادری نے جو یہ واسطہ نہ مانا اچھا کیا، اسے یہ واسطہ ماننا
 جائز نہ تھا۔ یہ لوگ ملعون نہیں کہ ان سے سوال فتیح کا تھا جس پر خدا کا واسطہ دیا گیا تھا۔ فتیح پر خدا کا واسطہ دینا
 ہی ملعون کا کام ہے۔

(۲) عفا الله عن المفتي - مفتی نے فتویٰ دینے میں عجلت کی اور غور و تامل سے کام نہ لیا، خدا
 ورسول کا واسطہ ماننے سے انکار دیکھ کر وہ حکم لگا دیا، سائل نے مفتی کو دھوکا بھی دیا، مگر مفتی اگر تامل کرتا تو یہ
 حکم نہ دیتا، اللہ اسے معاف فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”اللہ تعالیٰ پھر اس کا رسول چاہے تو ایسا ہو جائے“ یہ کہنا قطعاً جائز ہے

(۵۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زید نے کہا کہ اگر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے چاہا تو فلاں کام ہو جائے
 گا، یہ سن کر بکرنے کہا کہ توبہ کرو۔ یہ شرک فی صفات الباری تعالیٰ ہے۔ اس کی مشیت میں کوئی شریک
 نہیں۔ وہ فاعل مطلق و مختار ہے، ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ زید اس پر ہے کہ میں نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ خدا
 کی مشیت کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی وابستہ ہے، لہذا اس پر حکم شریعت کیا
 ہے۔ براہ کرم اس کا جواب بالتفصیل مع حوالہ جات کتب معتبرہ مرحمت فرمایا جاوے۔

مسئلہ مولوی شمس الحسن صاحب محلہ ذخیرہ بریلی۔ ۱۷/ ذی قعدہ، ۱۳۵۷ھ

الجواب

ایسا کہنے سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہود کے اعتراض کرنے اور شرک کا چرک اگلنے پر ممانعت فرمائی۔ تو جس چیز سے حضور نے ممانعت فرمادی اس سے باز رہنا چاہیے۔

قال تعالیٰ:

﴿مَانَهُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (۱)

جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (مترجم)

اگر کہیں تو یوں کہیں اللہ پھر اس کے رسول۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ چاہیں یہود تو اللہ اور آپ چاہیں پر مونہ آئے تھے۔ مگر یہودی صفت نجدی مت لوگ اس پر بھی شرک شرک کہیں گے حالانکہ ایسا کہنا حضور نے خود تعلیم فرمایا۔

ابن ماجہ باب النبی أن یقال ماشاء اللہ وشئت میں یہ دو حدیثیں لائے:

((حدثنا هشام بن عمار، حدثنا عیسیٰ بن یونس، ثنا الاحلج الکندی عن یزید بن الأصم، عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: إذا حلف أحدکم فلا یقل ماشاء اللہ وشئت، ولكن لیقل ماشاء اللہ ثم شئت.

حدثنا هشام بن عمار، حدثنا سفیان بن عیینة، عن عبد الملك بن عمیر، عن ربیع بن حراش، عن حذیفة بن الیمان أن رجلا من المسلمین رأى فی النوم أنه لقی رجلا من أهل الكتاب فقال: نعم القوم أنتم، لولا أنکم تشرکون، تقولون: ماشاء اللہ وشاء محمد۔ و ذکر ذلك للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: أما واللہ إن كنت لأعرفها لکم، قولوا ماشاء اللہ ثم شاء محمد (علیه الصلاۃ والسلام)) (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ جب تم میں کوئی قسم کھائے تو وہ یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، بل کہ کہے جو کچھ رب چاہے پھر میں چاہوں۔

حضرت حذیفة بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک کتابی شخص سے ملا، تو اس نے کہا کہ تم بہت اچھے لوگ ہو، کاش تم نے شرک نہ کیا ہوتا، تم کہتے ہو جو

(۱) [سورة الحشر: ۷]

(۱) [سنن ابن ماجہ، باب النهی، أن یقال: ماشاء اللہ وشئت، حدیث: ۲۱۱۷: ۲/۶۷۶]

کچھ اللہ اور محمد۔ جل جلالہ وصلى الله تعالى عليه وسلم۔ چاہیں۔ اور اس شخص نے اس خواب کا تذکرہ نبی کریم۔ جل وعلا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ہاں قسم خدا کی میں بھی تم سے یہ جملہ سنتا تھا، اب تم یوں کہا کرو! جو کچھ اللہ چاہے اور پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہیں۔ (مترجم)

نسائی شریف کے باب الحلف میں یہ حدیث ہے:

((أخبرنا يوسف بن عيسى، عن امرأة من جهينة أن يهودياً أتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: إنكم تنددون وإنكم تشركون، تقولون: ماشاء الله وشئت، وتقولون: والكعبة، فأمرهم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إذا أرادوا أن يحلفوا أن يقولوا: ورب الكعبة ويقول أحد: ماشاء الله ثم شئت.)) (۱)

ایک جہنی عورت سے مروی ہے کہ ایک یہودی سرکار کے پاس آیا، اور بولا تم لوگ اللہ کا ہم سر ٹھہراتے ہو، اور تم شرک کرتے ہو، تم کہتے ہو جو کچھ اللہ چاہے اور آپ چاہیں اور کہتے ہو کہ قسم ہے کعبہ کی، تو سرکار نے اپنے امتیوں کو حکم دیا کہ جب تم میں سے کوئی قسم کھانا چاہے تو کہے قسم ہے رب کعبہ کی۔ اور کوئی کہے تو یوں کہے: جو اللہ چاہے پھر آپ چاہیں۔ (مترجم)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صحابہ بارگاہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام میں عرض کیا کرتے تھے کہ اللہ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہیں، اللہ اور آپ چاہیں حضور نے اول اسے نہ روکا۔ پھر اس سے ممانعت فرمائی۔ اگر یہ یہودیوں و ہابیوں کا شرک ہوتا تو کیا ایک آن بھی وہ ماحی شرک و کفر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر صبر فرماتے۔ جب ممانعت فرمادی تو یوں کہنا ممنوع ہو گیا۔

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایسا کہنے والے صاحب سے (بطور تغلیظ) یہ بھی ارشاد ہوا کہ کیا تم نے مجھے اللہ کا مماثل ٹھہرایا۔ بغیر میری مشیت کے کہو: ماشاء اللہ، اس حدیث میں بھی یہ نہیں کہ حضور نے اس پر حکم شرک فرمایا ہو اور ان سے توبہ لی ہو۔

طریقہ محمد یہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ابن ماجہ سے حدیث نقل کی ہے:

((عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنه جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فكلّمه في بعض الأمر، فقال الرجل للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ماشاء الله وشئت، وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: أ جعلتني لله تعالى عديلاً (أي:))

معادلا مماثلا) قل : ماشاء الله وحده.)) (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سرکار علیہ السلام کے پاس آیا، اور اس نے آپ سے کسی مسئلہ میں گفتگو کی، تو اس شخص نے نبی اکرم سے کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مجھ کو اللہ عزوجل کا مماثل اور برابر کر دیا، تم کہو جو کچھ اللہ وحدہ لا شریک چاہے۔ (مترجم)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جب اس سے روکا ہے تو ایسا ہرگز نہ کہا جائے۔ واللہ تعالیٰ

اعلم۔

(۱) [الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة: ۱۸۵/۲]

كتاب الطهارة

ابواب

(۲۰۹)

۱۔ پانی کا بیان

(۲۲۱)

۲۔ وضو

(۲۲۳)

۳۔ غسل

(۲۲۴)

۴۔ حیض



کتاب الطہارۃ

(۱) پانی کا بیان

بغیر دھوئے رقیل پانی میں بے ضرورت ہاتھ ڈال دیا تو پانی مستعمل ہو گیا

(۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
صاحب بہار شریعت نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر حوض وہ دردہ سے چھوٹا ہے اور کسی شخص نے اس حوض میں بلا دھوئے ہوئے ہاتھ ڈال دیا، تو اس پانی سے وضو درست نہیں ہوگا، مگر زید کہتا ہے کہ، مسئلہ مذکورہ بالا صاحب بہار شریعت نے غلط تحریر فرمایا ہے، اور فتاویٰ قاضی خان جلد اول وغیرہ سے عبارت مندرجہ ذیل صاحب موصوف کے خلاف اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کرتا ہے:

(۱) فتاویٰ قاضی خان بھاش عالم گیر یہ ص: ۱۵:

”المحدث والجنب إذا دخل يده في الإناء للاغتراف وليس عليها نجاسة لا يفسد الماء، كذا إذا وقع الكوز في الحب فأدخل يده في الحب إلى المرفق لإخراج الكوز لا يصير الماء مستعملاً.“ (۱)

محدث اور جنبی نے چلو میں پانی لینے کے لیے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا جب کہ اس پر نجاست نہ ہو تو پانی فاسد نہ ہوگا، اسی طرح اگر ٹب وغیرہ یعنی بڑے برتن میں پیالہ گر جائے پھر وہ اپنا ہاتھ پیالہ نکالنے کی غرض سے کہنی تک ٹب میں ڈال دے۔ تو پانی مستعمل نہ ہوگا۔ (مترجم)

پس التماس ہے کہ صاحب بہار شریعت حق پر ہیں۔ یازید کا دعویٰ حق ہے؟ بینوا بالکتاب
توجروا یوم الحساب۔

از قصبہ سیواہی ضلع گورہ پور مرسلہ جناب مولوی ظہور الحق صاحب قادری مہتمم مدرسہ دارالاشاعت

الجواب

زید غلط کہتا ہے۔ بہار شریعت میں مسئلہ صحیح لکھا ہے، فتاویٰ امام قاضی خان کی عبارت بہار شریعت
کے مخالف نہیں۔ بہار شریعت کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت وہ درودہ سے کم گھیرے ہوئے پانی میں ہاتھ
ڈال دے گا تو مستعمل ہو جائے گا، اور فتاویٰ قاضی خان کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت سے ڈالے گا تو
مستعمل نہ ہوگا، یہ دونوں صحیح ہیں۔ ایک دوسرے سے معارض نہیں۔ اگر زید اس عبارت کے آگے یہ لفظ
بھی دیکھ لیتا تو مسئلہ سمجھ جاتا، اور بہار شریعت کے مسئلہ کو غلط بتانے کی جرأت نہ کرتا، عبارت مذکورہ سوال
کے آگے بالکل اس کے متصل ہی ہے:

”و کذا الحنب إذا دخل یدہ فی البئر لطلب الدلو لا یصیر الماء مستعملاً
لمکان الضرورة.“

ایسے ہی اگر جنبی اپنا ہاتھ ڈول نکالنے کے لیے کنویں میں ڈال دے تو پانی مستعمل نہ ہوگا
ضرورت کی وجہ سے۔ (مترجم)
پھر کچھ آگے ہے:

”ولو أدخل یدہ أو رجلہ فی الإناء للتبرد فإنه یصیر الماء مستعملاً لعدم
الضرورة“ (۱)

اور اگر جنبی اپنا ہاتھ یا پاؤں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے برتن میں ڈال دے تو عدم احتیاج کی
وجہ سے پانی مستعمل ہو جائے گا۔ (مترجم)

اخراج کوز تو ضرورت ہی ہے، اغتراف بھی عاقل ضرورت ہی سے کرتا ہے کہ پانی نکالنے کا کوئی
ظرف موجود نہیں، للاغتراف خود ضرورت بتا رہا ہے، اغتراف نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا: أدخل یدہ فی
الإناء للاغتراف، تو خانیہ کے ان دونوں مسئلوں میں ضرورت ہے، اور بے شک ضرورت کے وقت محض
ہاتھ ڈالنے سے حکم استعمال نہ ہوگا۔ اسی مسئلہ اغتراف کو اگر عالم گیری میں دیکھا ہوتا تو وہاں: للضرورة

مل جاتا۔ عالم گیری میں یہ مسئلہ یوں لکھا:

”إذا أدخل المحدث أو الجنب أو الحائض التي طهرت يده في الماء

للاغتراف لا يصير مستعملاً للضرورة كدافي التبيين“ (۱)

محدث، جنبی یا وہ حائضہ جس کا حیض آنا بند ہو گیا چلو میں پانی لینے کے لیے پانی میں ہاتھ ڈال دے تو پانی مستعمل نہ ہوگا، اسی طرح تمییز میں ہے۔ (مترجم)

خود امام قاضی خان نے دونوں مسئلوں کے بعد تحریر فرمایا ہے: ”لمكان الضرورة“ جس کا تعلق دونوں سے ہے نہ صرف صورت اخیر سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

گول کنویں کی گولائی ساڑھے پینتیس ہاتھ کے قریب ہو تو وہ درودہ ہے

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ہمارے یہاں ایک بڑا کنواں ہے، جس کی گولائی پانی سے ۵/۵ انگل اوپر ناپ لینے سے پونے چھتیس ہاتھ اور دو انچ ہوتی ہے۔ اور اس کا وسط یعنی قطر گیارہ ہاتھ دو انگل ہے، اور یہ پانی کے ساتھ کی دیوار سے ناپ لیا ہے، جو ناپ لینے والے ہیں وہ اعتماد سے کہتے ہیں کہ گولائی میں اگرچہ ۵/۵ انگل پانی کے اوپر سے لیا ہے، لیکن پانی کے ساتھ ناپ لیا جائے تو بھی قریب قریب وہی ناپ ہے جو مذکور کیا، جو ہاتھ گولائی اور وسط کے لکھتے ہیں، وہ ہاتھ کا ناپ اٹھارہ (۱۸) انچ کا ہے، مذکورہ کنواں وہ درودہ ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی چوہا گرے اور پھٹ جائے تو اس میں سے پانی نکالنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بی—نوا توجروا۔

از نبی پور ضلع بھرون جمرسلہ موسیٰ ابراہیم بخش صاحبان۔ ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۵۲ھ

الجواب

اس کا وہ درودہ بلکہ اس سے زائد ہونا ظاہر ہے، چوہا یا کوئی جانور اس میں گر کر مرے اور پھولے پھٹے یا کوئی نجاست گرے، پانی اس وقت تک ناقابل استعمال نہ ہوگا جب تک اس نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ اس میں ظاہر نہ ہوں۔ ہاں جب ان اوصاف میں سے کوئی وصف اس نجاست سے بدلے گا تو پانی

فاسد ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اعلیٰ حضرت سیدنا الوالد الماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے اپنے رسالہ مبارکہ ”الہنسی النمیر فی الماء المستدیر“ میں ثابت فرمایا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ دو تقریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہیے، پینتیس اعشاریہ ۴۴۹ تو قطر پانچ گز ساڑھے دس گرہ، بلکہ دس گرہ ایک انگل یعنی ۲۸۴، ۱۱۴ ہاتھ۔ تو یہاں تو دو روپونے چھتیس ہاتھ سے بھی دو انچ زائد ہے، ہم نے حساب کیا تو اپنے حساب سے مسئلہ جواب لکھا، پھر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتاویٰ مبارکہ دیکھا بجزہ تعالیٰ اس سے معلوم ہوا کہ پونے چھتیس نہیں ساڑھے پینتیس ہاتھ کے قریب بھی دور ہوتا ہے، تو بھی وہ درودہ ہوتا۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا رسالہ مذکور مطالعہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حوض کا اوپری حصہ وہ درودہ ہونا ضروری ہے

(۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
حوض اوپر سے وہ درودہ نہیں ہے، اندر سے ہے تو اس حالت میں وضو درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟۔

الجواب

جب اوپر سے حوض وہ درودہ نہیں ہے تو بے وضو ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہو جائے گا، ہاں اگر ہاتھ علاحدہ پانی سے دھو کر ڈالے اور ہاتھوں سے پانی لے کر وضو کرے مستعمل نہ ہوگا۔ اگر کوئی طرف (برتن) وہاں نہیں ہے جس سے پانی نکال کر ہاتھ دھو یا جائے تو اس صورت میں انگلیوں کو ملا کر ایک ہاتھ سے پانی نکال کر دایاں ہاتھ دھوے اور اس کے بعد دوسرا ہاتھ دھو کر وضو کرے، مگر چلو سے پانی نکالتے وقت وضو کی نیت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
ازراج کوٹ کریم پورہ عبدالمجید پیش امام

وہ درودہ حوض وہ ہے جس حوض کی مساحت ۱۰۰ ہاتھ

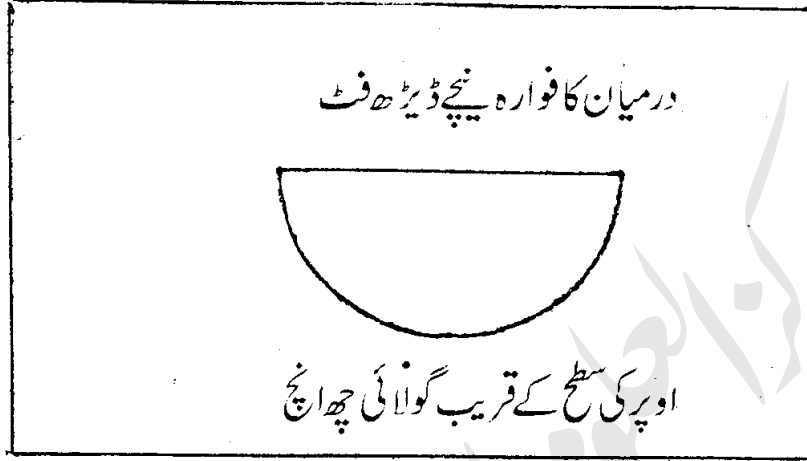
یا ۲۵ گز، یا ۲۲۵ فٹ ہو

(۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
(۱) حوض وہ درودہ سے کیا مراد ہے؟ اور رائج الوقت گزیانٹ کے حساب سے کتنی مساحت، اور

کنتا عرض و طول وہ درودہ کے لیے درکار ہے۔ بینوا بالکتاب، وتوجروا یوم الحساب۔
(۲) ایک حوض نقشہ ذیل کی مساحت کے مطابق موجود ہے، آیا یہ وہ درودہ کی حد میں شمار ہوگا یا نہیں؟ جواب دیجیے اور اجر اللہ تعالیٰ سے لیجیے۔ فقط۔

پندرہ فٹ ۲ انچ



از بمبئی کھڑک پائے دھونی ۶۵ مرسلہ ایوب عبدالرحمن صاحب۔ ۲۱ محرم الحرام ۱۲۵۷ھ

الجواب

وہ درودہ وہ حوض ہے جس کی مساحت ہاتھ سے سو ہاتھ۔ گز سے ۲۵ گز۔ فٹ سے سواد و سوفٹ ہو۔ مربع ہونا کچھ ضروری نہیں، اگر مثلاً سو ہاتھ طول ہو، ایک ہاتھ عرض، جب بھی وہ درودہ ہوگا، عمق اتنا ہونا چاہیے کہ لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھلے۔

”قال الإمام فقيه النفس قاضي خان: أدخله الله تعالى دار الجنان وأدخلنا به وأمطر عليه شايب الرحمة والرضوان. في الخانية: خندق طوله مائة ذراع أو أكثر في عرض ذراعين، قال عامة المشايخ: لا يجوز فيه الوضوء. وقال بعضهم: يجوز إذا كان ماء الخندق كثيراً بحيث لو بسط يكون عشراً في عشرة. مختصراً (۱)
قال شيخنا المجدد سيدنا الوالد الماجد في فتاواه الشريفة ”العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية“ بعد نقل هذه العبارة، قلت: وهو المختار، درر عن عيون المذاهب والظهيرية، وصححه في المحيط والاختيار وغيرهما اه، والله تعالى اعلم۔“

امام فقیہ النفس قاضی خاں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب فرمائے اور ان کے صدقے ہمیں بھی عطا فرمائے، ان پر رحمت و غفران کی بارش فرمائے، فرماتے ہیں: خانیہ میں ہے: ایسا خندق جس کا طول سو گزیازاند ہو، اور عرض میں دو گز ہو، تو عام مشائخ فرماتے ہیں کہ اس سے وضو جائز نہیں ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے، جب کہ خندق کا پانی کثیر ہو اس طرح کہ وہ درودہ ہو۔

میرے والد گرامی مجدد عصر، شیخ امام احمد رضا نے ”فتاویٰ رضویہ“ میں یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا: کہ میں کہتا ہوں کہ یہی مذہب مختار ہے، درر، عیون المذہب اور ظہیرہ میں یہی مروی ہے، اور محیط اور اختیار وغیرہ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (مترجم)

(۲) جواب سوال اول سے اس کا بھی جواب روشن کہ جب وہ درودہ سواد و سوفٹ ہونا درکار ہے تو یہ تو تین سوفٹ چھانچ ہے۔ وہ درودہ سے کہیں زیادہ۔ نیچ کا فوارہ جو ایک طرف تو فقط چھانچ ہے، اور ایک طرف زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ فٹ، اس حوض کی وہ درودہ مقدار سے زیادہ مقدار کو بھی بہت کم نہیں کرتا، نہ کہ اسے وہ درودہ سے بھی کم کر دے۔ ضرور وہ حوض اس فوارہ کے باوجود وہ درودہ سے زائد ہے۔ اور اگر فوارہ کا پانی نیچے سے اتنا عریض بھی ہوتا کہ نیچے کی طرف حوض وہ درودہ سے کم ہو جاتا، جب بھی، جب کہ سطح بالا وہ درودہ سے زائد، یا وہ درودہ ہوتی، سطح بالا کا پانی نہ نجاست پڑنے سے ناپاک ہوتا، نہ وضو غسل سے مستعمل، ہاں جہاں سے وہ درودہ سے کم ہوتا اس جگہ کا پانی نجاست سے ناپاک اور وضو غسل سے مستعمل ہوتا۔

”في التجنيس أعلاه عشر في عشر وأسفله أقل وهو ممتل يَجوز التوضي فيه والاعتسال فيه، وإن نقص لا۔“ واللہ تعالیٰ أعلم۔

تجنيس میں ہے کہ اس کا اوپری حصہ وہ درودہ ہو اور نچلا حصہ کم ہو جب کہ وہ بھرا ہوا ہو تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے، اور اگر کم ہو تو جائز نہیں۔ (مترجم)

کنویں کا نجس پانی نکالنے پر ہی کنواں پاک ہوگا

(۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک کنویں میں چوہا گرا، اس کے چند روز کے بعد اس کنویں سے مٹی برآمد کی گئی، بعد نکالنے مٹی کے اس کنویں سے پانچ سو ڈول پانی پھینکا گیا، اور اس کنویں میں دس گیارہ ہاتھ پانی ہے جو کہ تقریباً دس گیارہ سو ڈول پانی ہے، اور اس کنویں کی یہ خاصیت ہے کہ جس قدر پانی نکالا جاتا ہے، اتنا ہی پھر

ہو جاتا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کنواں پاک ہو یا نہیں؟۔ اور چوہا جو نکلا تو وہ گلا ہوا تھا یہاں تک کہ گوشت پوست کنویں ہی میں رہ گیا تھا۔ زید کہتا ہے کہ جب کہ کنویں سے مٹی نکالی گئی، اور پانی پانچ سو ڈول پھینکا گیا تو کنواں پاک ہو گیا، یہاں تک کہ ۳۶۰ ڈول پانی نکلنا بھی کفایت کرتا، اس طرح چھپکلی یا مثل اس کے پھول پھٹ جائے تو کیا حکم ہے؟ فقط۔ بینواتو جروا۔

المستفتی: ابوصالح محمد حاذق الفرقی کان اللہ تعالیٰ لہ ضلع مؤئیر

الجواب

جس قدر پانی اس کنویں کا نجس ہو سب جب تک نہ نکلے اس وقت تک کنواں پاک نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اس کنویں میں ہزار ڈول پانی ہے تو جب تک ہزار ڈول پانی نہ نکل جائے گا کنواں پاک نہ ہوگا۔ مٹی اور پانچ سو ڈول پانی نکل جانے سے جس نے کنویں کو پاک بتایا اس نے غلط بتایا، خدا معاف فرمائے۔ تین سو ڈول پانی کا اندازہ جہاں کے کنوؤں کے لیے ہے، یہ حکم وہاں کے لیے ہے، عام نہیں کہ جہاں پانچ چھ سو، جہاں ہزار بارہ سو ڈول پانی ہو، ہاں بھی تین سو ساٹھ ڈول نکال دینا کافی ہو۔ بغداد مقدس کے کنوؤں میں تقریباً اتنا ہی پانی ہوتا تھا کہ تین سو ساٹھ ڈول نکالنے سے ٹوٹ جاتا تھا، وہاں کے لیے یہ حکم فرمایا گیا۔ جیسے امام اعظم نے کوفہ کے کنوؤں کے لیے سو ڈول کا حکم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جب وقت وقوع نجاست ہزار ڈول پانی کنویں میں ہے تو یہ سارا ہی پانی نجس ہے۔ تو پانچ سو یا کم و بیش ہزار سے کم نکالنے پر سارا نجس پانی نہ نکلا، اور جب سب نجس پانی نہ نکلا تو کنواں کیوں کر پاک ہوا۔ مٹی اگر بالکل نہ نکلتی اور ہزار ڈول پانی نکلتا تو کنواں پاک ہوتا، کہ مٹی نکلنا واجب ہی نہیں ہے۔ پانی بالکل نکالا جاتا، اور مٹی جتنی نکال دی گئی اس سے بہت زیادہ نکال دی جاتی تو بھی کنواں پاک نہیں ہوتا۔ عبارات علما سے سب روشن ہے۔

غنیۃ ص: ۱۶۱ میں فرمایا:

”إن كانت البير معیناً لا یمكن نزحها إلا بعسر و حرج عظیم أخرجوا مقدار ما كان فیها من الماء وقت ابتداء النزح، ثم إن المشایخ اختلفوا کیف یقدر ما كان فیها اذ ذاك. قال بعضهم تحفر حفرة مثل عمق الماء وطوله وعرضه وتخصص، فینزح الماء حتی تملأ الحفرة۔ وقال بعضهم: یرسل فیها قصبه ویجعل لمبلغ الماء علامة ثم ینزح منها عشر دلاء مثلاً، ثم تعاد القصبه فینظر کم نقص، فینزح لكل قدر منها عشر دلاء۔ وهذا القولان مرویان عن أبی یوسف۔ وعن أبی حنیفة ینزح حتی یغلبهم الماء. وقال بعضهم: وهو رواية عن أبی حنیفة

أيضاً يحكم ذوا عدل من أهل البصرة بالماء، فينزع منها بحكميهما، فإن قالوا: إن ما فيها ذلك الوقت ألف دلو مثلاً نزع ذلك، قال صاحب الهداية: وهذا أي: الأخذ بقول العدلين أشبه بالفقه. قال في الكافي: إنه الأصح، إذ الرجوع إلى أهل البصرة أصل في كثير من الصور كما في الحكمين والشاهدين وتقويم المتلف. قال الله تعالى: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ الح (۱)

اگر کنواں جاری ہو اس کا پانی نکالنے میں دشواری اور حرج عظیم ہو، تو اتنا پانی نکال دیں جتنا کہ پانی نکالنے کے شروع میں کنواں میں تھا، پھر مشائخ کا اس میں اختلاف ہے کہ کیسے اندازہ کریں کہ اس میں اس وقت کتنا پانی تھا۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ پانی کے طول و عرض و عمق کے برابر ایک گڑھا کھودا جائے اور اس میں گچ کر دیا جائے، پھر اتنا پانی نکالا جائے کہ گڑھا بھر جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں بانس ڈالا جائے اور پانی کی انتہا پر ایک نشان لگایا جائے، پھر دس ڈول پانی نکالا جائے مثلاً۔ پھر دوبارہ بانس ڈالا جائے اور دیکھا جائے کہ کتنا پانی کم ہوا، پھر کل پانی ان دس ڈول کے حساب سے نکال دیا جائے۔ یہ دونوں قول امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔ اور امام اعظم سے مروی ہے کہ اتنا پانی نکالا جائے کہ نکالنے والوں کو پورا پانی نکل جانے کا غلبہ ظن ہو جائے۔ اور بعض فقہا کا قول ہے اور یہی ایک روایت امام اعظم سے بھی ہے کہ پانی سے متعلق معلومات رکھنے والے دو عادل آدمی پانی کی مقدار کا فیصلہ کریں، پھر ان دونوں کے فیصلے کے مطابق پانی نکال دیا جائے، پس اگر وہ کہیں کہ اس میں اس وقت دو سو ڈول ہیں تو اتنا پانی نکال دیا جائے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ان دو عادل شخصوں کے قول پر عمل کرنا فقہ سے قریب تر ہے، کافی میں کہا کہ یہی صحیح تر ہے، کیوں کہ اہل بصیرت کی طرف رجوع کرنا یہ بہت ساری صورتوں اصل قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حکمین کے معاملے میں، شاہدین کے سلسلہ میں اور فوت شدہ مال کی قیمت لگانے میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: علم والوں سے پوچھ لو اگر تم کو علم نہ ہو۔ (مترجم)

اسی کے ص: ۱۶۲ میں ہے:

”وروي عن محمد أنه قال: ينزع منها مائتا دلو إلى ثلث مائة دلو، وإنما أجاب بذلك بناء على كثرة الماء في آبار بغداد كذا في المبسوط. والمروي عن أبي حنيفة أنه إذا نزع منها مائة دلو يكفي، وهو بناء على آبار الكوفة لقلّة الماء فيها كذا في

الكفاية، فعلى هذا لا ينبغي الفتوى بالمأئين ونحوها مطلقاً، بل ينظر إلى غالب آبار البلد، وهو الأيسر على الناس. والأول: وهو اعتبار مقدار الماء في كل بئر على حدة أحوط.“ (۱)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: کہ دو سو سے تین سو ڈول تک پانی نکال دو، اور آپ نے یہ جواب بغدادی کنوؤں کے پانی کی کثرت پر بنا کرتے ہوئے دیا تھا، اسی طرح مبسوط میں ہے۔ اس بنیاد پر دو سو ڈول وغیرہ پر مطلقاً فتویٰ نہ دیا جائے، بل کہ شہر کے اکثر کنوؤں کو دیکھا جائے گا، اور لوگوں پر یہی ایسر ہے، اور پہلا قول یعنی ہر کنویں میں پانی کی مقدار کا علاحدہ علاحدہ اندازہ کرنا، اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔ (مترجم)

فتاویٰ خانہ میں فرمایا:

”أن يجاء بقصبة فيرسل فيها ويجعل على رأس الماء علامة، ثم ينزح منها دلاء، ثم ينظر كم انتقص، فنزح الباقي بحساب ذلك، ولا يجب نزح الطين لمكان الحرج.“ (۲)

ایک بانس لایا جائے اور وہ کنویں میں ڈالا جائے، اور سرے پر نشان لگا کر اس سے کچھ ڈول پانی نکالا جائے پھر دیکھا جائے کہ کتنا کم ہوا۔ پھر باقی پانی اسی حساب سے نکال دیا جائے، اور حرج کی وجہ سے مٹی نکالنا واجب نہیں۔ (مترجم)

عالم گیر یہ میں ہے:

”انتفخ حيوان أو تفسخ ينزح جميع ما فيها صغر الحيوان أو كبر، هكذا في الهداية“ (۳)

جانور پھول کر پھٹ گیا تو کنویں کا تمام پانی نکالا جائے گا خواہ حیوان چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ (مترجم)

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي فصل في البير. ص ۱۴۴]

(۲) [الفتاوى الخانية مع الهنديه. ۱/۱۱۱]

(۳) [الفتاوى الهنديه، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه: ۱/۲۷]

اسی میں ہے:

”إذا وجب نزح جميع الماء ولم يمكن فراغها لكونها معيناً ينزح مائتا دلو كذا في التبيين، وهذا أيسر كذا في الاختيار شرح المختار، والأصح أن يؤخذ بقول رجلين لهما بصارة في أمر الماء، فأبي مقدار قالاً: إنه في البئر ينزح ذلك القدر، وهو الأشبه بالفقه، كذا في الكافي وشرح المبسوط للإمام السرخسي والتبيين“ (۱)

جب تمام پانی کا نکالنا واجب ہو لیکن کنواں خالی کرنا پانی جاری ہونے کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو سو ڈول نکال دیے جائیں۔ تبیین میں اسی طرح آیا ہے، اور یہ کام آسان ہے جیسا کہ اختیار شرح مختار میں ہے اور اصح یہ ہے کہ پانی کے دو تجربہ کار ماہر لوگوں کی بات مان لی جائے، تو وہ پانی کی جتنی مقدار کنویں میں بتائیں اتنی مقدار میں پانی نکال دیا جائے اور یہ فقہ کے زیادہ مناسب (مشابہ) ہے جیسا کہ کافی اور امام مرسسی کی کتاب مبسوط اور تبیین میں ہے۔ (مترجم)

اور در مختار میں ہے:

”إن تعذر نزح كلها لكونها معيناً فيقدر ما فيها وقت ابتداء النزح، قاله المحلبي۔ يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء، به يفتى۔ وقيل: يفتى مسائتين إلى ثلث مائة، وهذا أيسر وذاك أحوط“ (۲)

اگر پورے کنویں کا پانی نکالنا کنویں کے جاری ہونے کی وجہ سے دشوار ہو تو آغاز نزح میں پانی کی مقدار کا اندازہ کر لیا جائے، امام حلی نے ایسا ہی کہا۔ اور اس بارے میں دو ایسے لوگوں کے قول کا اعتبار ہوگا جن کو پانی کے سلسلہ میں تجربہ اور مہارت ہو، اسی پر فتویٰ ہے، اور کہا گیا ہے کہ دو سو سے تین سو ڈول پانی نکالنے پر فتویٰ دیا جائے گا، یہ بات زیادہ آسان ہے، لیکن پہلے قول میں زیادہ احتیاط ہے۔ (مترجم)

رد مختار میں ہے:

”قوله: وقيل: ضعف هذا القول في الحلبيّة وتبعه في البحر بأنه إذا كان الحكم الشرعي نزح الجميع، فالإقتصار على عدد مخصوص يتوقف على دليل سمعي يفيد، وأين ذلك؟ بل المأثور عن ابن عباس وابن الزبير خلافه حين افتيا

(۱) [الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، باب الثالث في المياه: ۲۷/۱]

(۲) [الدر المختار، كتاب الطهارة، فصل في البئر: ۳۳۰/۱]

بنزح الماء كله حين مابت زنجي في بئر زم زم (الی قوله مرویاتی) إن مسائل الآبار مبنية على اتباع الآثار، على أنهم قالوا: إن محمداً أفتى بما شاهد في آبار بغداد فإنها كثيرة الماء، وكذا ما روي عن الإمام من نزح مائة في مثل آبار الكوفة لقلّة مائها فيرجع إلى القول الأول؛ لأنه تقدير ممن له بصارة وخبرة بالماء، في تلك النواحي، لا لكون ذلك لازماً في آبار كل جهة. (۱)

حلبہ میں اور اس کی موافقت بحر میں اس قول کو ضعیف کہا گیا، اس لیے کہ جب حکم شرعی تمام پانی نکالنے کا ہے تو مخصوص عدد پر اکتفا کرنے کے لیے نقلی دلیل کی ضرورت ہے جو اس کا افادہ کرے، اور یہ دلیل کیا ہے بل کہ ابن عباس اور ابن زبیر سے اس کا عکس و خلاف منقول ہے، جب انہوں نے چاہ زم زم میں حبشی کے مرنے پر پورا پانی نکالنے کا حکم دیا تھا، اور کنوؤں کے مسائل آثار کی اتباع پر موقوف ہیں۔

علماء فرماتے ہیں: امام محمد نے بغدادی کنوؤں میں اپنے مشاہدہ پر فتویٰ دیا تھا اس لیے کہ وہ بہت پانی والے کنوئیں تھے، اسی طرح امام اعظم سے مروی ہے کہ کوفہ کے کنوؤں میں مثلاً سو ڈول پانی نکالنے کے بارے میں کہ ان کنوؤں میں پانی کم ہوا کرتا تھا، لہذا اول قول کی طرف رجوع کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ اس شخص کا اندازہ ہے جس کو مہارت اور پانی کا تجربہ ہو ان علاقوں میں، ناسیہ کہ یہ حکم ہر ایک جہت کے کنوؤں کے لیے لازم ہے۔ (مترجم)

چھپکلی یا جود موی جانور مر کر پھول پھٹ جائے، سب پانی نکلے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کنوئیں کا بیان

(۶) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
جس کنوئیں کے پاس فضلات اور سنڈ اس کا پانی جانے کے لیے ہضم سیفیک ۵، رہی فٹ کے فاصلہ پر بنا ہوا ہو، اس کنوئیں کا پانی کیا سمجھا جائے گا، یہاں کی زمین نرم ہے، کنوئیں میں پانی ادھر ادھر سے ہی آکر جمع ہوتا ہے، زمین کے نیچے پتھر سے پانی نہیں نکلتا، زمین ہی کے پانی سے کنواں بھر جاتا ہے، برسات کے دنوں میں زمین کے سطح سے تین یا چار ہاتھ ہی نیچے تک کنواں بھر جاتا ہے، برسات کے

موسم میں قبرستان میں قبر کھودنے سے قبر میں پانی آجاتا ہے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ سنڈ اس کے ہضم کے سبب کنویں کے پانی کا حال کیسا ہے؟ اور ہضم سیفٹک کو بند کرنا چاہیے، یا نہیں؟
راقم خادم عثمان عبداللہ عثمی عنہ

الجواب

کنویں کے پاس جو چوہچوہ ہے، اگر نجاست اس سے کنویں تک سرایت کرے کہ کنویں میں اس کا اثر رنگ، یا مزہ، یا بو ظاہر ہو تو کنواں ناپاک ہو جائے گا اگرچہ وہ چوہچوہ کنویں سے کتنے ہی فاصلہ پر ہو، صورت متذکرہ بالا میں اگر کنویں میں ہضم کا ناپاک پانی سرایت کر آتا ہے کہ کنویں میں اس کا اثر، رنگ، یا مزہ، یا بو، ظاہر ہوئی، تو کنویں کا پانی ناپاک ہے، ورنہ نہیں۔ لیکن زمین جب کہ بہت نرم ہے اور پانی میں سرایت کرنے کا واقعی اندیشہ ہے، ہضم سے کنویں میں پانی آنے کا، یا اس کی نمی ہی پہنچنے کا قوی احتمال ہے، لہذا چاہیے کہ ہضم کنویں سے اتنی دور ہو کہ اس سے پانی آنے کا احتمال جاتا رہے۔
در مختار میں ہے:

((البعء بین البئر والباعۃ بقدر مالا یظہر للنجس أثر)) (۱)
ردالمحتار میں ہے:

((فی الخلاصۃ والخانیۃ التعویل علیہ وصححہ فی المحیط)) (۲)
اسی میں ہے:

((فی روایۃ خمسۃ أذرع، وفي روایۃ سبعة والحاصل أنه یختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه)) (۳)

کتبہ: عبدالرحمن مظفر پوری

الجواب صحیح:

اگر نجس پانی پہنچ جانے کا بے اس کے رنگ و مزہ و بو بدلے یقین ہو جائے تو بھی اس کنویں کے پانی کے نجس ہو جانے کا حکم ہوگا، چوہچوہ کنویں کے قریب ہے، اور اس کے پانی کو کنویں کے پانی میں سرایت

(۱) [الدر المختار، کتاب الطہارۃ: ۱/۳۳۸]

(۲) [ردالمحتار کتاب الطہارۃ: ۱/۳۳۸]

(۳) [أیضاً: ۱/۳۳۸] واللہ تعالیٰ اعلم

کرتے دیکھا، یا اس کی دیوار جو نجس پانی سے نم ہوئی وہ کنویں کے پانی سے نم لگی تو کنواں نجس ہو جائے گا۔
فقیر مصطفیٰ رضا قادری مغفّر۔

ٹونٹی سے پانی بہہ جائے تو وہ بھی پاک ہو جائے گی

(۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
اگر لوٹا ناپاک ہو گیا، اور اس کی ٹونٹی اندر سے دھوئی نہیں جاسکتی، اس صورت میں لوٹا پاک ہو
جائے گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔
از شہر کہنہ از مکان مصطفیٰ علی خاں۔ بریلی۔

الجواب

الجواب:۔ ٹونٹی میں سے لوٹا ابا لنے سے جب پانی بہہ جائے گا، تو اثر نجاست نہ رہے گا، ٹونٹی بھی
پاک ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ناپاک رنگ کے کپڑے پاک کرنا لازم ہیں

(۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
عورتیں جو رنگین کپڑے پہنتی ہیں، ان کو کیا لازم ہے کہ رنگین کپڑوں کو پاک کر کے نماز پڑھیں؟

الجواب

نہیں۔ ہاں ناپاک رنگ میں رنگیں تو اپنے آپ ہی پاک کرنا ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) وضو

باتیں کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

(۹) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

وضو کرنے کے بعد نماز سے قبل بات کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا وضو کرتے میں بات کرنے

سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

الجواب

نہیں۔ مگر وضو کرنے میں اور اس کے بعد نماز سے قبل دنیا کی باتیں کرنا نہ چاہیے، مستحب یہ ہے کہ دنیوی باتیں نہ کرے، وضو کرتے میں وضو کی مسنون دعائیں پڑھے، اور بعد وضو تحیۃ الوضو وغیرہ نماز میں مشغول ہو۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سر کا مسح اس طرح اولیٰ ہے کہ سر کے آگے سے پیچھے کو ایک بار کرے

(۱۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
اگر سر پر بال ہوں (زلفیں) تو مسح کرنے کی حالت میں ہتھیلیوں کو پشت سر کی جانب سے واپس پیشانی کی طرف لانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

بال ہوں یا نہ ہوں، اگر مسح اس طرح کرے گا کہ ہر ہاتھ کی تین انگلیاں مقدم راس پر رکھ کر دو دو انگلیاں اور ہتھیلیاں اٹھاتے ہوئے گردن تک ان تین تین انگلیوں کو لے جائے گا، تو پورے سر کا مسح صحیح جب ہی ہوگا جب کہ ہتھیلیوں سے سر کے دونوں جانبوں کا مسح کرے گا، اور اگر مسح اس طرح کرے گا کہ تین تین انگلیاں اور ہتھیلیاں مقدم راس سے اس طرح جانب گردن لے جائے گا کہ سر کے دونوں جانب بھی پوری پوری ہتھیلیوں کے نیچے آتی جائیں گی، تو اس صورت میں یوں ہی پورے سر کا مسح ہو گیا، پیچھے سے آگے لانا بے کار ہے۔ اور اولیٰ یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بے ستر وضو ہونا جاتا ہے

(۱۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
زید نے نیکر پہن کر وضو کیا اس کے بعد پاجامہ پہنا اور نماز پڑھی، بکرنے کہا کہ فرض کھلے ہوئے تھے، وہ وضو نماز کے لیے کفایت نہ کرے گا، دوبارہ وضو کرنا ضروری تھا، اس یہ کہا گیا کہ غسل خانہ میں جو

فرض کھلے ہوئے وضو کیا جاتا ہے تو کیسے نماز ہوتی ہے، احکام شرعیہ سے مستفیض کیجیے گا اور یہ بھی فرمائیے
 گا کہ غسل خانہ کے بغیر کیا ہوا ہونے نہ ہونے کی تفصیل کیا ہے، فرق فرمائیے گا۔ بینوا توجروا
 احمد رضا خاں بقلم مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۶۸ء ساکن بشارت گنج بریلی شریف

الجواب

وضو جو ستر کھولتے کیا ہو گیا، اس وضو سے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، ستر کے ساتھ وضو کرنا
 چاہیے۔ وضو ہو اور ستر کھلا تو پھر وضو کرنا ضروری نہیں، اچھا ہے، غسل خانہ میں بھی کپڑا باندھ کر غسل کرنا
 چاہیے۔ غسل خانہ پٹا ہوا ہو تو اچھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غسل (۳)

غسل بغیر نیت بھی ہو جاتا ہے

(۱۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
 غسل کی نیت کیا ہے، اور غسل کرتے وقت کیا پڑھا جاتا ہے۔ غسل تہبند باندھ کر افضل ہے

یا برہنہ۔

الجواب

غسل بہ نیت طہارت کریں مگر طہارت حاصل ہونے کے لیے نیت ضروری نہیں۔ یوں ہی اگر
 پانی سارے جسم پر بہا لیں گے طہارت ہو جائے گی، غسل پھر از سر نو نیت طہارت کر کے کرنا لازم نہ
 ہوگا۔ غسل خانہ میں جانے سے پہلے ستر کھولنے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھ لیں۔ غسل خانہ میں جا کر کوئی
 دعا پڑھنا نہ چاہیے۔ تہبند باندھ کر غسل بہتر ہے۔ مگر احتیاط کریں کہ سارے جسم پر پانی بہ جائے، اس
 طرح تہبند جسم سے علاحدہ کر کے پانی ڈالیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حیض

حیض و نفاس کی حالت میں عورتوں کے ہاتھ کاڑھا ہوا کھانا جائز ہے

(۱۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
جن عورتوں کو حیض و نفاس ہوتا ہے جب تک وہ پاک نہیں ہوتیں تب تک بعض بعض شخص ان کے ہاتھ کا کھانا اور ان کے ہاتھ کا چھوا پانی کھانے پینے میں بڑے اعتراض کیا کرتے ہیں، کیا ایسا ہی حکم شریعت میں ہے؟ بینوا توجروا۔

ازرائے بریلی مرسلہ شیخ چھدا صاحب، ۲۵/ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ۔

الجواب

جو لوگ ایسا کرتے ہیں ناجائز و گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اور مشرکین عنود، یہود بے بہود اور مجوس نامسعود کی رسم مردود کی پیروی کرتے ہیں۔ بحالت حیض و نفاس صرف شرم گاہ سے استمتاع ناجائز ہے۔ بس اس سے احتراز لازم۔ مشرکین و یہود و مجوس کی طرح حیض و نفاس والی عورت کو بھنگن سے بھی بدتر سمجھنا بہت ناپاک خیال، نرا ظلم عظیم و بال ہے۔ یہ ان کی من گھڑت ہے۔

﴿مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ (۱)

اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ (۲)

اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دو گندگی ہے پس حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔

اس آیت کا شان نزول ہی یہ ہے کہ مشرکین عرب و یہود و مجوس ایسی عورت کے ساتھ کھاتے پیتے بہتے بستے نہ تھے۔ اس حالت میں عورت کو گھر میں نہ رہنے دیتے، نکال کر باہر کرتے تھے۔ ان کی طرف دیکھنے کو روانہ رکھتے۔ ان سے بات کرنے کو حرام ٹھہراتے تھے۔ اور نصرانی اس کے برعکس اس حالت میں ان کے ساتھ زیادہ اختلاط کرتے، اور ان سے بہ اکراہ وطی کرنا چاہتے تھے۔ یہ آیت کریمہ حضرت ثابت بن

دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال پر کہ یا رسول اللہ جاڑا سخت ہے اور کپڑے کم۔ تو کیا ہم عورتوں کو اپنے ساتھ کپڑوں میں کر لیں، اور (حائضہ) عورتوں کے ساتھ کیا سلوک برتیں؟ اس پر آیت اتری، یعنی تم اسی کا حکم کیے گئے ہو کہ ان کے ساتھ جماع نہ کرو، جب وہ حائضہ ہوں۔ اور تمہیں خدا اس کا امر نہیں فرماتا کہ انہیں گھروں سے باہر کر دو۔ یعنی افراط و تفریط سے بچو۔ نہ یہود کی سی تفریط کرو۔ نہ نصاریٰ کا سا افراط۔

تفسیرات احمد یہ میں ہے:

”نقل في نزوله أنه كانت العرب لم يؤاكلوا الحائض ولم يشاربوها ولم يساكنوها، كفعل اليهود والمجوس، فسأل ثابت بن الدحداح عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وقال: يا رسول الله! البرد شديد، والثياب قليلة، لا يسع إلا أحداً منا، فجمعهن في ثياب، وبأي وجه نسلك بهن، فنزلت هذه الآية. يعني إنما أمرتم أن تعزلوا مجامعهن إذا حضن، ولم يأمركم بإخراجهن من البيوت. وقيل: إنه لما كانت اليهود ينافرون من نساءهم في حالة الحيض غاية التنافر بحيث لا ينظرون إليهن، ولا يأكلون معهن، ويحرمون الكلام بهن، وكانت النصراني على عكسهم يبالغون في الإختلاط ويقصدون الوطي بهن بالإكراه، فنزلت هذه الآية. يعني افعلوا الاقتصار في النساء الحيض، وكفوا عن الإفراط والتفريط.“ (۱)

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں منقول ہے کہ عرب حائضہ عورتوں کے ساتھ کھاتے پیتے نہیں تھے اور نہ ہی ان کے ساتھ رہتے جیسا کہ یہود و مجوس کا عمل تھا، تو ثابت بن دحداح نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا، اور کہا: یا رسول اللہ! سردی بڑی شدید ہے اور ہمارے پاس کپڑے کم ہیں جو ہم میں سے کسی ایک کی کفایت کر سکتا ہے، تو کیا ہم ان عورتوں کو اپنے ساتھ کپڑوں میں سلا لیں، اور کس طرح ہم ان کے ساتھ برتاؤ کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی تمہیں ان سے جماع سے منع کیا گیا ہے حالت حیض میں۔ اور ان کو گھروں سے نکالنے کا تمہیں حکم نہ دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہود حالت حیض میں اپنی عورتوں سے بہت زیادہ نفرت کرتے تھے، یہاں تک ان کی نہ دیکھ بھال اور نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے، اور ان سے بات چیت حرام سمجھتے اور اس کے برعکس نصرانی اس حالت میں ان

سے بہت زیادہ اختلاط رکھتے، اور بہ اکراہ ان سے وطی کرنا چاہتے تھے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ حائضہ عورتوں سے میانہ روی اختیار کرو، اور افراط و تفریط سے بچو۔ (مترجم)

مسلمانوں پر لازم ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہیں سمجھائیں، اور یہود و مجوس و ہنود عنود کی اس ناجائز موذی رسم کی پیروی سے روکیں، اگر وہ جہالت پر جمیں، اپنی ہٹ پراڑیوں، ضد پر رہیں تو ان سے برادرانہ تعلقات چھوڑیں، یہاں تک کہ وہ توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الصلاة

ابواب

- ۲۲۸ ۱۔ اذان کا بیان
- ۲۳۱ ۲۔ اذان خطبہ کے مباحث کا خلاصہ
- ۲۲۸ ۳۔ رسالہ مقتل کذب وکید (۱۳۳۲ھ)
- ۳۳۶ ۴۔ رسالہ نفی العار من معایب المولوی عبدالغفار (۱۳۳۲ھ)
- ۳۶۶ ۵۔ رسالہ مقتل اکذب واجہل (۱۳۳۲ھ)
- ۳۸۳ ۶۔ مسئلہ تشویب کا خلاصہ
- ۳۹۵ ۷۔ رسالہ القول العجیب فی جواز التشویب (۱۳۳۹ھ)



اذان کا بیان

اذان مسجد کے اس کنارہ میں ہو جدھر آبادی زیادہ ہو

(۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
اذان محراب سے وہنی طرف پڑھی جاوے یا بائیں طرف؟۔

الجواب

جدھر مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے اندر اذان نہیں دے سکتے

(۲) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
بارش کثرت سے ہو رہی ہے، اس حالت میں اذان مسجد کے اندر یا حجرہ کے اندر پڑھنا درست
ہے؟ یہ بھی تحریر کر دیجیے کہ مسجد کے اندر پڑھے یا حجرے کے اندر پڑھے؟

الجواب

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے، چھتری لگا کر خارج مسجد اذان دیں، اور اگر بیرون مسجد کوئی جگہ
ایسی ہو جہاں بارش سے بچے، وہاں دے۔ حجرے یا دالان کے اندر گھس کر اذان دینے میں خصوصاً بارش
کے وقت میں باہر آواز بھی کافی طور پر نہ پہنچے گی، اور اذان کا مقصد ہی حاصل نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فاسق کی اذان مکروہ مگر اذان ہو جائے گی

(۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

داڑھی منڈے کو مسجد میں اذان و صلاة و تکبیر کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو دوسرے نمازیوں کی پچھلی نمازوں کے متعلق کیا کرنا چاہیے، وہ دوبارہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب

مؤذن عاقل بالغ صالح متقی عامل بالسنہ، مواظب علی الاذان، اوقات صلاة کا عارف، بلند آواز، اس کا خیال کہ کون جماعت میں داخل نہ ہوا، اور کیوں نہ ہوا، جو لوگ بے عذر ترک جماعت کرتے ہیں انہیں زجر کرنے والا بااثر مولوی ہونا چاہیے۔

عالمگیری میں ہے:

”أهلية الأذان تعتمد بمعرفة القبلة والعلم بمواقيت الصلاة كذا في فتاوى قاضي خان - وينبغي أن يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقياً عالماً بالسنة كذا في النهاية - وينبغي أن يكون مهيباً ويتفقد أحوال الناس ويزجر المتخلفين عن الجماعات كذا في القنية - وأن يكون مواظباً على الأذان هكذا في البدائع والتتارخانية - وأن يكون محتسباً في أذانه كذا في النهر الفائق“ (۱)

اہلیت اذان کا دار و مدار قبل اوقات نماز کی معرفت پر ہے، یوں ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے، مناسب یہ ہے کہ مؤذن مرد، عاقل، نیک، پرہیزگار اور سنت کا جان کار ہو، اسی طرح نہایت میں مذکور ہے۔ اور اس سے بہتر یہ ہے کہ وہ بارعب اور لوگوں کے حالات سے باخبر ہو، اور جماعت سے پیچھے رہنے والوں کو تنبیہ کرتا ہو، یوں ہی قنیہ میں ہے، ساتھ ہی اسے مناسب ہے کہ وہ اذان پر دوام اختیار کرتا ہو، بدائع اور تاتارخانیہ میں اسی طرح ہے۔ اس سے بہتر یہ کہ وہ بلا اجرت اذان دیتا ہو۔

(مترجم)

داڑھی منڈا حرام ہے، داڑھی منڈا فاسق، فاسق کی اذان مکروہ، مگر اذان دے تو ہو جائے گی۔
عالمگیری میں ہے:

”یکرہ اذان الفاسق ولا یعاد هكذا في الذخيرة.“ (۲)

فاسق کی اذان مکروہ ہے لیکن اس کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔ (مترجم)

(۱) [الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاة الباب الثانی فی الاذان: ۷۰/۱]

(۲) [الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاة الباب الثانی فی الاذان: ۷۰/۱]

اس کی اذان و اقامت کے سبب یہ نہیں کہ نماز ہی نہ ہوگی۔ پچھلی نماز میں ہو گئیں، اذان و اقامت اگر بالکل نہ ہوتی جب بھی نماز ہو جاتی، ان نمازوں کے اعادہ کا حکم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے

(۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
حکیم قاری رفیق احمد صاحب پہلی بھیتی مقیم بستی ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عامل ہیں، مگر کسی مصلحت کی بنا کر جمعہ کی اذان ثانی باہر نہیں کراتے ہیں، کیا اس بنا پر ان سے سنیوں کو مقاطعہ کرنا چاہیے، یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ حکیم صاحب موصوف سے اس بنا پر ناراض ہیں۔

الجواب

اذان جمعہ ہو، یا کوئی اور اذان مسجد کے اندر مکروہ، خلاف سنت ہے، باہر ہی ہونا سنت ہے، لیکن اس مسئلہ پر عمل کرانے میں بھی شدید فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے جب تک حالات سازگار نہ ہو جائیں، اس مسئلہ کو موقوف رکھیں، کہ کوئی بڑا فتنہ نہ ہو جائے اور اگر بے مصلحت شرعی وہ مسجد کے باہر اذان نہیں کراتے ہیں تو ان کا یہ فعل بہت برا ہے ان کو اس سے احتراز کرنا چاہیے، مگر مقاطعہ پھر بھی نہ کریں کہ وہ سنی صحیح العقیدہ ہیں اور اپنوں سے ہیں، اور اپنوں نے مقاطعہ کرنے میں بھی فتنہ ہوتا ہے، اس قسم کی باتوں کی بنا پر حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ تو داڑھی منڈھوں سے بھی بہت ناراض ہیں، کیا آپ داڑھی منڈھوں سے مقاطعہ کریں گے؟ مقاطعہ کے بجائے ان کو سمجھائیں، برابر سمجھانے کی کوشش جاری رکھیں، ضرور انشاء اللہ تعالیٰ ہر مسئلہ ان کی سمجھ میں آجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: محمد اعظم غفرلہ ۱۲۹۷ھ

واقعی اس بنا پر مقاطعہ جائز نہیں ہو سکتا۔ هو الہادی وهو تعالیٰ اعلم۔ مجھے کوئی شکایت حکیم رفیق احمد صاحب سے نہیں ہے۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

اذانِ خطبہ کے مباحث کا خلاصہ

مولانا مفتی عبدالحق رضوی مصباحی

استاذ الجامعة الاشرافیہ، مبارک پور

مفتی اعظم، شہزادہ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں، قادری نوری قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی ان نفوس قدسیہ میں سے ہے جن کی علمی شوکت و جلالت، عظمت و بزرگی، تقویٰ و طہارت کا اعتراف اپنے تو اپنے بیگانے بھی کرتے ہیں اور آپ کے فضائل و کمالات، علم و تقویٰ کا ڈنکا سارے عالم میں بج رہا ہے۔

الحمد للہ میری زندگی کے انتہائی مبارک و مسعودہ ایام تھے کہ اس حقیر کو اپنے مرشد گرامی شہزادہ اعلیٰ حضرت کی معیت میں کامل دس شب و روز رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور بہت قریب سے آپ کے معمولات دیکھنے اور ارشادات سننے کا موقع ملا۔ بلاشبہ آپ کی پوری زندگی شریعت و سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں جن چند بزرگوں کی زیارت کی اور ان کے ساتھ زندگی کے کچھ قیمتی لمحات گزارے ہیں اور جن کی ولایت و بزرگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے اس مبارک جماعت اولیا کے سرخیل و سردار سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

اپنے دور کے علما و مشائخ میں بلاشبہ آپ کی ذات بجاے خواص و عوام اور مرجع اصاغر و اکابر تھی۔ بخاری و مسلم میں صاحب اسرار حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ ہم لوگ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس تھے۔ حضرت عمر نے مجھ سے اور مجلس میں موجود دیگر صحابہ کرام سے پوچھا کہ فتنے کے تعلق سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کس کو یاد ہے؟ تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا مجھے زیادہ یاد ہے؟ اس کے بعد کچھ فتنوں کا آپ نے تذکرہ کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: فتنوں سے ہماری مراد وہ فتنے نہیں جو آپ بیان فرما رہے ہیں بل کہ میری مراد وہ فتنے ہیں ”السی تموج کموج البحر“ یعنی جو سمندر کی طرح موجیں ماریں گے تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ کو کیا ضرورت ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں سوال کی زحمت فرمائیں؟ آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان دروازہ بند ہے۔ فاروق اعظم نے پوچھا دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ تو حضرت حذیفہ نے کہا نہیں بل کہ توڑا جائے گا۔ تو اس پر فاروق اعظم نے کہا کہ تب تو فتنوں کا دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا۔

حضرت مسروق نے حذیفہ بن یمان سے دروازے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ دروازہ عمر بن خطاب ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی ذات والا صفات اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و حمایت اور حفاظت و صیانت کے لیے ایک عظیم سپہ اور چٹان تھی اور دور فاروقی اسلام اور مسلمانوں کی شوکت و عروج کا انتہائی روشن وزریں دور تھا جس کی اقوام و ملل کی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال مل سکے۔ لیکن فاروق اعظم کی شہادت کے بعد سے بتدریج فتنوں کا جو دروازہ کھلا ہے وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

جن حضرات کے سامنے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے ماضی قریب کے تقریباً نصف صدی کے حالات ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سرکار مفتی اعظم، تاجدار اہل سنت کی ذات گرامی بلاشبہ جماعت اہل سنت کے لیے ایسی بافیض اور بابرکت ذات تھی کہ آپ کی حیات تک جماعتی تمام فتنوں کا دروازہ بند تھا۔ آپ کے دور کے اصاغر ہوں یا اکابر، عوام ہوں یا خواص کسی کے اندر یہ جرات نہیں تھی کہ علم بغاوت بلند کر سکے، جس سے جماعت میں افتراق و انتشار ہو اور اپنے لوگ مختلف گروپوں میں بٹ جائیں۔

اہم سے اہم فقہی، دینی، ملی مسائل میں آپ کا ارشاد سند کا درجہ رکھتا تھا اور آپ کا حکم حرف آخر ہوتا تھا۔

یقیناً حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کی ذات، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی اور فتنوں سے تحفظ فراہم کرنے میں فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرتو اور عکس جمیل تھی اور ماضی قریب کے علما اور مشائخ میں تاجدار اہل سنت کا مبارک لقب آپ ہی کے فرق اقدس پر زیب دیتا ہے اور آپ کی ذات بابرکت کے سنو ادوسرے لوگوں کے لیے اس مبارک لقب کا استعمال، لفظ کا بے جا استعمال اور زیادتی محسوس ہوتی ہے۔

ناشر سنتیت، محبت رضویت الحاج محمد سعید نوری صاحب زید مجدہم کے ممنون ہیں کہ انھوں نے مرشد برحق، تاجدار اہل سنت پر مضمون لکھنے کی دعوت دے کر احسان فرمایا حالانکہ ہم غلاموں پر تو ویسے ہی لازم و ضروری تھا کہ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک حلیہ جمال اور آپ کے فضل و کمال کو جہاں تک ہو سکے، امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں تاکہ مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کا کام انجام پاسکے اور قوم مسلم بارگاہ سرکار مفتی اعظم سے مسلسل کتاب فیض کرتی رہے۔

احیاء سنت اور خانوادہ اعلیٰ حضرت:

اذان خطبہ کا صحیح محل و مقام کہا ہے: اعلیٰ حضرت، مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ سے اس کا استفتاء ہوا۔ آپ نے اپنی تحقیق کے موافق جواب دیا۔ یہ اذان مسجد میں مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔

بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی علمائے دیوبند نے اعلیٰ حضرت کے خلاف کیا، علمائے اہل سنت میں بھی متعدد لوگوں نے آپ کی مخالفت کی۔ خاص طور سے علمابدایوں اور علمائے رام پور سے اذان خطبہ کے معاملے میں شدید ٹکراؤ رہا۔ علمائے بدایوں نے اذان خطبہ کے مسئلے کو اپنی عزت و وقار کا مسئلہ بنا لیا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا موقف اس قدر مدلل اور مستحکم تھا کہ آپ کے دلائل کے سامنے مخالفین کے شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس سے زچ ہو کر مخالفین خاص طور سے علمائے بدایوں نے آپ کو تکلیف پہنچانے میں حتی المقدور کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی۔ جہاں تک میری معلومات ہے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں جتنی تکلیف علمائے بدایوں نے پہنچانے کی کوشش کی ہے اتنی تکلیف شاید کسی نے بھی نہ پہنچائی ہو۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا جب پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو آپ نے دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا۔ آپ عرض کرتے ہیں:

عدو بدین مذہب والے حاسد

تو ہی تنہا کا زور دل ہے یا غوث

حسد سے ان کے سینے پاک کر دے

کہ بدتردق سے بھی یہ سل ہے یا غوث

غذائے دق یہی خوں استخوان گوشت

یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث

ذیاء مجھ کو انھیں محروم چھوڑا

مرا کیا جرم حق فاصل ہے یا غوث

عطا میں مقتدر غفار کی ہیں

عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

دونوں طرف سے متعدد رسائل اور کتابوں کا تبادلہ ہوا، انھیں رسائل میں اذان من اللہ، وقایۃ اہل السنۃ، حق نما فیصلہ، سلامت اللہ لاہل السنۃ، ازاحۃ العار، تعبیر خواب، سد الفرار وغیرہ رسائل شائع ہوئے جن میں تھانوی صاحب بشمول علمائے رام پور پر ڈیڑھ ہزار اور علمائے بدایوں پر ساڑھے تین سو کے قریب ایرادات و اعتراضات ہیں۔ اس علمی و قلمی جہاد میں اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادے حضرت حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم رحمہما اللہ تعالیٰ آپ کے شریک کاررہے اور اس مسئلے کو ان حضرات نے اس قدر مدلل اور مبرہن فرمادیا ہے کہ جس میں نہ تو موافق کے لیے زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ مخالف کے لیے مجال دم زدنی۔ جس کا جی چاہے اس موضوع پر ان مطبوعہ رسائل و کتب کا مطالعہ کر کے اس بات کی تصدیق حاصل کر سکتا ہے۔

فیصلہ کن نکات:

اذان خطبہ کہاں ہونی چاہیے اور اس کا صحیح محل کیا ہے؟ اس کے تصفیے کے لیے مندرجہ ذیل نکات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جو شخص بھی اس مسئلہ کو کا حقہ سمجھنا چاہے، اسے ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنا چاہیے اور ہمیں امید ہے کہ جو بھی عصبیت اور عناد سے خالی ہو کر غور کرے گا حق اس پر واضح ہو جائے گا اور وہ یقیناً ہمارے موقف کی تائید و توثیق کرے گا۔ درج ذیل نکات اعلیٰ حضرت اور سرکار مفتی اعظم اور دیگر علمائے اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

اول: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازہ پر ہوتی تھی جب حضرت عثمان غنی کے زمانے میں لوگوں کی کثرت ہوئی تو انھوں نے ایک اذان کا اضافہ مقام زور پر فرمایا۔ پہلی اذان کے اضافے کے بعد بھی اذان خطبہ دروازہ مسجد پر باہر ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسے گھسیٹ کر منبر کے سامنے نہیں لائے۔ وہیں رہنے دیا۔

حدیث شریف میں ہے:

كان يوذن بين يدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و ابى بكر و عمر۔ رواه ابو دلود عن السائب بن يزيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امام الائمة ابن خزيمة في صحيحه۔

(ابوداؤد شریف، ج ۱/ ۱۵۵۔ باب نداء يوم الجمعة)

جمعہ کے دن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی، یوں ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ہوتی رہی۔

ثانی: فقہانے فرمایا ہے:

لا يوذن في المسجد۔ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔

(خلاصہ، خزائنہ، خانہ، البحر الرائق، فتح القدير، ہندیہ، شرح نقایہ)

الاذان انما يكون على المئذنة او خارج المسجد والاقامة في داخله۔

اذان صرف مئذنہ پر یا مسجد کے باہر ہو اور اقامت مسجد کے اندر

(غنیۃ المستملی: ص ۲۷۷)

لکراہة الاذان في داخله۔ کیوں کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔

(فتح القدير ثانی: ص ۲۹)

یکرہ ان يوذن في المسجد۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔

(نظم امام زندویشی، قہستانی، طحاوی علی المراقی / ۱۹۷)

ان ارشادات میں نہ اذان پنج گانہ کی تخصیص ہے اور نہ اذان خطبہ کا استثناء اس لیے یہ اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے اذان خطبہ کو بھی شامل ہے۔ لہذا پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی مسجد کے اندر دینا ممنوع اور مکروہ ہے۔

ہر طالب حق مخالفین کی پوری کتاب پڑھ جائے۔ مخالفین کہیں ان نصوص میں تخصیص یا اذان خطبہ کے استثناء پر ایک بھی کسی فقیہ کا قول پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔

ثالث: یہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد مبارک میں اور خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل عہد میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہوتی تھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوفے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر دلوائی۔

اور کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو بار بھی یہ اذان مسجد کے اندر دلوائی ہو۔ اگر اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا جائز ہوتا تو کبھی ایک دو بار ہی سہی بیان جواز کے لیے یہ اذان مسجد کے اندر دلواتے۔

اہل علم پر روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ اذان خطبہ بیرون مسجد دینے کی سنت مردہ ہو چکی تھی۔ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اور آپ کے دونوں شہزادوں کو مرحمت فرمائی اور حسب فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، مجلس البرکات، مبارک پور)

جو شخص میری امت کے فساد کے وقت ہماری سنت اختیار کرے گا اس کو سوشہیدوں کا ثواب ملے گا۔ لہذا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور آپ کے دونوں صاحبزادگان اس بشارت کے مستحق ہوئے۔ اور احیائے سنت کرنے والوں کو کیوں سوشہیدوں کا اجر و ثواب نہ ملے۔ شہید تو ایک مرتبہ تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور احیائے سنت و نکایت بدعت کرنے والا تو مسلسل طعن و تشنیع کے نیزوں سے زخمی ہوتا رہتا ہے۔ نہ صرف زندگی میں بل کہ بعد موت بھی۔ اس لیے احیائے سنت کرنے والوں کے لیے سوشہیدوں کا ثواب عین تقاضاے عدل و حکمت ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

رابع: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان کا اضافہ کیا اور اسے زوراء پر دلایا یہ تو ثابت ہے مگر اذان خطبہ وہاں سے ہٹائی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانہ سے ہوتی آئی تھی؟ اس

بارے میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت نہیں اور نہ کوئی صاحب قیامت تک پیش کر سکتے ہیں اور اصل البقاء ما کان علی ما کان ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ انھوں نے اذان خطبہ اسی جگہ رہنے دی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کربیین کے زمانے سے ہوتی آئی تھی اور اس پر نص زرقاتی علی المواہب کی درج ذیل عبارت ہے۔

لما کان عثمان امر بالاذان قبلہ علی الزوراء ثم نقلہ ہشام الی المسجد ای امر بفعله فیہ و جعل الآخر الذی بعد جلوس الخطیب علی المنبر بین یدیہ بمعنی انہ ابقاه بالمکان الذی یفعل فیہ فلم یغیرہ بخلاف ما کان بالزوراء فحولہ الی المسجد علی المنار۔

(امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی، ج ۷/ص ۲۲۵)

جب حضرت عثمان غنی خلیفہ ہوئے اذان خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں زوراء پر دلوائی۔ پھر اس پہلی اذان کو ہشام نے مسجد کی طرف منتقل کر دیا۔ یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا۔ اور دوسری جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی، وہ خطیب کے مواجہہ میں رکھی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی۔ اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہیں کی بخلاف بازار والی اذان اول کے کہ اسے مسجد کی طرف منارے پر لے آیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین۔

(الترغیب والترہیب للمنزوری، حدیث: ۵۸، دار ابن حزم، بیروت)

میری اور میرے خلفائے راشدین کی پیروی اور اتباع تم پر لازم ہے۔ اسی سے مخالفین کا یہ خیال اور نکتہ آفرینی باطل ہوگئی کہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے جو پہلی اذان سے حاصل ہو چکا۔ دوسری اذان حاضرین کے چپ کرنے کے لیے ہے۔ ان حضرات کو اس کا بھی خیال نہ رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے اجتماعی عمل کے مقابلے میں نکتہ آفرینی کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و جملہ صحابہ کے عمل اور فقہاء کے ارشاد کو رد کر رہے ہیں اور یہ بھی ہوش نہ رہا کہ یہ اذان ہے اور ہر اذان غائبین کے اعلام کے لیے ہے آج تک کسی فقیہ نے یہ نہ لکھا کہ یہ حاضرین کے انصاف کے لیے ہے اس لیے کہ پھر یہ اذان ہی نہ رہے گی۔

خامس: پہلے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھا لیجیے کہ اذان خطبہ اعلام صلاۃ کے لیے ہے جیسا کہ علامہ علاء الدین ہکشی نے در مختار میں اور علامہ محمد ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں فرمایا:

ولم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتة و بین یدی الخطیب

(جلد اول ص ۲۵۶۔ علی ہامش رد المحتار)

(اذان اعلام مخصوص ہے) دخول وقت کی قید نہیں لگائی تاکہ فائتہ اور اذان خطبہ کو عام ہو جائے اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

ای اعلام بالصلوة ای لیعم الاذان اذان الفائتة والاذان بین یدی الخطیب (ایضاً)

اذان نماز کا اعلام ہے۔ (دخول وقت کی قید نہیں لگائی) تاکہ فائتہ اور خطبے کی اذان کو بھی عام ہو جائے۔ جب فقہائے کرام نے اذان کی تعریف اعلام کے ساتھ کی ہے اور تعریف کا ہر جز معرف کارکن ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ اعلام اذان کارکن ہے۔

اور اگر اذان میں اعلام نہ ہو تو وہ اذان ہی نہیں۔ اس کی تائید ردالمحتار کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔ ای لا یسمی اذاناً شرعاً لعدم الاعلام اصلاً۔ (جلداول ص ۲۵۶)

اس کا اذان نام نہیں رکھا جائے گا کیوں کہ اس میں بالکل اعلام نہیں۔ لہذا اذان خطبہ کو اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا صرف اعلام حاضرین کے لیے جاننا ہٹ دھرمی اور تغیر سنت ہے۔ اوپر معلوم چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمانی غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین ہی کے لیے تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا اور مسجد میں اذان دینے سے اعلام غائبین نہ ہوگا اور جوشی اپنے مقصود سے خالی ہو جائے باطل ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر کی اذان ہی نہیں۔ امام محمد بن الحاج نے مدخل میں بھی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم کی ہے۔ فرماتے ہیں:

فصل: فی النهی عن الاذان فی المسجد و قد تقدم ان للاذان ثلاثة مواضع المنار و علی سطح المسجد و علی بابه و اذا كان ذلك كذلك فيمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوه۔ احدها انه لم یکن من فعل من مضی الثانی ان الاذان انما هو نداء للناس لياتوا الی المسجد و من كان فيه فلا فائدة لندائه لان ذلك تحصيل حاصل و من كان فی بيته فانه لا یسمع من المسجد غالباً و اذا كان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له و ما لیس فيه فائدة یمنع۔ الثالث ان الاذان فی المسجد فيه تشویش علی من هو فيه یتنقل او یفعل غیر ذلك من العبادات التي بنی المسجد لاجلها و ما كان بهذه المثابة فيمنع لقوله عليه الصلاة والسلام لا ضرر ولا ضرار۔ اه مختصراً۔ (ج ۲ ص ۳۲۶، مکتبہ دار التراث، القاہرہ)

اندرون مسجد اذان سے ممانعت کے بیان میں یہ فصل ہے۔ اور ما قبل میں گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں۔ (۱) مینار (۲) سطح مسجد (۳) دروازہ مسجد۔ اور جب معاملہ ایسا ہے تو اندرون مسجد اذان دینا چند

وجہ سے ممنوع ہوگا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اندرون مسجد اذان دینی اسلاف میں سے کسی کا فعل نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو نماز کے واسطے مسجد کی طرف پکارنے اور بلانے کے لیے ہے اور جو لوگ مسجد کے اندر پہلے سے موجود ہیں تو ان کو پکارنے میں کوئی فائدہ نہیں بل کہ وہ تحصیل حاصل ہے اور جو لوگ اپنے گھر میں ہیں وہ عموماً اندرون مسجد ہونے والی اذان کو سن ہی نہ پائیں گے اور جب اذان اندرون مسجد اس طور پر ہے تو اس اذان سے کوئی فائدہ نہیں اور جس چیز میں کوئی فائدہ نہ ہو وہ ممنوع ہوگی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اندون مسجد اذان دینے سے ان لوگوں کو تشویش میں مبتلا کرنا ہے جو مسجد میں نفل وغیرہ پڑھ رہے ہیں یا ایسے کاموں میں مشغول ہیں جن مقاصد کے لیے مسجد کی تعمیر کی گئی ہے اور جس چیز کی یہ شان ہو اس کو روک دیا جائے گا اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ ضرر دوسرے کو دو اور نہ دوسرا تمہیں ضرر پہنچائے۔

سادس : مخالفین کے سارے استدلال کی بنیاد اس مغالطہ عامۃ الورد پر ہے کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہیں۔ صرف اعلام حاضرین کے لیے ہے، اس لیے کہ پہلی اذان سے اعلام غائبین کا مقصد پورا ہو گیا تو اب اذان خطبہ صرف اعلام حاضرین کے لیے ہی رہی۔ اگرچہ بنظر دقیق یہ بھی ہمیں مضر نہیں اس لیے کہ دنیا کی دو چار مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کے اس خارجی حصے میں اذان دی جائے جو مسجد کے متصل ہو تو آواز پوری مسجد میں پہنچ جائے گی اور سب حاضرین کو اعلام ہو جائے گا۔ اور جب خطبہ کی اذان جو خارج مسجد اعلام غائبین کے لیے ہوتی ہے، اعلام حاضرین کے منافی نہیں ہے تو اس اذان کو لا یوذن فی المسجد۔ یکرہ ان یوذن فی المسجد کے اطلاق و عموم سے خارج ہونے کی دلیل بتانا۔ سفاہت اور مکارہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے، اس پر ہمارے علمائے کرام نے متعدد وجوہ سے استدلال کیا ہے۔

(۱) مقصد اذان فقہاء کی تصریحات کے مطابق اعلام غائبین ہے اور جب مطلق اذان کا مقصد اعلام غائبین ہے اور اذان خطبہ بھی اذان ہے تو اس کا مقصد بھی اعلام غائبین ہوگا کیوں کہ جو حکم مطلق کے لیے ہے وہی اس کے ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہونا ضروری ہے مگر یہ کہ کچھ افراد کا استثنا اسی درجے کی دلیل اسے ہو جس درجے کی دلیل سے مطلق کا حکم ثابت ہے، مطلق اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس پر فقہاء کا اجماع ہے اور اذان خطبہ کا استثنا کسی فقیہ نے کہیں نہیں کیا ہے۔ مخالفین اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کسی فقیہ کا کوئی قول نہیں دکھا سکے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔

(۲) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس پر روشن دلیل البحر الرائق کی درج ذیل عبارت ہے۔

تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعة لانه لا اعلام الغائبین فتکرارہ مشروع لاحتمال

(البحر الرائق جلد اول، ص ۲۷۸)

سماع بعض دون بعض -

اذان کی تکرار مشروع ہے جیسا کہ اذان جمعہ میں ہے اس لیے کہ یہ اعلام غائبین کے لیے ہے تو اس کی تکرار مشروع ہے کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ پہلی اذان کچھ لوگوں نے نہ سنی ہو۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس لیے کہ اعلام غائبین تکرار کے مشروع ہونے کی علت ہے۔ اور انتقائے علت انتقائے معلول کو مستزم ہے تو اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو لازم کہ سرے سے مشروع ہی نہ ہونا جائز و ممنوع ہو۔

(۳) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس پر دلیل تنویر الابصار اور درمختار کی یہ عبارت ہے۔

هو شرعا اعلام مخصوص للصلوة ولم يقل بدخول الوقت ليعم الفائدة

(درمختار، ج ۱۔ ص ۲۵۲)

وبین یدی الخطیب۔

اذان شریعت میں اعلام مخصوص ہے یعنی نماز کے لیے، یہ نہیں کہا دخول وقت کے لیے تاکہ فائتہ اور خطیب کے سامنے والی اذان کو بھی عام ہو جائے۔

اعلام کا متعلق محذوف ہے یعنی یہ مذکور نہیں کہ کس کے اعلام کے لیے ہے۔ مگر دین سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ غائبین کے اعلام کے لیے ہے اور یہ تعریف مطلق اذان کی ہے۔ علامہ ہسکشی نے اس میں اذان خطبہ کو بھی داخل مانا تو ثابت کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے۔

(۴) اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل ہدایہ۔ بدائع صنائع کی یہ عبارت ہے۔

واذن المودنون بین یدی المنبر (ہدایہ اولین ص ۱۵۱، بدائع صنائع، ج ۱۔ ص ۲۷۰)

اور چند موزن منبر کے سامنے اذان دیں۔

ردالمحتار میں علامہ شامی نے اسے بدعت حسنہ کہا۔ عنایہ کفایہ میں اس کا فائدہ یہ بتایا۔

لتبلیغ اصواتهم الی اطراف المصر الجامع۔

(برحاشیہ فتح القدر، ج ۲۔ ص ۳۹)

چند موزن اس لیے اذان دیں تاکہ ان کی آوازیں شہر کے تمام اطراف میں پہنچ جائیں۔

اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو شہر کے اطراف میں آواز پہنچانے کی کیا حاجت؟

(۵) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان جمعہ ہوتے ہی جمعہ

کے لیے سعی واجب ہے یعنی خرید و فروخت سب دینوی کام چھوڑ کر نماز جمعہ کے لیے چل دینا۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ (سورہ جمعہ ۶۲/۹)

جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے چلو اور خرید و فروخت

علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ اس خصوص میں اذان اول کا اعتبار کیا جائے یا اذان ثانی کا؟ دونوں قول ہیں۔ امام الفقہاء والحمد شین امام ابو جعفر طحاوی، امام شیخ الاسلام، امام ملک العلماء ابو سعید کا شانی کا مختار یہ ہے کہ اذان خطبہ کا اعتبار ہے۔ امام سرحسی اور جمہور فقہاء کا مختار یہ ہے کہ اذان اول کا اعتبار ہے۔ فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں صرف اذان خطبہ تھی اس لیے۔ ارشاد باری اذ ائودی للصلوة من یوم الجمعة سے اس کا مراد ہونا متعین ہے۔

فریق ثانی کی دلیل یہ ہے کہ اگر اذان اول ہوتے ہی لوگ جمعہ کے لیے نہ چلیں تو ان کی سنتیں فوت ہو جائیں گی اور خطبہ بھی کچھ حصہ بل کہ خطرہ ہے کہ کل خطبہ بل کہ نماز بھی نہ ملے۔ اس دلیل کی بنیاد لوگوں کے ساتھ رفیق و سہولت پر ہے۔

فریق اول کی بات دلیل کی رو سے بہت باقوت ہے اس لیے کہ جب عہد رسالت میں صرف اذان خطبہ ہی تھی تو ارشاد ربانی اذ ائودی للصلوة من یوم الجمعة سے اس کا مراد ہونا متیقن ہو گیا اور جب عہد نبوی میں قرآن مجید کے کسی کلمہ کی مراد متعین ہو جائے تو اسی کو مراد لینا ضروری ہوتا ہے۔

رہ گیا ہمارے جمہور ائمہ احناف کا قول ثانی کو اختیار کرنا عوام کی آسانی اور ان کے ساتھ رفیق کی وجہ سے ہے۔

اس استدلال کا ما حاصل یہ ہے کہ جو لوگ وجوب سعی میں اذان خطبہ کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بلا کسی تردد کے اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے ورنہ وجوب سعی میں اس کا اعتبار لغو ہوگا۔ رہ گئے جمہور فقہاء جو اذان اول کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اگر ان کے نزدیک یہ اذان اعلام غائبین کے لیے نہ ہوتی تو قول مخالف کی تزییف میں یہ فرماتے کہ وجوب سعی میں اذان خطبہ کا کیسے اعتبار ہوگا؟ وہ تو مسجد کے منبر کے متصل خطیب کے سر پر ہوتی ہے۔ یہ اعلام حاضرین کے لیے ہے، یہ اعلام غائبین کے لیے ہے ہی نہیں کہ مسجد سے غائب لوگ اسے سن کر مسجد میں آئیں۔ اپنے مذہب مختار کی ترجیح میں فرمایا تو یہ فرمایا۔

اگر اذان خطبہ کا اعتبار ہوگا تو سنتیں چھوٹ جائیں گی اور بسا اوقات خطبہ بل کہ جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔ اس طرح دونوں قول پر اذان خطبہ کا اعلام غائبین کے لیے ہونا ثابت۔ اور جب بہ دلائل شرعیہ ثابت ہو گیا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اور کسی بھی اذان کا مسجد کے اندر دینا مکروہ و ممنوع۔ تو یہیں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ہمارے فقہائے کرام کے ارشاد لایوذن فی المسجد مسجد میں اذان نہ دی جائے بکرہ ان یوذن فی المسجد مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ لکراہة الاذان فی المسجد

اندرون مسجد اذان کے مکروہ ہونے کے باعث۔ یہ ارشادات اذان خطبہ کو بھی ضرور عام اور پانچ گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی اندرون مسجد دینا بلاشبہ مکروہ و ممنوع۔

سابع: مخالفین اس پر بہت زور دیتے ہیں کہ اذان خطبہ کا مسجد کے اندر ہونا وہ بھی منبر کے متصل خطیب کے سر پر متواتر ہے۔ اس پر گزارش یہ ہے کہ تواتر وہی حجت ہے جو عہد صحابہ اور مجتہدین سے الی یومنا ہذا ہو۔

ردالمحتار خاص باب الجمعة میں فرمایا:

لا عبرة بالعرف الحادث اذا خالف النص التعارف انما يصلح دليلا على الحل اذا كان نعاما من عهد الصحابة والمجتهدين كما صرحوا به۔

(ج ۳ ص ۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

عرف حادث کا اعتبار نہیں جب نص کے مخالف ہو۔ رواج اسی وقت جواز کی دلیل ہے جب زمانہ صحابہ و مجتہدین سے عام طور پر چلا آیا ہو جیسا کہ علمائے تصریح فرمائی ہے۔

مسجد کے اندر اذان خطبہ دینے کا رواج نہ عہد رسالت میں تھا نہ عہد صحابہ میں نہ عہد تابعین میں اور آج بھی پوری دنیا کے مسلمانوں میں اس کا رواج نہیں۔

ابوداؤد شریف کی حدیث جو حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے جس کو شروع مقالہ میں نقل کر چکا ہوں، اس سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی اور بعد میں بھی یہ اذان وہیں ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان زور پر دلوائی مگر یہ اذان وہیں رہنے دی، جہاں پہلے سے ہوتی تھی۔

ابوداؤد شریف کی حدیث کے آخری کلمات یہ ہیں۔

فثبت الامر علی ذلك۔

(باب النداء یوم الجمعة، حدیث ۱۰۸۳-۱ ص ۱۹۳/ دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت)

لہذا اس سے ثابت کہ زور پر اذان اول کے اضافے کے باوجود یہ اذان خطبہ دروازہ مسجد پر ہوتی رہی اور جب یہ ثابت ہوا کہ اذان خطبہ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی تو جب تک اسی درجہ کی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ دروازے سے ہٹا کر منبر کے متصل اس کو کر دیا گیا، یہی ثابت رہے گا کہ یہ اذان اپنی جگہ رہی۔ اصل کے خلاف دلیل ضروری ہے۔

اور بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اذان خطبہ کی جو جگہ اور مقصد (یعنی اعلام غائبین) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات پیشین کریمین سے ثابت اور مستمر ہو اس کو تبدیل کرنے کی جرات حضرت عثمان غنی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کریں؟ ایک خلیفہ راشد کے سر اتنا بڑا الزام و اتہام سخت جرات و بے باکی ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ زوراء پر اذان کے اضافے کے بعد بھی یہ اذان وہیں رہی جہاں عہد رسالت سے ہوتی آئی تھی۔ مسجد حرام شریف میں یہ اذان آج بھی کنارہ مطاف پر ہوتی ہے اور مسجد حرام پہلے مطاف ہی تک تھی۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس اذان کا محاذ امام میں بھی ہونا ضروری نہیں بل کہ یہ بھی دوسری اذانوں کی طرح وہیں دی جائے جہاں سے پڑوسیوں کو زیادہ سنائی دے مثلاً منارے پر اسی کے مطابق بلا مغرب میں یہ اذان مناروں پر ہوتی ہے۔ (تفصیل کتب مالکیہ میں مذکور ہے) اس سے ثابت کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہ عمل نہیں کہ یہ اذان منبر کے متصل دی جائے اس لیے توارث کو اس کی دلیل بنانا باطل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا اجماع رہا کہ یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔ اب اگر بفرض محال آپ یہ ثابت بھی کر دیں کہ اس کے بعد اس پر اجماع ہو گیا کہ یہ اذان منبر کے متصل ہو تو پھر اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اعلیٰ حضرت اور احیائے سنت:

اس بحث کے اختتام پر ختام المسک کے طور پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی ایک عبارت ہدیہ قارئین ہے۔

اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین ید یہ کے معنی بھی آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں اور اس ادعاے توارث کا حال بھی کھل جائے۔ سنن ابی داؤد شریف میں بسند حسن مروی ہے

حدثنا النفيلي ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحاق عن الزهري عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه قال قال كان يوذن بين يدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و ابى بكر و عمر۔ (ج ۱۔ ص ۱۵۵، باب النداء يوم الجمعة)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی اور یونہی ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ اس حدیث جلیل نے واضح کر دیا کہ اس روبرو امام پیش منبر کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ کہ زمانہ رسالت و خلفائے راشدین سے کیا متوارث ہے؟ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نص حدیث سے جدا، تصریحات فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذائیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں، حالاں کہ وہاں تو ان تصریحات ائمہ کے مقابل بین یدی

وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں۔ پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے؟

الحمد للہ یہاں اس سنت کریمہ کا احیاء عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں موزنون کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی بحمد اللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانہ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں ہوا کرتی تھی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم والحمد للہ رب العالمین۔

(اونی اللمعة فی اذان یوم الجمعة ص ۷)

حدیث ابوداؤد اور مفتی اعظم کی نکتہ آفرینی:

ما قبل میں گزر چکا کہ اذان خطبہ کے تعلق سے جو شدید قلمی جنگ رہی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی حیثیت اگر سالار جنگ کی رہی تو آپ کے دونوں شہزادے میمنہ اور میسرہ کے سنبھالنے والے سردار کی تھی۔ اذان خطبہ کے موضوع پر سرکار مفتی اعظم کے متعدد رسائل اور فتاویٰ ہیں۔ اختصار کی وجہ سے آپ کی کتاب نفی العار من معایب المولوی عبدالغفار (ص ۶۱) سے ایک اقتباس ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔

ثالثاً۔ اصل بات ہے کہ ائمہ نے بین ید یہ اور علی باب المسجد دونوں حدیث ابن اسحاق ہی سے لیے کہ اوروں کی احادیث میں نہ یہ ہے نہ وہ، لیکن علی باب المسجد کا مقصود صرف اس قدر تھا کہ کنارہ پر بیرون مسجد ہو اور یہ حکم سب اذانوں کے لیے عام تھا۔ کچھ تخصیص اذان جمعہ کی نہ تھی لہذا اسے ائمہ نے باب الاذان میں ذکر فرمایا کہ لا یوذن فی المسجد تا کہ تمام اذانوں کو شامل رہے۔ خاص باب جمعہ میں اس کے ذکر کی وجہ نہ تھی کہ یہ حکم اذان جمعہ سے خاص نہ تھا۔ رہا بین ید یہ وہ اس اذان جمعہ کا خاص حکم تھا اور کسی اذان کے لیے نہ تھا۔ لہذا ائمہ نے صرف اسے خاص باب الجمعہ میں ذکر فرمایا۔ ناواقف نادان لوگ کہ باب الجمعہ میں صرف ایک دیکھتے، دوسرا نہیں پاتے، اپنی جہالت یا کم فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ علمائے ان دونوں قیود سے بین ید یہ اختیار فرمائی اور علی باب المسجد ترک کی حالاں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ جاہل کہتے ہیں خاص اذان جمعہ کے لیے لا یوذن فی المسجد دکھاوا اور نہیں جانتے کہ یہ حکم خاص اس کا نہیں، عام اذانوں کا ہے تو عام ہی کے باب میں عموماً مذکور ہوگا نہ کہ ایک ایک خاص کا نام لے کر کہ ظہر کی اذان مسجد میں نہ ہو عصر کی نہ ہو جمعہ کی نہ ہو۔ اسے وہی طلب کرے گا جو محض نا فہم ہے یا نراہٹ دھرم۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسلمان اس تقریر کو یاد رکھیں کہ بہت سی جہالتوں کی بیخ کن ہے واللہ الحمد۔

مفتی اعظم کا ایک اہم فتویٰ:

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ناسک مہاراشٹر سے ایک استفتا آیا۔ جس میں اذان خطبہ کا صحیح محل اور مقام لوجھا گیا تھا۔ نیز سائل نے نہ بھگا در یافت کما تھا کہ اذان خطبہ خارج از محل صلوة دینا احتناف

کے نزدیک سنت ہے، ترک سنت سے اذان مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے۔ ترک سنت پر اصرار اور خلاف سنت فعل کو عین سنت سمجھنے والوں کے حق میں کیا وعید آئی ہے؟ اس کے جواب میں ایک مفصل فتویٰ سرکار مفتی اعظم نے تحریر فرمایا۔ جس کے سطر سطر سے الولد سر لایبہ کی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔ اس فتوے کی تلخیص ہدیہ قارئین ہے:

الجواب: (۱) بسم الله الرحمن الرحيم ، -اللهم انى اعوذ بك من ترك السنن وانتهاكها - اذان خطبہ ہی وہ اذان ہے جو عہد کریم نبی روف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں پیش خطیب خارج مسجد دی جاتی تھی۔ اور زمانہ خلافت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی ایک ہی اذان اسی طرح دی جاتی رہی، جب زمانہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی زائد ہو گئی تو حضرت نے ایک اذان، اذان خطبہ سے قبل مقام زوراء میں اور اضافہ فرمائی اور اذان خطبہ بدستور خارج مسجد رکھا۔ ہشام کے زمانہ میں وہ زورواالی اذان بھی مسجد کی طرف منتقل ہو آئی اسی لیے ہمارے تمام علمائے کرام ائمہ فحام قاطبہ اپنی تصنیفات عالیات میں برابر کھلی تصریحات فرماتے آئے کہ خارج مسجد اذان مسنون ہے۔

مسجد بمعنی موضع صلاۃ میں اذان مکروہ ہے، داخل مسجد اذان نہ دی جائے۔

علامہ ابراہیم غنیۃ میں فرماتے ہیں:

الاذان انما یکون فی المئذنة او خارج المسجد والاقامة فی داخله۔

(ص ۷۷، فصل فی السنن، سہیل اکیڈمی، لاہور)

علامہ طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں قہستانی اور وہ نظم سے ناقل:

یکرہ ان یوذن فی المسجد۔

(ص ۱۱، باب الاذان، مصطفیٰ البابی، مصر)

اسی میں فتح القدر سے ہے:

فان لم یکن ثمة مکان مرتفع للاذان یوذن فی فناء المسجد۔

قہستانی میں ہے۔

لا یوذن فی المسجد فانه مکروہ اھ

عامہ کتب میں ہے:

لا یوذن فی المسجد۔ نیز

یکرہ الاذان فی المسجد

فتح القدر میں امام ابن الہمام فرماتے ہیں:

قوله: والمكان في مسئلتنا مختلف يقيد كون المعهود اختلاف مكانهما وكذلك شرعاً والاقامة في المسجد ولا بد اما الاذان فعلى المئذنة فان لم يكن ففي فناء المسجد وقالوا لا يؤذن في المسجد امام اتقاني غاية البيان۔

(ص ۲۵۰، کتاب الصلاة، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اور امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فتح القدر میں خاص باب الجمعہ میں فرماتے ہیں:

هو (ای الاذان) ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراهة الاذان فی

(ج ۶۔ ص ۵۶ / مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر)

داخلہ او۔

فقہائے کرام کے باب الاذان میں یہ ارشادات کہ یکرہ الاذان فی المسجد اور لا یؤذن فی المسجد ہر سمجھ والے کے نزدیک عام ہیں کہ ہر ایک اذان کو شامل ہیں مگر بعض ہٹ دھرم زبردستی یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ اذان بیخ گانہ کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اس سے مستثنیٰ ہے مگر ان دونوں جلیل اماموں نے خاص باب الجمعہ میں یہ فرما کر ان معاندوں کی دہن دوزی فرمادی اور اس ہٹ دھرمی کی پوری خبر گیری رسائل اہل حق میں کافی طور پر کی گئی جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔ مسجد میں اذان یقیناً مکروہ خلاف سنت ہے، مدخل امام محمد بن الحاج میں نبی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم فرماتے ہیں:

فصل فی النهی عن الاذان فی المسجد۔ وقد تقدم ان للاذان ثلاثة مواضع

المنار وعلى سطح المسجد وعلى بابہ واذا كان ذلك كذلك فيمنع من الاذان في

جوف المسجد بوجوه احدها انه لم يكن من فعل من مضى الثاني ان الاذان انما هو

نداء للناس لياتوا الى المسجد و من كان فيه فلافائدة لندائه لان ذلك تحصيل حاصل

ومن كان في بيته فانه لا يسمع من المسجد غالباً و اذا كان الاذان في المسجد على

هذه الصفة فلافائدة له وما ليس فيه فافائدة يمنع الثالث ان الاذان في المسجد فيه

تشويش على من هو فيه يتنفل او يفعل غير ذلك من العبادات التي بنى المسجد

لاجلها وما كان بهذه المثابة فيمنع لقوله عليه الصلاة والسلام لا ضرر ولا ضرار اه

(ج ۲۔ ص ۳۳۶، مکتبہ دار التراث، القاہرہ)

مختصراً۔

اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا اعلام حاضرین کے لیے

جاننا زری ہٹ دھرمی اور تغیر سنت ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین کے لیے ہی تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے

اس اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا۔ مسجد میں اذان سے اعلام غائبین نہ ہوگا۔ اور شی اپنے مقصود سے خالی باطل

ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر کی اذان ہی نہیں ابھی مدخل امام ابن الحاج سے گذرا :

اذا كان الاذان في المسجد على هذه الصفة فلا فائدة له وما ليس فيه فائدة

يمنع۔

نیز علما فرماتے ہیں

اذا بخلی الشئی عن المقصود بطل۔

جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں۔ وہ یہی نہیں کہ خلاف سنت اور مکروہ کام کرتے ہیں بل کہ اذان ہی کو باطل کر دیتے ہیں جو لوگ ترک سنت کرتے ہیں یقیناً معاتب ہیں۔ اس وعید سے ڈریں من ترک سنتی لم یئل شفاعتی (جو میری سنت کو ترک کرے گا وہ میری شفاعت سے محروم ہوگا) ان کا یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہم خارج مسجد اذان کو سنت نہیں جانتے۔ داخل مسجد اذان کو سنت مانتے ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ حدیث فتنہ کے ارشادات سے انھیں بتا بھی دیا گیا، جہل عذر نہیں بل کہ وہ خود دوسرا وبال ہے اور جہالت کرنا اور شدید الزام جس نے حمایت سنت کی ہو اسے سوشہید کے اجر کا حدیث مرثوہ دیتی ہے۔

من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید رواہ البیہقی فی الزهد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ / باب الاعتصام بالکتاب والسنة) (جو میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر قائم رہا اس کے لیے سوشہیدوں کا اجر ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب الزهد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے)

خارج مسجد اذان ہونا حدیث سے ثابت داخل مسجد اذان کی کراہت و ممانعت فقہائے کرام کے ارشادات سے واضح برخلاف حدیث و فقہ یہ کہنا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے قریب ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ سے دی جانا ہی سنت ہے۔ کیسا کھلا عناد اور سخت ہٹ دھرمی اور شدید جہالت ہے؟ اللہ عزوجل محفوظ رکھے۔ کیا اس کے قائل میں دم ہے کہ وہ کسی ایک ہی معتبر معتمد عالم سے اپنے کسی ایک دعویٰ کی تائید پیش کر سکے؟ الی آخرہ۔

(۱) مسجد کے اندر اذان مسجد کی بے ادبی اور بدعت ہے۔ بدعت کو سنت سمجھنا اور سنت کو بدعت سخت وبال عظیم ہے اور سنت کو مٹانا اور اس کے معارض فعل کرنا سنت سیئہ ہے۔ اور حدیث میں فرمایا من سن سنتہ سیئہ عمل بہا من بعدہ کان علیہ وزرہا ووزر من عمل بہا لا ینقص ذلک من اوزارہم شیئاً۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۳۱، حدیث۔ ۱۹۲۰۰، موسسة الرسالہ، بیروت)

اور ایسے شخص کو جو سنت مٹانے کے درپے ہو اسے حدیث میں ((من ترک سنتی لم یئل شفاعتی))

سے ڈرنا چاہیے۔ اوپر معلوم ہو چکا کہ جہل عذر نہیں۔

حدیث میں ہے من جادل فی خصومة بغير علم لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع

(اتحاف السادة المتقين، ج ۷- ص ۴۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

تیسیر میں اس حدیث کے نیچے فرمایا:

من جادل فی خصومة ای استعمل التعصب والمرء حتی ینزع ای ترک ذلك و
یتوب منه توبه صحیحة۔

حدیث میں ہے:

فمن كانت فطرته الی سنتی فقد اهتدی ومن كانت فطرته الی غیر ذلك فقد
هلك رواه الطبرانی فی معجم الكبير و ابن حبان والحاكم باسنادهم كما فی الحديقة
الندیة شرح الطريقة المحمدیة۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۱۱-، حدیث ۶۴۷۷، موسسة الرساله، بیروت)

اور حدیث میں ہے: ما من امة ابتدعت بعد نبیها فی دینها الا اضاعتمثلها من
السنة روى الطبرانی باسناده عن عفيف بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور حدیث میں ہے:

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ان الله حجب التوبه عن كل
صاحب بدعة حتى يدع بدعته رواه الطبرانی باسناده عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور حدیث میں ہے:

ابى الله تعالى ان يقبل عمل صاحب بدعة حتى يدع بدعته رواه ابن ماجه
باسناده عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۱۹، حدیث ۵۰، باب اجتناب البدع والجدل، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت)

آثار المبتدعین لإعدام حبل اللہ

المتین

مصنفہ مولانا عبدالغفار خاں رام پوری

کے رد میں

رسالہ

مقتل کذب و کید

(۱۳۳۲ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مولوی عبدالغفار خاں صاحب رامپوری نے تو جھوٹی تعلق سے مہلت دس سال کی ہمیں دی، یہاں بفضلہ تعالیٰ ان کے رسالہ ”آثار المبتدعین لإعدام حبل اللہ المتین“ (۱) کے رد میں ایک مہینہ سے کم میں دو رسالے مہیا ہو گئے،

اول ”صیلم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطان“ (۲)

مولوی صاحب نے اپنے دعویٰ پر جو مہمات سو سو بار کی مردودات پیش کیں،

ان پر رد قاہری دوم ”سیف القہار علی العبد الکفار“ (۳)

مولوی صاحب نے اخیر میں جو فتوائے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ پر اعتراضات میں کمال ناہمی کی داد دی یہاں تک کہ خود عہدت فتویٰ سمجھنا محال اور اعتراض کو تیار، اس کی پردہ دری اگر کی

۱۔ دائرہ میں جو نام لکھا جاتا ہے

حبل اللہ المتین

لاعدام

آثار المبتدعین

اس طرح:

اس میں اکثر قاعدہ یہ ہے کہ مہر کی طرح نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، خصوصاً جب کہ اخیر میں نام الہی ہو کہ اس کی تعظیم کے لیے اسے اوپر رکھا جاتا ہے، مولوی صاحب کا طریقہ ہمیں بہت پسند آیا کہ انہوں نے اپنے رسالے کا نام دائرہ میں رکھا تو اخیر جز کو جس میں نام الہی ہے، سطر بالا میں لکھا، حسب قاعدہ نیچے سے شروع کیجیے، پہلے آثار المبتدعین ہے پھر لاعدام حبل اللہ المتین۔ لہذا صاف نام ”آثار المبتدعین لاعدام حبل اللہ المتین“ ہے، اور یہی ان کے لائق تھا۔

ع: آل چہ نصیب ست بہم می رسد، ۱۲ منہ

۲۔ یہ اس کا جواب ہے جو مولوی صاحب نے ص ۳۱ سطر ۱۰ اور ۲۵ سطر ۱۶ اور حاشیہ ص ۳۱ پر لکھا ۱۲

۳۔ مولوی صاحب کا..... ”کفار بالفتح“ بڑا ناشکر، مبتدع کہنا اس سے سخت تر ہے۔

جائے تو ان سے مولوی صاحب پر رد کا شمار تقریباً پونے دو ہزار، مگر کیا حاصل۔

”أذان من الله - وقاية اهل السنة - سلامة الله لاهل السنة - حق نما فیصلہ“ کا کس نے جواب دیا؟۔ ”نفسی العار“ کا کون جواب دے۔ وہاں تو ٹھہر چکی ہے کہ لاکھ کھائیں اور ایک کا جواب لائیں، اور وہی مردودات پیش فرمائیں۔ یہ سلسلہ تو غیر متناہی ہے، اہل حق کہیں سے مفت کی خیراتی تنخواہ نہیں پاتے، مگر عوام کا خدا بھلا کرے، سمجھتے سمجھاتے خاک نہیں، ورقوں پر کچھ کالک لگی دیکھی اور غل مچا دیا۔ اور اب کی تو ان بے چاروں کو یہ صریح بے (۴) ایمانی کا دھوکا دیا ہے کہ سو کتابوں سے ثبوت لکھا ہے۔ اس کا بھرم کھولنا مناسب، لہذا ان کے کمالات سے فی الحال ایک ہزار معروض، وہ تیس قسم پر منقسم ہیں، جن میں ستائیس قسمیں انعامی ہیں، میعاد کے اندر مولوی صاحب اپنی واقعی عہدہ برائی کر لیں، تو سات سو روپے حاضر کیے جائیں گے، اور اگر میعاد گزر جائے اور جواب نہ دے سکیں، جیسا تین بار کا تجربہ تو ان کا انعام ختم۔ اب ہر سنی مسلمان کو اتنی ہی میعاد دی جائے گی کہ اپنی کوشش سے اس مدت میں مولوی صاحب سے صحیح جواب لادیں، سو روپے ان کی نذر کیے جائیں گے۔ مسلمانوں کو دینی مسئلہ میں سو کتابوں کا جھوٹا نام لے کر دھوکا دیا ہے، مسلمانوں کا حق ہے کہ ان سے جواب لیں (تفصیل میعاد)

اکثر باتیں واقعات سے متعلق ہیں، مثلاً مولوی صاحب نے عبارتیں دل سے گڑھ لیں، ان میں قطع بریدیں تحریریں کیں، سچی یقینی عبارت کو جھٹلا دیا، ترجموں میں ملونیان کر دیں، مسئلہ ذل سے تراش لیا۔ فقہا پر افتراء، شریعت پر افتراء، خود اپنے اوپر افتراء، اپنی طرف مقابل پر افتراء کہ یہ کہا ہے، حالاں کہ کہیں نہ کہا۔ کتاب کا جھوٹا نام لکھ دیا، کتب و عبارات و احادیث کی محض جھوٹی گنتیاں بڑھائیں، مردود باتوں کو بے رد جواب سامنے لائے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں نظر سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر یہ الزام واقعی نہیں لگتے تو مولوی صاحب دس گھنٹے میں ان کا خلاف دکھا سکتے ہیں۔ موجود چیز حاضر کرنے میں دن نہیں لگتے۔ مگر ہم مولوی صاحب کو دس دن کی مہلت دیتے ہیں، باقی امور کہ متعلق بہ فکر ہیں، ان کے جواب کو مولوی صاحب اپنی لیاقت دیکھ کر جتنی بھی مہلت چاہیں اس کی درخواست انہی دس دن کے اندر بھیج دیں۔ یہ عشرہ گزر جائے اور جواب نہ آئے تو دوسرا عشرہ واقعات کے صحیح جواب اور باقیات کے لیے درخواست مہلت لانے کا ہر سنی مسلمان کے لیے ہے۔ یوں بھی جواب نہ ملے تو اب انصاف مسلمانوں کے سر ہے۔ کیا حق کی تائید میں اہل حق کو ایسی شرمناک حرکات کی حاجت ہوتی ہے؟۔ کیا صاف نہ کھل گیا کہ اندرون مسجد اذان جمعہ ایسی ہی

شدید باطل ہے جس کے بنانے کو کوئی سچی سند نہیں ملتی، ناچار ایسے جھوٹ اوڑھنے پڑے۔
مسلمانو! یہ دین ہے، اللہ ورسول کو منہ دکھانا ہے، اللہ توفیق انصاف بخشے۔ انعام اقسام پر غالباً
بنظر اہمیت اور ہر قسم کے افراد پر حصہ مساوی ہے۔ مولوی صاحب اگر بعض سے جواب دیں اس کا حصہ
انعام پائیں گے، جب کہ باقی کی لاجوابی کا تحریری اقرار دیں، یونہی بعض کا جواب لانے والے کو ان کے
حصہ کا ساتواں۔

مولوی صاحب ایک کتاب سے بھی سند نہ دے سکے اور بنا لیں سو
آخر یہ کیوں کر؟۔ جی ہم سے سنیے: مولوی صاحب پر صد ہا مطالبے چڑھ گئے، رسالے کے
رسالے میدان مناظرہ میں اتر گئے، آٹھ مہینے ریاست کا کتب خانہ چھانا، نہ ایک حدیث پائی نہ کوئی
روایت فقہ ہاتھ آئی، اور ادھر تقاضوں سے دم ناک میں، ناچار مولوی صاحب نے یہ جتن کھیلے جس کا نمونہ
حاضر۔

قسم (۱) نری جھوٹی عبارت دل سے گڑھ لی

(انعام پچاس روپے)

(۱) ص ۷۱/صلاة مسعودی کے نام سے ایک عبارت تراشی کہ ”اذان در مسجد مکروہ است مگر اذان
بر منبر“ حالاں کہ محض جھوٹ، صلاة مسعودی میں اس کا کہیں پتا نہیں، سچے ہیں تو اس میں یہ عبارت
دکھائیں۔ (پچاس روپے انعام)

قسم (۲) عبارتوں میں خیانتیں، چوریاں، تحریفیں

(انعام ۳۰ روپے)

(۲) فتح الباری کی عبارت میں مولوی صاحب کی پانچ قطع بریدیں ”اذان من اللہ“ نے
گنائیں۔ فتح القدر وغنیۃ کی عبارتوں میں مولوی صاحب کی دو شدید چوریاں ”نفی العار“ نے دکھائیں۔
ان کی اس چوتھی تحریر ”آثار المبتدعین“ کا نمونہ لیجیے:

ص ۲۹ ”شیخ عبدالحق دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”حکم من ثبت عنده التذلیس الخ“
مولوی صاحب نے اپنا پردہ رکھنے کو کتاب کا نام نہ لیا، یہ مقدمہ لمعات کی عبارت ہے، اور
آغاز یوں تھا: ”قال الشيخ: حکم من ثبت عنه التذلیس الخ“ یعنی شیخ ابن حجر (۱) شافعی
المذہب نے کہا: بدلس کا یہ حکم ہے۔ مولوی صاحب نے ”قال الشيخ“ کتر لیا، اور اسے خود شیخ صاحب کا

مقولہ ٹھہرایا، کیوں مولوی صاحب کیا یہاں ”قال الشيخ“ نہ تھا؟۔ (میں روپے انعام) اور اگر ان ساتوں چوریوں کے جواب دینا چاہتو انہیں بھی ملاو، اب فی خیانت ڈھائی روپے، گل بیس۔

(ص ۱۲۳ تا ۱۲۴) فتوایے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ میں خانہ و خلاصہ و عالمگیریہ و برجندی کی چار عبارتوں میں تھا: ”ینبغی أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد“ یعنی اذان کے لیے منارہ مناسب ہے یا بیرون مسجد، مسجد میں اذان نہ دی جائے، بحر الرائق و امام اتقانی و امام محقق علی الاطلاق و علامہ برجندی نے صاف بتا دیا تھا کہ ”ویؤذن في المسجد“ مستقل جملہ ہے، پہلے تینوں اکابر نے اتنا ہی نقل فرمایا اور چوتھے نے بھارت خلاصہ کو اسی پر دلیل ٹھہرایا کہ ”فيه اشعار بأنه لا يؤذن في المسجد، فقد ذكر في الخلاصة الخ“ بایں ہمہ مولوی صاحب نے بیچ کے سب فقرے کاٹ لیے، اور ”ینبغی أن“ کو ”لا يؤذن في المسجد“ سے ملا کر ص ۳۵ پر فرمادیا: ”یہ روایات ہیں جن کو مولانا صاحب اپنے فتوے میں لائے ہیں، ”ینبغی أن لا يؤذن في المسجد“ یہ نیو جما کر بولے: ”فتھا تو ”ینبغی“ کے معنی مستحب لکھتے ہیں“ مولوی صاحب! کیا یہ عبارت ان چاروں کتابوں میں یونہی ہے؟۔ کیا یہ چاروں عبارتیں فتوایے مبارکہ بریلی میں اس طرح ہیں؟۔ یہ آپ کے آٹھ کمال ہوئے، چار عبارت ائمہ میں تحریفیں، اور خود اپنے خصم پر چار افترا۔ اور اسی بنا پر اپنے خصم پر دو افترا اور فرمائے: ایک ص ۱۳ پر کہ ”ینبغی“ کے معنی مکروہ و ممنوع کے لینا“ دوسرا ص ۳۹ پر کہ ”ینبغی“ کا ترجمہ یہ گڑھا، ”کل دس افترا۔ دس روپے انعام، فی تحریف و افترا ایک روپیہ۔

قسم (۳) سخت ستم، صحیح عبارت کو نری سینہ زوری سے غلط بتانا، اور

اپنی طرف سے جھوٹی عبارت گڑھ کر کاپیا پلٹ کر دینا

(انعام سو ۰۰ روپے)

(۱) شیخ محدث نے اس مقدمہ کے آغاز سے پہلے دیباچہ لمعات میں جہاں اپنی اصطلاحات بتائی ہیں کہ ”شرح للشيخ“ سے میری یہ مراد ہے، اور ”بعض الشروح“ سے یہ، اور ”بعض الحواشی“ سے یہ۔ وہاں صاف فرمادیا ہے کہ ”قال الشيخ“ میں میری مراد ابن حجر عسقلانی ہیں۔ ۱۲ منہ

(۱۵۳۱۳) فتح القدير کا ارشاد جلیل کہ:

”فی المسجد، أي: في حدوده لكرهه الأذان في داخله“ (۱)
 یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الہی ہونے سے مراد حدود مسجد میں ہونا ہے، اس لیے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ الحمد للہ اس میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف افادہ تھا، جس سے مولوی صاحبوں کو بھی تحریر دوم راپورص ۸ میں انکار کرتے نہ بنی۔ خدا دین و دیانت دیتا تو حق مسئلہ قبول فرماتا تھا۔ حیا و غیرت دیتا تو پردہ سکوت میں منہ چھپانا تھا۔ مگر ہٹ دھرمی کا خدا برا کرے، وہ کیا چین لینے دے، مولوی صاحب نے تحریر دوم میں تو اس کا یہ علاج کیا کہ اس ارشاد جلیل کو فتح القدير سے توڑ کر شرح منیہ کی عبارت ٹھہرایا کہ اس کی عظیم وقعت سے کچھ تو گھٹے، اور بے دھڑک مردود و نامعتبر کہہ گئے، اور اس نئی چوتھی میں ص ۳۹ پر سب سے بڑھ کر یہ بے نظیر ڈھٹائی دکھائی کہ عبارت ہی یوں غلط ہے۔ ”اصل عبارت یوں ہے: هو ذکر الله في المسجد، أي: في حدوده فصار كالأذان في داخله“ (۲)

اور ص ۱۵ پر یوں شوخ چشمی منائی کہ ”غلطی سے کسی کا تب نے ”فصار كالأذان“ کی جگہ ”لكرهه الأذان“ لکھ دیا، وہی نقل ہونے لگا“ یعنی فتح القدير کے متعدد مطابع مصر کے نسخے، مطابع ہند کے نسخے، قلمی نسخے سب غلط ہیں، اور مولوی صاحب کا سفلی کشف صحیح، إن الله وانا إليه راجعون مولوی صاحب! اگر ثبوت دے دو کہ یہ عبارت فتح کی نہیں غیبتہ کی ہے، تو (چالیس روپے انعام)۔ یا ثبوت دے دو کہ سب نسخے غلط ہیں، صحیح نسخہ آپ پر کسی پہاڑ سے اترتا ہے تو فوراً سے پہلے اسے مع ثبوت صحت حاضر لائیں، (چالیس روپے انعام)۔ یا آریوں کی وید دیکھنے کو بہ ہزار دشواری مل سکیں، مگر آپ کے نسخے کا پردہ ٹوٹنا محال۔

(۱۶) مولوی صاحب کی تقدیر کہ یہی عبارت بعینہا اسی طرح ”فی المسجد، أي: في

حدوده لكرهه الأذان في داخله“ (۳)

غایۃ البیان امام اتقانی، دوسری شرح جلیل ہدایہ میں موجود۔ کیوں مولوی صاحب! وہاں بھی کاتب ہی نے

(۱) [فتح القدير كتاب الصلاة باب صلاة الجمعة: ۶۵/۲]

(۲) [فتح القدير كتاب الصلاة باب صلاة الجمعة: ۶۵/۲]

(۳) [فتح القدير لابن الهمام باب صلاة الجمعة: ۵۸/۲]

بنالی ہوگی، ثبوت دو (دس روپے انعام)۔

(۱۷) یہ تو کہیے کہ اس تقدیر پر ”فی المسجد، أي: فی حدودہ“ سے تفسیر کرنے کی کیا ضرورت ہوئی، جب آپ کے لکھے خطبہ واذان دونوں جوف مسجد کے اندر تھے، تو کیا وجہ ہوئی کہ (مسجد میں) کہنے کو حدود مسجد سے تاویل کرنی پڑی۔ کیا جو چیز عین جوف مسجد میں ہوتی ہو اسے ”فی المسجد“ کہنے کی ائمہ نے کبھی یوں بلاوجہ فضول بے معنی توجیہ کی ہے، ثبوت دو (دس روپے انعام) ہے یہ کہ:

ع عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

ایسی ہی چادر حیا اتار دی تھی تو ”أي: فی حدودہ“ کو بھی ”أي: فی جوفہ“ بنا لیا ہوتا، یہ دن تو نہ دیکھنا ہوتا کہ کال بھی نہ کٹا۔

مسلمانو اللہ انصاف! ایسی کاروائیوں سے کون سا باطل حق نہیں ٹھہر سکتا، اپنے مفید عبارتیں دل سے گڑھ لو، جو اپنے مضر ہیں ان کے تمام نسخے غلط بتادو، اور ان میں اپنی گڑھت ملا دو۔
مسلمانو اللہ انصاف! کیا کسی حق بات کے لیے ایسی جیتی کھیاں (۱) نگنی ہوتی ہیں، کیا صاف نہ کھل گیا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہونا ایسا ہی شدید باطل ہے جس کے حامیوں کو اس قدر شرم ناک بددیانتیوں کی حاجت پڑی، جو اس پر بھی نہ سمجھے کیا قیامت کے دن سمجھایا جانا چاہتا ہے۔

قسم (۴) کتاب کا جھوٹا نام گنا دیا اور عبارت غائب

(انعام ۵ روپے)

(۱۸) سو کتابوں کی فہرست دی بھرت پورا کرنے کو۔ نمبر ۵۸ میں ”فتح حاشیہ مسکین“ کا نام لکھ دیا، آثار المبتدعین کی عبارتوں میں کہیں اس کتاب کا نام تک دکھادیں (پانچ روپے انعام)

قسم (۵) بھرت پورا کرنے کو ایک ایک کتاب دو دو دفعہ گنائی

(انعام ۴ روپے)

(۲۲ تا ۱۹) فہرست دیکھیے:

شمسی الگ، کمال الدراہ الگ، وجیہ الدین بر شرح وقایہ جلد اول، علوی بر شرح وقایہ جلد اول،

نقايہ علیحدہ، مختصر الوقایہ علیحدہ، مجمع الانہر اور شرح ملتقی۔ اور خود ہی ص ۳۰ و ۳۱ پر اقرار ہے کہ آپ کی سندوں میں شرح ملتقی وہی مجمع الانہر ہے، چار کتابوں کی آٹھ کر لیں (چار روپے انعام)۔

(قسم ۶) عوام کے دھوکے کو گنتی بڑھانے کے لیے متعدد گن دیے

(انعام ۴ روپے)

(الف) ایک ایک عبارت دو دو دفعہ گنی، مثلاً:

(۲۳) ص ۵ میں عبارت ششمی پر ۹ کا نمبر، پھر دو سطر بعد بعینہا وہی عبارت بنام کمال الدراییہ ۱۲ نمبر۔
(۲۴) اسی صفحہ میں شرح ملتقی کی عبارت ۱۳ نمبر، پھر ایک ہی سطر بعد وہی عبارت دو لفظ چھوڑ کر بنام مجمع الانہر ۱۵ نمبر۔

(۲۵) ص ۳۲ پر کہا: ”تیسری روایت مختصر الوقایہ کی“ پھر دو سطر بعد ایک لفظ بڑھا کر اسی کو لکھا اور کہا ”چھٹی روایت نقایہ کی“۔

(۲۶) ص ۷ پر بحوالہ یعنی ایک روایت مبسوط ۳۱ نمبر، پھر ص ۱۸ پر اسی کے دو ٹکڑے کر کے ۱۰۲، ۱۰۵ نمبر ایک روایت کی تین بنا لیں۔

(۲۷) ص ۲۰ پر عبارت حلبی ۱۱۹ نمبر، پھر ص ۲۳ پر وہی عبارت ۱۳۷ نمبر۔

(۲۸) ص ۱۸ پر عبارت امداد الفتاح ۹۹ نمبر، پھر ص ۳۵ پر وہی روایت دوسرے نمبر سے مکرر۔

(ب) ایک حدیث چار بار شمار۔

(۳۱ تا ۳۹) ص ۲۴ پر ایک حدیث ام المؤمنین کہ نماز تہجد میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتیں۔ چار دفعہ گنی۔ فقہا کے نزدیک تغایر متن سے حدیث بدلتی ہے، محدثین کے نزدیک تعدد صحابی سے متعدد ہوتی ہے، مگر غفار خانی اصطلاح میں ایک ہی صحابی کی ایک ہی حدیث چار حدیثیں ٹھہرتی ہے۔ بخاری نے روایت کی، ایک حدیث ہوئی۔ مسلم نے روایت کی، دوسری ہو گئی۔ ابوداؤد کی روایت سے تیسری ٹھہر گئی۔ بلکہ امام بخاری کہ تقطیع حدیث کے عادی ہیں، انہیں اکیلے کی دو بار روایت د و حدیثیں۔

(۳۲) نہیں نہیں، اس سے صرف حدیث متعدد نہ ہوئی بلکہ اس کا قصہ ہی متعدد ہو گیا، کہ ان

چالوں سے بیس گنا کی ص ۲۶ پر بولے ”یہ بیس حدیثیں مختلف احکام و قصص کی پیش کیں“ خدا شرم دے۔

(ج) یوں بھی جی نہ بھرا تو گیارہ علی الحساب بڑھا لیے۔

(۳۳ تا ۳۳) ص ۳۸ پر بولے ”یہاں تک ۲۳۵ روایات نقل کی ہیں“ حالاں کہ تمام مہملات

و مکررات سب ملا کر بھی ۲۲۲ رہی ہیں۔

(د) ایک ایک مہمل اعتراض کئی کئی دفعہ گنا مثلاً:

(۴۴ و ۴۵) ص ۴۴ پر پہلی، دوسری، چوتھی، تینوں غلطیاں بتانے کا حاصل ایک ہے کہ زمان کو

مکان پر قیاس۔ ایک اعتراض کے تین کر لیے۔

(۴۶) چھٹی اور ساتویں کا حاصل ایک۔

(۴۷) دسویں اور گیارہویں کا مطلب ایک جس کی خدمت گزاری قسم ۱۵ میں آتی ہے۔ لفظ

بدل کر ایک ایک کے دو دو کر لیے۔

(۴۸ تا ۵۱) فتوے مبارکہ میں حدیث ابو داؤد کو معنی بین یدیدہ کا موضح بتایا، آپ ص ۴۵ پر

معرض ہوئے کہ وضاحت چار طور پر ہوتی:

اول خود بیان شارح یا صحابی۔

دوم بیان راوی دیگر۔

سوم اتفاق شراح حدیث۔

چہارم بیان بعض شراح۔

اور یہاں یہ چاروں نہیں، لہذا وضاحت نہیں۔ یہ اول تو جو دو مکابرہ ہے، یہاں خود صحابی کا بیان

موجود ہے، کہ ”علی باب المسجد بین یدیدہ“ ہے، پھر جمیع وجوہ وضاحت کا انتفاع عدم وضاحت کی

ایک وجہ واحد ہے کہ ایک کے انتفاع سے انتفاع نہ ہوتا، سب کے انتفاع سے انتفاع ہوگا کہ

نہیں، چار وجوہ انتفاع قرار دیا، اور پھر اس جہالت پر بھی کہ ایک کی چار بنا لیں صبر نہ آیا، اور ایک اپنی طرف

سے اور ملا کر ص ۵۲ پر بولے ”پانچ وجہیں وضاحت پر وارد کیں“۔

(۵۶) ص ۴۷ سے ۵۲ تک حدیث ابی داؤد شریف کے جاہلانہ رد چوبیس گنائے، اور ص ۵۲ پر

پر ایک علی الحساب بڑھا کر بولے ”پچیس وجہیں استدلال پر وارد کیں“

غرض ہر جگہ جھوٹ پر مدار ہے۔

(۵۷ تا ۵۹) پھر وہ چوبیس بھی کس خوبی سے ہیں، ص ۴۷ پر چھٹی وجہ یہ گڑھی کہ ”علی باب

المسجد“ اس حدیث میں مخترع ابن اسحاق کا ہے، ”مخترع ابن اسحاق ہونے کو لازم تھا کہ نہ قول رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو، نہ قول صحابی، نہ قول تابعی، نہ اور روایت میں مروی۔ ان چاروں کے اجتماع

سے اختراع ثابت ہوتا، آپ نے چاروں کو الگ وجہ گنا کر چھٹی کے بعد دسویں شروع کی، سات آٹھ نو تینوں ہضم، ایک وجہ کی چار کر لیں۔

(۶۰) پھر اس پر بھی صبر نہیں، اسی اپنے اختراعی اختراع کو اسی بنا پر کہ ابن اسحاق کے سوا کوئی ناقل نہیں ص ۲۸ پر مکرر ملا کر ستر ہویں وجہ بنایا۔

(۶۱ تا ۶۴) فقہ حنفی میں اس قید ”علی الباب“ کا نہ لینا کہ محض جہالت مولوی صاحب ہے، جس کا رد ”سلامة اللہ“ میں موجود ہے، اگر ہوتا وجہ واحد ہوتا، اسے دسویں سے چودھویں تک پانچ وجہ بنایا، بھلے سے مولوی صاحب کو فقہائے حنفیہ کی فہرست نہ ملی ورنہ اسے ہزاروں وجہ بنا لیتے۔

(۶۵) شذوذ و نکارت متباین ہیں، ص ۲۸ میں دونوں کو ملا کر پندرہویں اور سولہویں وجہ کیا، غرض دس بڑھا کر پندرہ مہملات کو چھپس گنایا۔

(۶۶ تا ۷۰) کلام جلابی کے ”فی المسجد“ کو فتوے مبارکہ میں ”فی حدود المسجد“ سے تفسیر فرمایا اور اس پر کلام امام محقق علی الاطلاق سے استناد فرمایا، کہ جس طرح انھوں نے کلام کافی میں ”فی المسجد“ کی تفسیر ”فی حدودہ“ فرمادی، ظاہر ہے کہ کام تفسیر لفظ سے ہے، نہ خصوصیت متکلم سے، تو اسے ص ۵۴ پر یہ قرار دینا کہ امام ابن الہمام نے خاص اس عبارت میں یہ تفسیر کی، کھلی بے عقلی اور اسے ابن الہمام پر افترا بتانا صراحتاً اپنے خصم پر افترا۔ پھر اگر تفسیر ہوتا بھی تو قول جلابی کی جو امام ابن الہمام سے مقدم ہیں نہ کہ نقل تہستانی ناقل کی، تو یہ گمان اور بھی بے عقلی۔ تین تو آپ پر یہ ہوئے پھر مزہ یہ کہ اسی ایک جاہلانہ اعتراض کو آٹھ، نو، دس، تین غلطیاں بنالیا۔

(۷۱ تا ۸۱) فتوے مبارکہ میں تھا کہ...

”اگر بانی مسجد نے تمام مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لیے منارہ بنایا تو یہ جائز ہے، کراہت یہاں نہ ہوگی، جیسے مسجد میں وضو جائز نہیں، مگر پہلے سے اگر کوئی محل بانی نے وضو کے لیے بنا دیا تو اس میں وضو جائز ہے“

قیاس تھا بلکہ ائمہ کی دلالت النص سے استدلال، کہ فقہائے کرام اگرچہ مسجد میں اذان کو مکروہ فرماتے ہیں، مگر مسجد میں وضو کی مثل تو نہ ہوگا کہ اس کا پانی مستقذر بلکہ امام کے نزدیک نجس ہے، جب قبل تمام مسجدیت اس کے لیے ایک جگہ مسجد میں معین کرنا ائمہ نے جائز رکھا، تو اذان کے لیے منارہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوا، مولوی صاحب کی بے عقلی کہ اسے وضو پر قیاس سمجھے۔ پھر اس پر ص ۵۴ میں اعتراض جمایا کہ اذان کو مستقذر و نجس چیزوں کے مانند مانا، یہ دوہری اشد بے عقلی۔ کہاں تو یہ کہ جب ایسی چیزوں کے لیے

مسجد بیت سے پہلے محل بنانے کی اجازت ہے تو اذان کے لیے کیوں نہ ہوگی، اور کہاں یہ کہ اذان کو ان چیزوں کی مثل بتایا۔ پھر لطف یہ کہ اسی ایک جاہلانہ اعتراض کو دوسری غلطی سے دسویں تک لفظ بدل بدل کر گنایا، ایک ہی اعتراض کے نوکر لیے۔

غرض یہ ہے کہ: ع ماعلیٰ مثله بعد الخطا

(۸۲ تا ۹۰) کلام جلابی کی دوسری توجیہ پر ص ۵۵ و ۵۶ میں جو جاہلانہ مزخرفات کی ہیں جن کا رد قاہرہ ”سیف القہار“ میں ہے، ان میں پہلی اور دوسری ایک ہیں، ساتویں اور آٹھویں ایک ہیں، نو دس گیارہ بارہ ایک ہیں، تیرہ سولہ ایک ہیں، چودہ پندرہ اٹھارہ ایک ہیں، انیس بیس ایک ہیں۔
(۹۱ تا ۹۳) یونہی ص ۵۷ و ۵۸ میں توجیہ کلام ہستانی پر جو جہالتیں دکھائیں جن کا رد گزرا اور آتا ہے، ان میں دوسری تیسری ایک ہیں۔ چھ سات آٹھ ایک ہیں۔
(۵) ایک ایک مہمل دلیل متعدد کر لی۔

(۹۲ تا ۹۷) ص ۴۰ تا ۴۳ جو دس مہملات بنام دلائل اذان خطبہ لکھیں ان میں ۳ و ۱۰ واحد ہیں، ۶ و ۵ واحد ہیں، ۳ تکمیل دلیل سابق ہے نہ دلیل، ۷ دلیل ۶ پر موقوف ہے نہ مستقل۔
بالجملہ جاہلانہ اعتراضوں میں ۴۵ جھوٹ بڑھالیے، اور اپنی سندوں میں ۲۴، جملہ ۶۹۔ (سواستریہ روپے انعام، فی تکرار چونی)۔

قسم (۷) نامعتبر و مجہولات سے بھرتی بھردی

(انعام ۵ روپے)

(۹۸ تا ۱۰۲) مثلاً برہنہ، رحمانیہ، زادات القوی، نقشبندیہ، نور المصلین اور ان سے دونی اور ہیں، مولوی صاحب انہیں کے معتمد و مستند ہونے کا کلام علمائے معتمدین سے ثبوت دیں (پانچ روپے انعام، فی کتاب ایک روپیہ)۔

قسم (۸) کتاب بھر میں خصوصاً ۱۲۵ جگہ مہمل بعلاقہ عبارتیں

بھر کر دھوکے دیے

(انعام مالعہ ۴)

(۱۰۳ تا ۱۸۷) مخالفین ”بین یدیہ“ سے اس پر دلیل لاتے تھے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے

برابر ہے، اسی لفظ کی بنا پر توارث کی رٹ تھی، اسی کے بھروسے زمانہ رسالت پر اس کی تہمت تھی۔ علمائے اہل حق نے کتنا سکھایا کہ ”بین یدیدہ“ کچھ ایسے ہی قرب سے خاص نہیں کہ اذان دروازہ پر ہو تو ”بین یدیدہ“ نہ رہے۔ دیکھو صحاح ستہ سے سنن ابی داؤد شریف کی صحیح حدیث میں ”علی باب المسجد“ کے ساتھ ”بین یدیدہ“ موجود ہے، کیا صحابی اہل زبان ”بین یدیدہ“ کے معنی نہ جانتے تھے، بات تو یہیں ختم ہو چکی تھی، پھر زیادہ علاج نادانی کے لیے قرآن عظیم کی آیتوں، ائمہ لغت کی تفسیروں، ائمہ تفسیر کی تصریحوں سے قاہر ثبوت دیے کہ ”بین یدیدہ“ اتنے ہی قرب سے خاص نہیں بلکہ منفصل، قریب، بعید یہاں تک کہ اتصال حقیقی سے پانسو برس کی راہ کے فاصلہ تک خود قرآن مجید میں موجود ہے، آٹھ ہزار برس کی راہ تک تفسیرات و لغت کی تفسیروں سے ثابت ہے، تو یہاں سے وہاں تک جس حد پر بولا جائے نہ ہمارے کچھ منافی نہ تمہیں کچھ مفید، کہ وہ ہمارے ہی دعویٰ کے ایک جز کا ثبوت ہے، نیز یہ بھی بتا دیا کہ اس کا قرب باختلاف موقع مختلف ہوتا ہے، اور یہ کہ ”بین یدی المصلی“ میں اس کا موقع موضع سجود ہے، ان میں سے تمہیں کچھ نافع نہیں کہ تم مستدل ہو، تمہیں تو یہ لانا چاہیے کہ وہ ایسی ہی قرب سے خاص ہے کہ منبر و دروازہ کے فاصلہ پر باطل ہو جائے۔ یہ بھم اللہ تعالیٰ نہ کوئی صاحب لاسکے نہ انشاء اللہ القدر قیامت تک لاسکیں، اور کیوں کر لاسکیں کہ ائمہ لغت و ائمہ تفسیر کی تفسیروں کے بالکل خلاف ہے۔ گھر سے کوئی نئی عربی تو گڑھ نہیں سکتے، لغت و تفاسیر درکنار کیا قرآن عظیم کے ارشادات غلط کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ سن سنا کر مولوی صاحب وہی قدیم اوندھی چلے، آخر ص ۱۹ سے اول ۳۹ تک دس ورق اس میں سیاہ کیے، بیس حدیثیں اور بیس فقہی روایتیں لائے، جن میں ”بین یدیدہ“ ایک قرب کی حالت میں بولا گیا ہے، پھر ”مرور بین یدی المصلی“ کے متعلق پانچ حدیثیں ۲۸ روایتیں، اور ص ۲۰ پر مطلق قرب کی چھ عبارتیں، اور سب سے بڑھ کر کمال ذی ہوشی سے صراح و قاموس و راغب و تاج العروس کی عبارتیں، اور فقہا کا ایک قول، اور ترمذی کی ایک حدیث۔ یہ چھ حرف اس لیے کہ لفظ ”بین“ بمعنی ”درمیان“ ہے، اور ان میں کمال عقل کے گل کھلائے، جملہ بچاسی روایات ہوئیں۔

مولوی صاحب! ایمان سے کہنا: ان میں کون سا حرف ہے کہ ”بین یدیدہ“ اتنے ہی قرب سے خاص ہے کہ دروازہ و منبر کے فصل پر باطل۔ (پچاسی روپے انعام فی روایت ایک روپیہ)
مسلمانو! یہ ہے وہ جسے بڑا بنا کر تمہیں ڈرایا جاتا ہے، خدا شرم دے۔ آگے چلیے:

(۲۲۹ تا ۱۸۸) جب کھل گیا کہ ”بین یدیدہ“ تمہیں کچھ نافع نہیں، تو ص ۳۲ سے ص ۳۸ تک

صرف اس کی بیس روایتیں کہ اذان ”بین یدیدہ“ ہے، اور بیس اس کی کہ ”بین یدیدہ“ متواتر ہے، اور دو

اس کی کہ متواتر حجت ہے، یہ بیالیس مہمل در مہمل فضول در فضول ہوئیں، (انھیں بیالیس روپے انعام) بھلے مانس! یہ بھی نہ دیکھا کہ ”بین یدیدہ“ خود ہمارا مذہب، ہمارا عمل، ہمارا فتویٰ ہے، ہم خود اسے متواتر مانتے ہیں، یہ خود ہماری حدیث میں موجود ہے، جسے ہم مانتے ہیں اور تم منکر ہو۔ پھر ان کے بھرنے سے سو اس کے کیا فائدہ ہوا کہ ناواقف عوام ڈر جائیں کہ.. اُوہ اتنی کتابوں سے اتنی روایتیں دی ہیں، شرم شرم شرم۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم

یہ ہے آپ کی سندوں کا بھاگ، یہ ہے آپ کا مکمل کا باگ، یہ ہے آپ کی کتابوں کی قطار، یہ ہے آپ کی روایتوں کی پکار، ع: شرم بابت از خدا و از رسول
جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اور سنئے:

(۲۳۰ تا ۲۴۷) ”ینبغی“ جو اوپر سے توڑ کر ”لا یؤذن“ کے سر لا دھرا تھا، ص ۱۲ و ۱۳ پر ۱۸/ عبارتیں اس کی بھریں کہ فقہانے ان میں ”ینبغی“ بمعنی مستحب بولا ہے، اور وہ بھی کمال تمیز داریوں سے جن کا بیان ”صلیم الدیان“ میں ہے، اور بعض کا آئندہ آتا ہے۔ ہاں سہی، پھر ”ینبغی أن لا یؤذن فی المسجد“ تو آپ کی ساختہ ہے، کتب مذکورہ میں یہ عبارت یوں دکھا دو تو (سو ادور روپے انعام بالا سے انعام فی روایت ۲)

قسم (۹) مہمل در مہمل ذیل مہمل

(انعام ۳۷ روپے)

(۲۴۸ تا ۲۸۴) ”بین یدیدہ“ میں مولوی صاحب کے اس اہمال پر خاک ڈالنے تو اب بھی آپ جس مطلب کے ثبوت کو وہ بیس حدیثیں بیس عبارتیں لائے، ان میں اکثر اس سے بے علاقہ ہیں، اس سے بڑھ کر اور اہمال کیا ہوگا کہ ع: خود گفتہ و خود نداء کہ چیت۔

مولوی صاحب کی غرض یہ تھی کہ ”بین یدیدہ“ کا مفہوم اتنے قرب قریب میں منحصر کریں کہ مسجد سے باہر نہ جاسکے، اس کے لیے جاں کاہ مخنتیں فرما کر دانتوں سپینے لاکر یہ چالیس روایتیں لائے، اور فرمایا ان میں کہیں خارج بیت کا مطلب نہیں بنتا (دیکھو ص ۲۶)

مگر الحمد للہ دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔

اولاً: ان میں زیادہ مزہ دار وہ کثیر و بسیار روایات ہیں جن کو سرے سے اس قرب ہی پر دلالت

قسم (۱۰) جھوٹے ترجمے دکھا کر دھوکے دینا

(انعام ۸۷ روپے)

(۳۱۴ تا ۲۸۵) مولوی صاحب! ”بین یدیدہ“ کی حقیقت تو آپ پر کھل گئی، اور آپ نے خود قبول دیا ہے کہ وہ قرب خاص پر بند نہیں جس کا بیان جناب کی خوبی قسمت کی شرح میں عنقریب آتا ہے۔ اب فرمائیے ص ۳۵ سے ص ۳۸ تک جو امداد الفتاح سے لے کر آخر تک کی عبارتوں میں ”بین یدیدہ“ کے ترجمہ میں لفظ (مسجد میں) اپنی طرف سے ٹھونس لیا، امداد و جموی و نہر ہر ایک کے ترجمہ میں وہ دو جگہ اور بے چارے حاشیہ ہدایہ علامہ عینی کی اکیلی عبارت میں اکھٹا سات جگہ اور باقی پندرہ میں ایک ایک جگہ، یہ اٹھائیس افترا کس شریعت سے حلال کر لیے، دین و دیانت کا دعویٰ ہے تو فوراً سے پہلے بولے کہ ان عبارات میں (مسجد میں) کون سے لفظ کا ترجمہ ہے، (اٹھائیس روپے انعام فی افترا ایک روپیہ)

خدا کی شان ان عبارات میں ”فی المسجد“ درکنار سرے سے مسجد کا نام تک نہیں اور ترجمہ ہو گیا کہ ”اذان مسجد میں“ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

مسلمانو! دیکھا یوں دن دہاڑے تم پر اندھیری ڈال کر مسجد میں اذان منوائی جاتی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

طرفہ یہ کہ ص ۳۱ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جیتے افترا کر کے (جن کا بیان عنقریب آتا ہے) خود ہی قبول دیا کہ واقعی یہاں ”مسجد میں“ کسی لفظ کا ترجمہ نہیں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا کر کے خود ہی ٹھونس لیا ہے، فرماتے ہیں: ”اسی بنا پر ہم نے بین یدیدہ کے یہ معنی لیے کہ قریب منبر کے مسجد میں“

ع: اس آنکھ سے ڈریے جو خدا سے نہ ڈری آنکھ

(۳۱۳ تا ۳۶۰) ص ۸ و ۹ پر ۱۴ عبارات لائے کہ حجہ و تحریمہ و مغرب کی بالواسطہ سندیں ملا کر ۱۷ ہوئیں، پھر فرمایا: ”خلاصہ ترجمہ ان سب روایات کا یہ ہے“ اس خلاصہ میں فرمایا: کہ...

”دوسری اذان مسجد میں قریب منبر کے واسطے احیائے سنت اور اعلام حاضرین کے“

مسلمان دیکھ لیں کہ ان میں سے کسی عبارت میں نہ (مسجد میں) کا ذکر ہے نہ ”اعلام حاضرین کا“ لفظ ہے۔ یہ ۳۴ افترا ہوئے۔ لطف یہ کہ حجہ و ابراہیم شاہی و مستملی کے سوا کسی روایت میں خود اذان ثانی کا نام تک نہیں، اس کا ”مسجد میں“ یا ”اعلام حاضرین کے لیے ہونا“ درکنار ۱۴ افترا یہ ہوئے، جملہ

۴۸۔ مولوی صاحب اٹھائیں (اڑتالیس روپے انعام فی افتر ایک)۔

(۳۶۱ تا ۳۷۱) فتوایے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ میں خانہ و خلاصہ و عالمگیریہ و برجندی و طحاوی علی مرقی الفلاح عن القہستانی عن النظم، اور دو دو عبارتیں فتح القدیر و بحر الرائق کی تھیں، جن میں سے چھ میں یہ تصریح تھی کہ اذان مسجد میں نہ دی جائے، اور چار میں یہ کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے، اور ایک میں یہ کہ اذان منارے پر سنت ہے، اور تکبیر مسجد میں۔ یہ عبارت اس مسئلہ میں ہے کہ اذان و تکبیر کی جگہ شرعاً جدا ہے۔ مولوی صاحب ص ۴۰ پر ان گیارہ روایات کا مطلب یہ فرماتے ہیں:

”اولویت اذان کی ایسی محل میں کہ اسمع للجبیر ان ہو خواہ منارہ ہو یا صحن مسجد ہو“

مسلمانو! نفی کا مطلب اثبات ٹھہر لینا ایسے ہی مولوی صاحب کا کام ہے، شاید مولوی صاحب۔

﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا﴾ [سورة آل عمران: ۱۳۰] کا مطلب یہی سمجھتے ہوں کہ..

”حکم معاملہ کا ہے ایسے محل میں کہ نفع لانا انسان ہو خواہ بیع ہو یا سود ہو“

مولوی صاحب کہیں ان عبارات میں صحن مسجد کا لفظ تک ہے، یا مسجد میں ممانعت صحن مسجد میں

اجازت کا نام تک ہے، (گیارہ روپے انعام فی افتر ایک روپیہ)

یہ ستاسی افتر استیاسی افتر اول سے ترجمہ گڑھ کر کیے، اور اس پر یہ حیا کہ ص ۳۹ پر اپنے خصم کی

نسبت ارشاد ہے:

”ترجمہ گڑھا، مولانا کونہ خدا کا ڈر، نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لحاظ، نہ اہل علم کا خیال کہ

اپنی طرف سے معنی بنا لیے“

ع: چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

(قسم ۱۱) کمال ہدیان اور ائمہ پر بہتان

(انعام ۱۰ روپے)

(۳۷۲ تا ۳۷۳) ص ۱۹ سے ۴۳ تک تمام بحث ”بین یدیدہ“ کا نچوڑ یہ ہے کہ جو چیز حقیقتہً آدمی

کے دونوں کف دست کے وسط میں ہو بس وہی ”بین یدیدہ“ ہے۔

ص ۲۱ ”بین یدیدہ“ کے کیا معنی ہوئے، درمیان دونوں ہاتھوں کے جب آدمی کھڑا ہو تو موضع

قدم بین یدیدہ ہے، اگر ہاتھ آگے بڑھالے تو ایک گز آگے کو ”بین یدیدہ“ شامل ہو گیا، جب آدمی بیٹھ کر

سجدہ میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ ”بین یدیدہ“ ہوا، یہاں تک اطلاق حقیقی ”بین یدیدہ“ کا ہوا، اور

اگر در اس کے کو "بین یدیدہ" کہیں تو مجاز ہوگا۔
پھر کہا: "فقہانے معنی حقیقی اس کے موضع سجود کے لیے ماورا کو حکماً اور مجازاً شامل کیا، کسی مصلحت

سے

اسی کا اعادہ ص ۴۰ و ۴۱ پر ہے۔ ص ۳۲ پر کہا: اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ "بین یدیدہ" کی مقدار تین ہاتھ ہے۔

مولوی صاحب! ثبوت دو کہ فقہانے کرام نے کہاں فرمایا ہے کہ ڈیڑھ گز تک "بین یدیدہ" حقیقت ہے آگے مجاز، کہاں فرمایا ہے کہ اس کے آگے کو ہم کسی مصلحت سے شامل کر رہے ہیں۔ (دس روپے انعام)

(۳۷۴) اس جہالت کا سارا منشا یہ ہے کہ مولوی صاحب "بین یدیدہ" کے اجزائے ترکیبی کے معنی حقیقی لے بیٹھے، حالاں کہ مرکب کے معنی اجمالی بارہا ان کے سوا ہوتے ہیں، کشاف و مدارک و خطیب شربی و فتوحات الہیہ و جامع الرموز وغیرہ نے تصریح کر دی، کہ یہاں "یدین" سے مراد دو جہت مقابل ہیں کہ دونوں بازوؤں کی سمت پر ہیں۔

(۳۷۵) مجھے نقل عبارات کی کیا حاجت۔ مولوی صاحب خود اسی بحث میں ص ۲۳ پر ہستانی کی عبارت نقل کر کے اپنی ساری چنائی ڈھا گئے کہ "بین یدیدہ أي بین الجہتین المسامتین لیمین المینبر اولیٰ امام ویسارہ قریباً منہ" اور خود ہی اس کا ترجمہ بھی فرما گئے کہ "بین یدیدہ ای درمیان دونوں جہتوں یمن و یسارہ یا امام کے، قریب منبر و امام کے۔"

(۳۷۶) جہالت اتنی کہ "مسامتین" کے کچھ معنی نہ سمجھے۔

(۳۷۷) دیانت اتنی کہ جب سمجھ میں نہ آیا تو اسے ترجمہ سے اوڑا ہی گئے، اور یمن و شمال امام کی سمت پر جو دو جہتیں عبارت میں تھیں انہیں خود امام کے یمن و شمال بنا لیا کہ پھر خاصہ وہی دونوں بازوؤں کا وسط آ گیا۔

(۳۷۸) بے عقلی اتنی کہ یہ مراد تھی تو ای کہہ کر تفسیر کی کیا حاجت تھی، یدیدہ کون سا ایسا لغت تھا۔

(۳۷۹) پھر تفسیر بھی ہوئی تو یمن و شمال نہ کہ "جہتین مسامتین لیمین و الشمال"

زہے ملائی۔

(۳۸۰) پھر یہ مراد ہوتی تو "قریباً منہ" کا کیا محل تھا، کیا دونوں ہاتھوں کے بیچ میں آ کر اور زیادہ

قرب درکار تھا، یہ کہ سینہ یا شکم میں حلول کر جاتا، زہے دانائی۔ ہاں دونوں جہتیں لیں جو بازوؤں کی سمت

پر چلی گئی ہیں تو وہ تو عرش بریں کے منہی تک محدود ہیں، ان میں ضرور قید قرب کی ضرورت تھی۔
(۳۸۱) بہت اچھا، اب آپ اپنی گڑھت کی خبر لیں:

”جب ہاتھ آگے کو بڑھائے تو ایک گز آگے کو بین یدیدہ شامل ہو گیا“

اور جب پیچھے کو بڑھائے تو کتنے کو شامل ہوا، ظاہر ہے کہ یوں پیچھے بھی جو کچھ فضائے ہر دو دست کے اندر آئے گا آپ کے طور پر بین یدیدہ ہے، کیا خوب بین یدیدہ و خلف کہ ازل سے متقابل تھے، قرآن عظیم میں ہر جگہ باہم مقابل رکھے گئے تھے، متحد ہو گئے۔ افسوس کہ جناب کو آگے پیچھے کی بھی خبر نہ رہی، اس سے بڑھ کر اور کیا ہدیان ہوگا۔

(۳۸۲) بہت اچھا، آگے کی قید اپنی طرف سے اب بڑھا لیجیے، اگرچہ لفظ میں اس کی گنجائش نہ رہی ہو، تو اب فرمائیں! یہ دونوں ہاتھوں کی فضا میں ہونا خاص اس وقت درکار ہے، یا جو چیز کبھی ایسی تھی اسے بھی شامل؟۔ بر تقدیر ثانی نمازی کے پیچھے گزرنا بھی حرام ہو کہ جب وہ دروازے سے چل کر مسجد کے اس محل تک آیا، پیچھے کی سب زمین اس پر گزرتے وقت اس کے ہاتھوں کی حد میں آچکی تھی، بر تقدیر اول نمازی قائم کے خاص موضع سجود میں گزرنا حلال ہو کہ اس وقت ہاتھوں کی حد میں نہیں، خود آپ ص ۲۱ و ۲۰ پر تقسیم مذکور کر چکے کہ

”کھڑا ہے تو موضع قدم بین یدیدہ ہے، جب سجدہ کرتا ہے تو محل سجود بین یدیدہ ہوا“

تو کھڑے کے آگے ماتھے سے شانہ رگڑ کر نکل جائے حلال ہو گیا۔ مولوی صاحب نے شریعت ہی پلٹ دی۔

(۳۸۳) نیز بر تقدیر اول جب کہ خطیب منبر پر بیٹھا ہے تو اس کی رانیں بین یدیدہ ہیں، مؤذن کہ اس سے الگ کھڑا ہے کیوں کر بین یدیدہ ہوا، اس سے کہیے خطیب کی گود میں چڑھے، اس کی رانوں پر پاؤں رکھے کہ بین یدیدہ ہو۔ بر تقدیر ثانی خطیب بیرون مسجد سے مسجد میں گیا ہے تو بیرون مسجد بین یدیدہ ہولیا تھا، وہاں اذان ہو بین یدیدہ ہو گئی، ولله الحمد، اب تو مولوی صاحب نے نہ ایک چنائی بلکہ اپنا سارا ہی گھر ڈھایا، وہ تھا ہی ﴿عَلَى شَفَا جُرْفٍ هَارٍ فَا نَهَارٍ﴾

(۳۸۴) مولوی صاحب نے تین ذراع دیکھ کر ڈیڑھ گز بنا لیا، کیا دلیل ہے کہ یہاں ذراع سے مراد ذراع کر باس ہے، جو ہمارے گز سے آدھ گز ہے، ذراع مساحت کیوں مراد نہیں، جو ساڑھے تین فٹ ہے ”کما فی الخانیة والبحر ورد المحتار وغیرھا“ بلکہ یہاں پیمائش فاصلہ زمین کا ذکر ہے، تو ذراع مساحت ہی مناسب تر ہے، اب تین ذراع ہمارے گز سے ساڑھے تین گز ہوا، نہ فقط ڈیڑھ

جو مولوی صاحب کا ادعا ہے، مولوی صاحب نے تو بیٹھ کر سجدہ کو کہا تھا، لیٹ کر سجدہ کریں اور اس میں بھی ہاتھ سر سے اونچے پورے پھیلا دیں جب بھی پاؤں سے ہاتھوں تک ساڑھے تین گز فاصلہ نہ ہوگا، جو قامت انسانی کا دوچند ہے۔

(۳۸۵) طرفہ جہالت یہ کہ مولوی صاحب تو موضع سجود محل پیشانی کو لیتے ہیں کہ جب آدمی سجدے میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ میں ”بین یدیه“ ہوا، اور محل پیشانی محل سترہ نہیں ہو سکتا، کہ سترہ وہاں گڑا تو پیشانی وہاں کیسے رکھے گا۔ اور ص ۳۲ پر عبارت جو نقل کی وہ محل سترہ کے لیے ہے، اور ٹھہرا لیا اسے موضع سجود کے لیے۔

(۳۸۶) یہیں مولوی صاحب نے اپنی منطق دانی دکھانے کو فرمایا تھا:

”چاہو اس کو شکل اول کی طرف راجع کرو اور کہو مقدار بین یدیه مقدار موضع سجود“ کل مقدار موضع سجود ہ ثلاثہ اذرع. فمقدار بین یدیه ثلاثہ اذرع“ یہ نتیجہ حاصل ہوا“ ہمارے بیان مذکور سے مولوی صاحب کی شکل بگڑ گئی کہ کبری غلط ہے۔

(۳۸۷ تا ۳۸۹) مزہ یہ کہ بین یدیه کے حقیقی معنی ڈیڑھ گز گڑھے، اور اس کی سندوں میں ص ۲۳ پر تفسیر کی عبارت لا کر فرماتے ہیں:

”یعنی اگر تصویر موضع سجود کے پاس ہو جہاں نظر مصلیٰ کی پڑتی ہے وقت موضع سجود دیکھنے کے“

ص ۲۹ میں اس پر اور رجسٹری کر دی کہ:

”تجنیس میں کہ صاحب ہدایہ کی ہے تصریح کر دی، کہ موضع سجود سے مراد منہائے بصر تک ہے“

اور دوسری کے خلاف کا بھی دروازہ بند کر دیا کہ:

”علامہ شامی نے حاشیہ بحر میں یہ تحقیق فرمائی“ کہ ”راجع دونوں قولوں کا واحد ہے، اختلاف

عبارت ہے مراد ایک ہے“

یعنی جنہوں نے موضع سجود کہا ان کی مراد بھی یہی منہائے بصر ہے۔ یہ تین دفعہ اپنی ساری چٹائی ڈھائی۔ مولوی صاحب! کیا آپ کو اپنے موضع قدم سے ڈیڑھ ہی گز تک نظر آتا ہے، یوں ہے تو اپنی آنکھوں کا علاج کرانا آپ کے لیے مسئلہ علمی میں تحریر سے بہتر ہے۔

(۳۹۰) میں اس ڈیڑھ گز کی مقدار کو کہتا ہوں، مولوی صاحب نے تو بین یدیه کا سارا گھر ہی

ڈھایا۔ بین یدیه تو یہ ٹھہرایا تھا کہ سجدہ کرنے میں جب زمین پر ہاتھ رکھے تو ہاتھوں کے بیچ میں جو جگہ ہے وہ بین یدیه ہے۔ کیا مولوی صاحب! آپ ایسا سجدہ کر سکتے ہیں کہ منہائے بصر تک آپ کے ہاتھ پھیل

جائیں؟۔ غرض ہر جگہ ”علیٰ اہلہا تجنی براقش“

(۳۹۱) اب تو مولوی صاحب کی شکل بالکل ہی بگڑ گئی، صغریٰ میں اگر موضع سجود سے مراد محل پیشانی ہے تو مولوی صاحب کی انہیں تین شہادتوں سے صغریٰ باطل۔ بین یدیدہ محل پیشانی نہیں، بلکہ منتہائے بصر ہے، اور اگر مراد منتہائے بصر ہے تو کبریٰ میں بھی اگر یہی مراد ہے تو بدایتہ باطل ہے، منتہائے بصر ہرگز پاؤں سے صرف ڈیڑھ گز نہیں، اور اگر یہاں مراد محل پیشانی ہے، تو حد اوسط متکرر نہ رہا، بہر حال مولوی صاحب کی شکل بگڑ کر رہی۔

(۳۹۲) اس سے بڑھ کر لطف یہ کہ ص ۳۷ پر بین یدی المصلیٰ کی مقدار میں نو قول نقل کیے جن میں فقہائے کرام نے چالیس ہاتھ اور پچاس ہاتھ تک بین یدیدہ لیا، اس پر مولوی صاحب کا عذر یہ کہ: ”لیکن خارج بیت اور مسجد کسی نے قول نہیں کیا“

جی وہ آپ کے حقیقی معنی صرف تین ہاتھ وانے تو کسی بڑ کر دیے، چالیس پچاس ہاتھ تک آدمی کے ہاتھ کیسے پھیل جائیں گے، کہیں یا جوج ماجوج تو نہیں دیکھ پائے، بین یدیدہ کے معنی میں وسعت نہ ہوتی تو ائمہ میں یہاں تک اختلافات کیوں کر ہو سکتے، اب آپ کی حقیقت کی حقیقت کھل گئی، اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۳۹۳) اس سے مزہ دار تر یہ کہ وہیں اس پر امام ابن الہمام کا قول بھی نقل کر دیا کہ:

”منشا اختلاف کا سمجھنا معنی کا لفظ بین یدیدہ سے، جو سمجھا اس کا اس نے قول کیا“

کہیے اپنی مجاز والی چنائی کیسی ڈھائی، فقہا موضع سجدہ سے آگے کو مجاز جانتے تو حقیقت چھوڑ کر مجاز کیوں کر لیتے، آپ ہی تو ص ۴۰ پر فرما چکے

”جب تک حقیقت بر محل ممکن ہو مجاز ساقط“۔

(۳۹۴) اس پر طرفہ ہذیان مجاز و اشتراک کا ساگ، حقیقت یہاں مجاز سے علاقہ نہ اشتراک کا ساجھا، بلکہ بین یدیدہ کا مفہوم ایک امر عام ہے، یہ سب اس کے افراد ہیں، اور علمائے اہل حق بارہا افادہ فرما چکے کہ ایک فرد کی تعیین بقریٰ نہ و مقام ہوتی ہے، اس قرینہ میں اختلاف ہوا، لہذا تعیین فرد میں اختلاف پڑا، جس کی بعض تفصیل بنا یہ امام عینی میں ہے۔

وہ تھیں بین یدیدہ میں مولوی صاحب کی احادیث و روایات، اور یہ ہیں اس میں ان کے دلائل و اہیات، اور اس پر یہ غرہ کہ ص ۵۲ پر فرماتے ہیں:

”مولانا اونٹ اپنے آپ کو بہت بڑا جامع ہے لیکن جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو حقیقت کھلتی

ہے“

مولوی صاحب اپنا قد شریف (۱) دیکھ کر آپ یہ مثل لکھتے تو بہتر تھا، آئینہ آپ کے قد کا تو شاید نہ ملے کسی تالاب ہی میں ملاحظہ فرمایا ہوتا، ورنہ ان عظیم جہال کے نیچے آ کر تو سمجھ ہی جائے گا۔

(قسم ۱۲) مولوی صاحب نے بت کے سامنے نماز پڑھنا حلال کر لیا

(انعام ۱۰/روپے)

(۳۹۵) قد آدم تصویر اگر چہ مجسم ہو نمازی نے اپنے قبلہ رخ دروازے سے باہر چوکھٹ سے ملا کر نصب کی، یا جانے دیجیے نصب تھی، اور خود اندر متصل در اگر چہ گز ہی بھر کے فاصلہ پر اس سمت کو نماز پڑھی کہ سجدہ کے وقت اس کے سر اور بت کی پاؤں میں بس ڈیڑھ گہرہ کی چوکھٹ ہی حائل تھی، مولوی صاحب کے نزدیک یہ بلا کراہت جائز ہے کہ ان کے یہاں بین یدیدہ وہ پردہ نشین ہے جسے دروازے سے باہر قدم نکالنا محال، ابھی فرما چکے کہ

”خارج بیت کسی نے قول نہ کیا“

ص ۲۱ پر بولے: ”خوبی یہ ہے کہ معنی مجازی بھی جو فقہا نے بین یدیدہ کے لیے ہیں وہ بھی محدود ہیں ساتھ داخل مکان کے خارج کا کہیں اعتبار ہی نہ کیا“

جب بین یدیدہ دروازے سے باہر مجازاً بھی نہیں تو بت کو تو نہیں مگر اس کی سمت سجدہ میں مولوی صاحب کو کیا جائے عذر ہے کہ بیچ میں سد سکندر چوکھٹ فاصل ہے، مولوی صاحب بولے (دس روپے انعام)۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

یہ ہیں وہ ناپاک معنی جن کو کہتے ہیں کہ:

”حضور پر نور نے لیے، ائمہ عظام نے لیے، فقہائے کرام نے لیے، اُف اُف اُف، تف تف

تف۔ ولا حول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم۔

۱۔ شاید یہی وجہ ہوئی کہ اذان جو زمانہ اقدس میں دروازہ محاذی قبلہ پر تھی مولوی صاحب نے منبر کے برابر کر لی، یعنی دروازہ سے قبلہ کو جو بھاگے تو منبر پر رکے، وہ تو خیر ہوگئی کہ منبر آڑے آ گیا ورنہ خطیب کی کھوپڑی کی خیر مشکل تھی ”اعوذ بالله من شر الأعمین السیل والبعیر الصؤل۔ ۱۲ امنہ

(قسم ۱۳) عنادہٹ دھرمی مکا برہ بے شرمی

(انعام عہ ۴ / روپے)

(۵۲۲۳۳۹۶) ۱۲۷ / روایتیں کہ بین یدیدہ کے معنی تراشنے کو لائے اگر ابتداء ہوتیں محض جہل

(۱) واہمال ہوتیں، مگر اذان من اللہ، ووقایۃ اہل السنہ، وحق نما فیصلہ، وسلامۃ اللہ، میں روشن وقاہر، طاہر و باہر بیانون کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنا اور وہی بارہا کی مردودات سامنے لانا، مہملات بھرنے کے ساتھ کیسا شدید مکا برہ و عناد ہے۔

(۵۳۱۳۵۲۳) حق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ میں علی المنبر کے ایسے روشن جواب تھے کہ در مادرزاد کی

آنکھوں پر گزرتے تو انشاء اللہ القدر روشن کر دیتے، انھیں دیکھ کر ص ۱۸ و ۱۹ میں سات روایتیں ”علی“ اور دو ”بر“ کی پیش کرنا کیسی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵۳۲) طرفہ جہالت یہ کہ انہیں کے ساتھ دسویں روایت فتاویٰ برہنہ کی بھی نتھی کر دی کہ

”چوں امام بر منبر نشیند مؤذن برابر استادہ اذان گوید“

اور فقط نتھی کرنا ہی نہیں بلکہ سمجھے ہی یہ کہ برابر کے معنی علی کے ہیں کہ انہیں روایتوں کو ص ۳۸ پر

فرماتے ہیں ”دس علی المنبر کی“ ہاں ٹھیک تو ہے، فارسی میں ایک ”بر“ کے معنی علی کے ہوتے ہیں، یہ تو دو بر ہیں یعنی علی علی المنبر یعنی منبر کے اوپر سے بھی اوپر۔ یعنی خطیب کے سر پر چڑھ کر۔

(۵۳۳) فتاویٰ برہنہ اگرچہ محض نامعتبر کتاب ہے، مگر مولوی صاحب کی فارسی دانی دکھانے کو

اس کا حال بھی برہنہ کر دیں، فارسی میں برابر جس طرح بمعنی مساوی ہے یونہی بمعنی مقابل و محاذی ہے،

صراح میں ہے: ”حذا برابر در جہت حاذاہ ای صار بحذاة“

منتخب میں ہے: ”محاذاة برابر ہم واقع شدن“

مرآة الاصطلاحات میں ہے۔ ”برابر بروزن سراسر مساوی بمعنی مقابل وبالفظ دویدن کنناہ از پیشوا

رفتن“

خواجہ نظامی:

بفرسنگ ہا فرش دیا کشید

ز شادی دو منزل برابر دوید

(۱)۔ جس حیثیت سے وہ قسم ۸ میں مذکور ہوئیں۔

خوابہ آصفی:

من بآئینہ برابر نلکنم آن رورا حیف باشد کہ در اں دائرہ ینم اورا
افسوس کہ مولانا نظامی قدس سرہ السامی نے برابر کو بارہ بارہ چوبیس کوس تک پھیلا دیا، آپ خطیب
کی چھاتی پر چڑھائی دیتے ہیں۔

(۵۳۴) مقام میں جب برابر بمعنی مساوی ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے
آگے پیچھے نہیں، صف برابر کرو یعنی سب پہلو بہ پہلو ہو جائیں، کیا موذن خطیب سے یوں برابر کھڑا ہو؟۔
اسے نہ کہے گا مگر احمق، لاجرم بمعنی محاذی و مقابل ہے، یہ ہمارا عین مقصود ہے۔

(۵۳۵) سلامۃ اللہ میں بتا دیا تھا کہ علی المنبر کہنے والے دلیل یہ لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اذان علی المنبر ہی تھی، خود آپ تحریر سوم میں اسے نقل کر چکے ہیں، اور
قطعاً معلوم ہے کہ موذن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ منبر اطہر پر ہرگز نہ چڑھتا تھا، تو علی ہر
گز بمعنی استعلا نہیں، لہذا مجبوراً آپ نے تحریر دوم میں اسے بمعنی عند لیا، یہ مجاز ہے۔ اور سلامۃ اللہ میں
سن چکے ہو کہ علی بمعنی لزوم حقیقت ہے، اور شک نہیں کہ یہ اذان ملازم منبر ہے، آپ حقیقت چھوڑ کر مجاز کی
طرف بھاگتے ہیں، اور خود ہی اسی آثار المبتدعین ص ۱۶ میں نور الانوار سے نقل کر چکے ہیں کہ جب تک
حقیقت بنے مجاز ساقط ہے، اور یہ کہ یہ ہم حنفیہ کا ایک بڑا قاعدہ ہے جس پر بہت سے احکام متفرع ہیں،
اب اپنے داؤں کو نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے کام، نہ حنفیہ کے قاعدہ عظیمہ پر عمل، اور
دوسروں کو یہ کہو کہ

”نجد کو چلا جائے۔ یا نذیر حسین کی قبر کی مجاورت کرے“

سبحن اللہ، آپ تو اس قابل بھی نہ رہے، صرف قواعد حنفیہ ہی چھوڑتے تو نجد یا نذیر حسین کی قبر
میں آپ کو جگہ ملتی، آپ تو حنفیہ کے ساتھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و طریقہ رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی چھوڑے ہوئے ہیں۔ نجدی و نذیر حسین اگر نہ خود بھی ایسے ہی ہیں مگر وہ زبان سے تو
حدیث حدیث رٹے جاتے ہیں، آپ کی گزران میں بھی نہ ہوگی، لہذا کسی دار الحرب کو چلے جائیے یا
چکڑالوی کی گور پر جا رو بکشی فرمائیے، جو نہ حقیقت مانتا تھا نہ حدیث۔

(۵۳۶ تا ۵۳۷) فتوائے مبارکہ مطبوعہ محرم ۲۲ھ میں صاف تشبیہ فرمادی تھی کہ....

”متعلقات مسجد میں اذان کو یونہی تعبیر کرتے ہیں کہ مسجد میں اذان ہوئی، منارہ بیرون مسجد پر
اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ مسجد میں اذان ہوگئی، نماز کو چلو، یوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر

اذان ہوئی نماز کو اٹھو“

پھر اسے کلام امام محقق علی الاطلاق سے روشن فرمایا تھا کہ :

”في المسجد أي: في حدوده، لكرهه؛ الأذان في داخله“ (۱)

یہ دیکھ کر بھی ص ۱۶۱۵ اور ۱۶۱۷ میں وہی گائے، اور گیارہ روایات بے حاصل لائے۔ ارشاد امام کا یہ چارہ کیا کہ عبارت ہی یوں غلط ہے، ان پر جو کوہ کیلاس سے اتری۔ ”فصار كالأذان“ ہے، محاورہ عامہ پر ص ۵۳ میں یہ ریز کہ....

”ہندیوں کا عرف عام دلیل عربی پر“

مولوی صاحب کبھی حج کو جانا نصیب ہو تو دیکھ لینا کہ منارے بیرون مسجد ہیں، ان پر اذان ہوتی ہے اور سب اسے ”اذان فی المسجد“ ہی کہتے ہیں ”قوموا فقد أذن خارج المسجد“ کوئی نہیں کہتا۔

خیر آپ کو تو انکار بدیہیات کا مرض ہے، وہ جو ”اذان من اللہ“ میں روشن طور پر ثابت کر دیا تھا کہ شرع میں مسجد کے دو اطلاق ہیں، دونوں قرآن عظیم میں ہیں، مسجد کے دروازے، فصیل، دیوار، وغیرہا پر اذان مسجد، بمعنی اول سے خارج ہے اور اسی قدر اسے درکار ہے۔ اور مسجد بمعنی ثانی کے اندر ہے، اور اس میں اصلا حرج نہیں، خود زمانہ اقدس میں دروازہ پر ہوتی تھی، دیوار پر ہوئی، کنارہ سقف پر ہوئی، یہ سب کچھ دیکھ کر پھر ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱

ص ۳۸ پر بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ ص ۴۲ ایک طریقہ مومنین
”اذان خطبہ مسجد میں سلف و خلف سے برابر چلا آتا ہے“

یہ سب دعوے صریح کذب بھی ہیں اور شدید عناد بھی، ان کے روشن رد ’وقایہ و سلامۃ اللہ و حق نما
فیصلہ‘ میں بارہا کر دیے، مگر ہمیشہ سننا اور بہرا بننا سمجھ لیا ہے۔

(۵۵۶۳۵۵۳) ص ۴۶ / یہ مکارہ کہ:

”علی باب المسجد قول حضرت سائب بن یزید کا نہیں“

اور اسکی تین جاہلانہ وجہیں، سب کی خدمت گزاری وقایہ اہل السنہ و غیرہا میں کر دی تھی۔

(۵۶۱۳۵۵۷) ص ۴۷ / پر فقہ حنفی میں ”علی باب المسجد“ کی قید نہ لینے کو جو دسویں سے

چودھویں تک پانچ وجہیں کر لیا ہے، سلامۃ اللہ میں اسکے واضح رد تھے۔

(۵۶۲) ص ۴۹ / پر ”مارأه المسلمون حسنا“ (۱)

(۵۶۳) ص ۴۲ / پر ”لا تجتمع أمتی علی الضلالة“ (۲)

ان کے کیسے روشن جواب سلامۃ اللہ ص ۳۵ و ۳۳ میں تھے۔

(۵۶۴) ص ۴۸ / شیعی ہونا ابن اسحاق کا۔

(۵۶۵) قدری ہونا ابن اسحاق کا۔

ایک ایک بات کے کتنے کتنے رد وقایہ سے سلامۃ اللہ تک کر دیے، بقول مولوی صاحب اور ان
کے تمام موافقین عجب مخلوق ہیں جن کو سو سو بار کے تازیانہ تشبیہ کافی نہیں ہوتے، ایک بین یدیدہ ہی کو کہ
سو بار روشن کر دیا ہے، جواب ایک حرف کا نہیں دے سکتے مگر سارے کے سارے اب تک اسی کو پیٹے
جاتے ہیں۔

یہ ۱۶۴ / عناد ہیں، اور انصافاً..... آخر تک نہ فقط مولوی صاحب بلکہ ان کو سب موافقین سارے

کے سارے ضد و حسد کے چوکھے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس پر کہاں تک انعام بڑھائیں، خیر سوادس
روپے انعام سہی، فی عنادار

(۱) [مرقاۃ المفاتیح، کتاب الإیمان. باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/ ۲۲۴]

(۲) [مشکاۃ المصابیح کتاب الإیمان باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/ ۳۰]

قسم (۱۴) تناقض اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی

(انعام ۳۲/روپے)

اس کی آٹھ نظیریں روہدیانات میں گزریں، بعض باقی یہ ہیں:

(۵۶۶) مولوی صاحب نے آٹھ مہینے کتب خانہ چھانا، بین یدیدہ میں ۱۲۷/روایتیں لائے جن میں کیا کیا، خوب انصاف کیا، اب وہ حق کا ناحق خود سر پر چڑھ بولتا ہے، اہل حق کی آیات قرآن عظیم سے جواب کا وقت آتا ہے، یہاں جو جو حرکات مذہبی فرمائی ہیں ان کی تفصیل تو ”سیف القہار“ میں ہے مگر ٹیپ کا بند تو یہ ہے کہ ص ۴۴ پر بولے:

”ایک جگہ استعمال ایک لفظ کا ایک معنی میں ہو تو لازم ہے، سب جگہ اس لفظ کے وہی معنی لیے جائیں؟۔ یعنی لازم نہیں۔“

(۵۶۷) ص ۴۵ پر بولے:

”یہاں استعمال معنی میں مستلزم ہے کہ دوسری جگہ بھی وہی معنی مراد ہوں“

یہ عبارت ”آثار المبتدعین“ میں یونہی لکھی ہے، مولوی صاحب کی فصاحت و بلاغت تو آپ کی تحریروں سے آشکار۔ اور یہ بھی محتمل کہ شاید یہاں کاتب سے کچھ الفاظ رہ گئے ہوں، بہر حال مولوی صاحب قرآن عظیم کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آیات میں ”بین یدیدہ“ کے معنی اس قرب کے نہیں، کسی میں ہزار برس سے بھی بہت زیادہ، اور کسی میں لاکھوں برس لاکھوں منزل کے فاصلہ پر بین یدیدہ فرمایا ہے، اس سے یہ کب لازم ہے کہ دوسری جگہ یعنی مسئلہ اذان میں بھی وہی معنی مراد ہوں، ممکن کہ وہاں وہی قرب خاص مراد جو منبر و دروازہ کے، مثلاً دس گز فاصلہ پر باطل ہو جائے“

یہ تو ہر تھوڑے علم والا بھی دیکھ لے گا کہ مخالفین بین یدیدہ سے اس قرب خاص پر دلیل لاتے ہیں تو ان کو محتمل کیا کام دے گا، مگر اتنی تو ہمارے عوام بھائی بھی سمجھ سکیں گے کہ مولوی صاحب نے دونوں معنی بین یدیدہ کے مورد مانے: ایک وہ قرب تنگ۔ دوسرا اس درجہ عظیم و وسیع، اور یہ بھی مانا کہ یہاں ایک معنی مراد ہوں تو ضرور نہیں کہ دوسری جگہ بھی وہی مراد ہوں، اب وہ دس ورق کی ساری چنائی ﴿عَلَى شَفَا جُرْفٍ هَارٍ فَانْهَارَ﴾ [سورة التوبة: ۹، ۱۰] ہوگی یا نہیں؟۔ چالیس نہیں چالیس سو جگہ تنگ قرب میں بولا گیا سہی، مگر کیا ضرور کہ مسئلہ اذان میں بھی وہی معنی مراد ہوں، ممکن کہ وہاں دوسرے ہوں۔

الحمد لله قرآن عظیم خصوصاً عذاب شدید کی آیت نے مولوی صاحب کو مجبور کیا کہ بین

یدیدہ کے معنی میں بڑی وسعت عظیم مانیں، اور جو تنگیاں کی ہیں انہیں مردود و باطل جانیں، دیکھیے یہ وہی بات ہے کہ اہل حق کہتے تھے، اور آپ نہ مانتے تھے۔ الحمد للہ کہ حق کی سطوت عذاب شدید کی آیت نے آپ کو بلوایا، چھوڑا، قبولو، ہی چھوڑا، والحمد للہ

(۵۶۹ تا ۵۶۸) امام شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ غزی مصنف تنویر الابصار قدس سرہ نے تعریف اذان میں اور اکابر کی طرح ”اعلام بدخول الوقت“ نہ فرمایا۔ علامہ مدق محمد بن علی صاحب درمختار رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح شارحین متون کے نکات بیان کرتے ہیں اس میں یہ نکتہ بتایا کہ تعریف اذان، اذان ثانی جمعہ و اذان نماز قضا کو شامل ہو۔ اس پر جو مولوی صاحب نکھر نے بیٹھے ص ۳ سے ص ۵ تک اکیس روایتیں جوت لائے، جن میں شمسی و مجمع الانہر کی ایک ایک کو دو دو بنا کر ۲۳ بنا کر اور صاحب درمختار کو مخالف غرض شارح و مخالف عقل و نقل کا خطاب دیا، اور حقیقہ خود بے عقل۔ صاحب درمختار کی اس توجیہ کا منشا ہی یہ ہے کہ اور اکابر نے ”بدخول الوقت“ کہا، مصنف نے جو نہ کہا اس میں نکتہ یہ ہے، نہ یہ کہ ان کو خبر نہ تھی کہ اوروں نے ”بدخول الوقت“ کہا ہے کہ آپ انہیں روایتیں سنانے بیٹھیں۔ طرفہ یہ کہ ان میں وہ روایات بھی لائے کہ وقت سے پہلے اذان منع ہے، یعنی یہ مسئلہ بھی صاحب درمختار کو معلوم نہ تھا، اب مولوی صاحب انہیں سکھائیں گے۔

خیر یہ تو مولوی صاحب کی اکیس بے عقلیاں ہیں، یہاں گزارش طلب وہ ہے کہ اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔ علمائے اہل حق عبارت درمختار اس مطلب واضح کے واضح کرنے کو لائے تھے کہ باب الاذان کے احکام اذان ثانی جمعہ کو ہی شامل ہیں، دیکھو صاحب درمختار نے فرمایا: ”لیعم بین یدی الخطیب“ آپ صاحب درمختار پر نکھرتے نکھرتے ٹیپ کا بند پھر وہی بولے جس سے ساری محنت گاہ خورد و کوسی برد۔ ص ۶ پر فرمایا: ”محققین نے اس کو رد کیا، علامہ شامی فرماتے ہیں الخ“

قطع نظر اس سے کہ علامہ شامی کا یہ قول ”لقائل أن يقول“ سے شروع اور... پر ختم ہے جس میں اول کو آپ سمجھے نہیں اور آخر کو اڑا گئے، یہ تو دیکھیے کہ علامہ شامی نے یہاں فرمایا کیا، یہ کہ ”لوصرح لغيره بالوقت لم يرد ما ذكر“ یعنی اگر مصنف علام بھی اور اکابر کی طرح ”بدخول الوقت“ کی قید لگاتے، جب بھی اذان خطبہ و اذان فاستہ داخل ہی رہتیں، تو یہ مطلب اہل حق پر جبری ہوگئی اور آپ کی محنت عدم آباد ہوگئی، واللہ الحمد۔

(۵۹۰) طرفہ یہ کہ بین یدیدہ کے حقیقی معنی وہ لیے کہ جو چیز فضائے برد و دست کے وسط میں ہو

اور خود ہی تقسیم کی کہ:

”کھڑا ہو تو موضع قدم بین یدیدہ ہے، سجدہ میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ بین یدیدہ ہوا“

اور ص ۳۲ / پر وہ حقیقت و تقسیم سب توڑتا فرمایا جاتا ہے کہ:

”بین یدیدہ حقیقتاً قدم سے ڈیڑھ گز تک ہے، اس سے ظاہر ہو گئے معنی قول فقہاء کے ”یؤذن بین

یدیدہ الخطیب“ یعنی اذان دی جائے قدم خطیب سے ڈیڑھ گز تک“

کیوں جناب سیدھے بیٹھے کے قدم سے ڈیڑھ گز تک ہاتھ کہاں ہیں، اب وہ حقیقت بگڑ کر یہ نئی

حقیقت کدھر سے نکلی، وہ جو تقسیم میں ساجد کے حصے میں تھی قسمت توڑ کر جالس کو کیسے دی؟۔ کوئی حرف بھی

ٹھکانے کا ہے۔ اگر کہیے فقہانے نماز میں اسی کو حقیقت قرار دیا ہے کہ اس میں سجدہ ہے، اور سجدہ تین ذراع

تک ہے، تو جناب خطیب تو نماز میں نہیں، اگر کہیے پڑھے گا، تو یہ باعتبار مایؤل الیہ ہوا، اور وہ مجاز ہے،

حقیقت بہر حال اڑ گئی، بلکہ نمازی کے لیے بھی غیر وقت سجد میں باعتبار ماکان ہے یا باعتبار اول؟۔ اور

دونوں مجاز ہیں، کہیے آیا سمجھ شریف کے اندر کے بیچ میں یا نہیں؟۔

(۵۹۱) ص ۲۳ / پر منتہائے نظر مصلیٰ کی عبارت کو معنی حقیقی بین یدیدہ کی سولھویں سند گنا،

ص ۳۱ / پر فرمایا: ”موضع نظر کو مجازاً حکم بین یدیدہ کا دیا گیا“

(۵۹۲) نمبر ۳۸ / میں سن چکے کہ منتہائے نظر مصلیٰ تک بین یدیدہ ہونے پر کیسی کیسی رجسٹری

کی۔ س ۲۸ / پر جو دو قول راجح بتائے تھے باقی مرجوح دونوں کا حاصل یہی قرار دیا، اور واقعی ہے بھی

یہی۔ بایں ہمہ ص ۲۷ / پر بولے ”خارج بیت کسی نے قول نہ کیا“ ص ۲۱ / پر یہ کہ ”مجازاً بھی فقہانے خارج

کا کہیں اعتبار ہی نہ کیا“ جب تمام اکابر کا قول صحیح و معتدیہ ہے کہ منتہائے نظر مصلیٰ تک اس کا بین یدیدہ

ہے، تو خارج بیت یقیناً معتبر ہو واجب قبلہ رخ دروازہ کھلا اور یہ اس کے قریب نماز پڑھ رہا ہو یقیناً نظر باہر

پہنچے گی، تو یقیناً خارج بیت جہاں تک منتہائے نظر ہو بین یدیدہ ہوا،

(۵۹۳) نہ سہی آپ وہ ڈیڑھ گز والا ہی لیجیے، چوکھٹ کے پاس باہر کو منہ کر کے بیٹھے، اب اپنی

موضع قدم سے ناپ تو لیجیے ڈیڑھ گز باہر گرتا ہے، یا اندر؟۔ خارج بیت کو مطلقاً خارج کرنے نے ڈیڑھ گز کا

ڈیڑھ ہی گرہ رکھا کہ چوکھٹ کی عرض پر ختم ہو گیا۔

(۵۹۴) ص ۲۵ / پر عبارت امام محقق علی الاطلاق نقل کر کے اپنے تناقض پر رجسٹری کر دی، جب

مسجد کا بقعہ واحد ہونا بعید کو قرب نہیں کرتا، آپ کی چوکھٹ سے اندر باہر کا دو بقعہ ہونا قریب کو بعید کیسے

کردے گا۔ منتہائے نظر تک قریب رہے گا، باہر پڑے خواہ اندر۔

(۵۹۵) تحریر دوم میں کریمہ ﴿جَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا﴾ [سورۃ یس: ۹] سند لا کر بین

یدیہ کو اتصال حقیقی میں حصر کیا تھا، اب موضع سجود بلکہ منتہائے بصر تک پھیلا گئے۔

(۵۹۶) تحریر دوم میں بسین یدیہ کو مسجد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نصف طول تک مانا تھا کہ ”منبر شریف و دروازہ شریف کے درمیان میں اذان خطبہ ہوتی تھی“ اب ڈیڑھ گز تک سمیٹ لی، کیا مسجد اقدس صرف تین چار ہی گز تھی۔

(۵۹۷) تحریر دوم میں تھا: ”اس قدر طویل مسجد شریف اس وقت نہ تھی کہ دروازہ سو قدم پر منبر شریف سے ہوتا“، اب چوتھی تحریر میں ایمان لائے کہ ”جب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مسجد شریف بنائی سو در طویل“۔

(۵۹۸) جب مسجد شریف کا یہ طول تھا، اور اذان آپ نے منبر اطہر و دروازہ انور کے وسط میں مانی تو منبر سے تقریباً اڑتالیس ذراع کے فاصلہ پر ہوئی، یہاں ص ۵۸ پر منبر سے بیس گز فاصلہ بھی محال مانا بلکہ ان کی وہ برہان ہندی پوری ہو تو گز بھر فاصلہ بھی نہ ہو سکے، جس کا بیان مولوی صاحب کی ہندسہ دانی کھولنے میں آتا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ

(۵۹۹) تحریر دوم میں تھا ص ۹ ”عالمگیریہ میں علی المنبر اذان خطبہ کہا جانا فرمایا ہے جو ”علی“ بمعنی ”عند“ ہے، بلکہ ص ۳ پر تھا ”یہاں مراد عند المنبر ہے نہ کہ منبر کے اوپر“ اور اس چوتھی ص ۱۹ میں ہے ”فقہا و ائمہ نے قید علی المنبر کی لگائی یعنی منبر پر کھڑے ہو کر اذان دی“۔

(۶۰۰) ائمہ پر یہ افترا بھی یاد رہے، ائمہ نے کہاں حکم دیا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر اذان دی۔

(۶۰۱) یہ عناد بھی یاد رہے، سلامتہ اللہ و حق نما فیصلہ میں کتنا سمجھا دیا کہ حکایت حکم نہیں ہوتی۔

(۶۰۲) تحریر دوم میں تھا ص ۱۵ ”علی باب المسجد کی قید اتفاتی ہے احترازی نہیں“ چوتھی میں فرمایا:

ص ۴۷ ”قید علی باب المسجد مخترع ابن اسحاق کا ہے“ یعنی اب نیا الہام اترا کہ وہ سرے سے ہی نہیں، امام ابن اسحاق کی گڑھت ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

(۶۰۳) امام ابن اسحاق کو واضح حدیث اور حدیث صحیح سنن ابی داؤد شریف کو موضوع کہنے کا

مکابرہ بھی قابل لحاظ ہے۔

(۶۰۴) اذان فی المسجد پر گیارہ مہل و لیلیں لائے جن کا ذکر رد عناد میں گزرا، ان میں گیارہ ہویں

حدیث ابن ماجہ ص ۱۶ پر ہے۔ ”من ادرك الأذان في المسجد“ (۱)

ظاہر ہے کہ یہ ان گیارہ سے مستدل ہیں، اور ص ۴۰ پر اس کا اقرار بھی کر دیا کہ:
 ”اب اپنے استدلال کو جملاً بیان کرتے ہیں، اولاً آٹھ روایات تین حدیثیں“
 فتوے مبارکہ میں جو حدیث مذکور ابن ماجہ سے استدلال کا رد فرمایا، ص ۱۷ پر جھٹ بدل گئے
 کہ: ”آپ مستدل ہیں۔“

(۶۰۵) انہیں گیارہ کو ص ۱۵ پر یوں شروع کیا: ”اب ہم چند روایات لاتے ہیں جن سے
 صراحةً بعبارة النص اذان پنج وقتہ مسجد میں ثابت ہے“
 ص ۱۷ پر جب وہ رد قاہر سنا تو کیا فرماتے ہیں: ”دوسرے تیسرے احتمال کی نفی نہ ہوئی“ چلیے وہ
 صراحةً بعبارة النص تین تین احتمالوں کی محتمل ہو گئی۔

(۶۰۶) اور تین سطر بعد جو پلٹا کھائیں تو پھر وہی بانگ کہ: ”تین حدیثیں آٹھ روایات سے
 بعبارة النص ثابت ہے“ زبان ہے کہ منٹ منٹ میں گرگٹ کے سے رنگ بدلتی ہے۔
 (۶۰۷) تحریر دوم تک اقرار تھا کہ: ”مسجد میں اذان کہنے سے جو فقہائے کرام نے منع فرمایا، وہ
 اذان پنج گانہ و اذان اول جمعہ کے لیے ہے“

ہاں ص ۴۰ و ۱۵ پر ان کے جواز فی المسجد کی بھی دلیلیں تراشی جا رہی ہیں، یعنی اب سرکلر جدید
 آ گیا۔

(۶۰۸ تا ۶۱۱) ص ۶۰ و ۵۹ پر بولے: ”اس تحریر میں ہم نے رد ان اعتراضوں کا بھی کر دیا وہ
 چون ہیں“ اور ایک ہی صفحہ پہلے کہہ چکے تھے ”ہم نے فقط چھ سوالوں کا جواب دیا ہے“ اس کا زیادہ بیان
 مولوی صاحب کے افرابر خود میں آتا ہے۔

(۶۱۲ و ۶۱۳) یہاں اقرار ہے کہ چون اعتراضوں کا رد لکھا، نیز ص ۵۸ کے حاشیہ پر بولے:
 ”پہلے چھ سوالوں کا جواب دیا ہے اور ان کے جوابوں کا رد“ اور ص ۲ پر فرما چکے تھے ”اللہ اور اس کے حبیب
 پر روشن ہے کہ میرا ارادہ کسی کے رد کا نہیں“

﴿وَيُشْهِدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ (۱)

البتہ ان دو تناقضوں کا یہ جواب بہت صواب ہے کہ مولوی صاحب نے ارادہ کی قسم کھائی، اور

آثار المبتدعین ساری کی ساری افعال غیر ارادیہ سے ہے کہ ہدیان (۱) اپنے اختیار سے نہیں ہوتا۔ بتیس تناقضوں پر بتیس روپے انعام، فی تناقض ایک روپیہ۔ دیکھیے یہ ون روپی فنڈ آپ کے لیے کیسا لگا دیا ہے، احسان تو نہ مانے گا۔

قسم (۱۵) ہنقہ پر گئے سبقت لے جانا (انعام ۸ روپے)

(۶۱۴) بچہ بچہ جانتا ہے کہ بین یہ سے مخالفین دلیل لائے، اور اس سے مسجد کے اندر ہونے کا ثبوت چاہا۔ مولوی صاحب ضرورت سے زیادہ گھبرا کر یہ سمجھ بیٹھے کہ گویا اہل حق بین یدیدہ سے دلیل لاتے ہیں، اور اس سے بیرون مسجد ہونا ثابت کیا ہے، جا بجا آپ کا کلام، اسی وہم تراشیدہ کا غلام۔ ص ۴۴/ آئیہ کریمہ: ﴿یعلم ما بین ایدیہم﴾ [سورة البقرة: ۲۵۵] کے رد میں فرماتے ہیں:

”تیسری غلطی مولانا نے معین نہ کیا کہ یہ معنی بین یدیدہ کے حقیقی ہیں یا مجازی“

اہل حق نے قرآن عظیم سے استعمال ثابت کیا، اور آپ مان چکے کہ حقیقت اصل ہے، اثبات مجازیت ذمہ متدل تھانہ کہ الثامانہ سے مطالبہ۔

(۶۱۵) ”پانچویں غلطی: ایک جگہ استعمال ایک معنی میں ہو تو لازم ہے کہ سب جگہ وہی معنی لیے جائیں“

یہ وہی اینٹ ہے جس نے ساری چنائی، تحت اثری پہنچائی۔

(۶۱۶) ”دسویں غلطی: یہ ثابت نہ ہو اس سند سے کہ خاص خارج میں اذان ہو“

مولوی صاحب! کا ہے سے کھائی تھی؟۔

۲۔ اس قسم میں ۴۸ نمبر ہیں جن میں اکیس بے عقلیاں تھیں، اور تین افترا بر فقہاء، عناد و مکابرہ باقی ۲۴، اور دو دفعہ اپنی چنائی آپ ڈھائی کہ اس پر بھی انعام نکلا تھا کل بتیس۔ ۱۲

(۶۱۷) ”گیارہویں غلطی: اگر مؤذن اذان مسجد میں دے تو اس کی نفی کی مثبت یہ سند نہ ہوئی“

مولوی صاحب ہوش میں آ کر کہیے ہوش میں۔

(۶۱۸ تا ۶۲۱) ص ۴۵ پر آئیہ کریمہ: ﴿لہ ما بین ایدیہنا﴾ [سورة مریم: ۶۴] کے رد میں

۱۔ بلکہ یہ سبھی اعتراضوں کا جواب ہے کہ آدمی حالت ہدیان میں جو کچھ برائے اس پر کیا

فرمایا: ”وہ گیارہ غلطیاں یہاں بھی ہیں“۔

(۶۲۲) آیہ کریمہ: ﴿بَيْنَ يَدَيْهِ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ کے رد میں بولے:

”یہاں استعمال معنی میں مستزم ہے الخ“ وہی قہری پتھر سارے گھر کا گھر ونداگر۔

(۶۲۳) ص ۵۷ ”دوسری غلطی یہ سمجھ لینا کہ یہ معنی مستدعی ہیں خارج مسجد کو۔

(۶۲۴) تیسری غلطی عام معنی لے کر بلاوجہ تخصیص خارج کرنا“

سچ ہے انسان میں جو اس ہی چیز ہیں۔

(۶۲۵) ص ۱۷ ”آپ مستدل ہیں“۔

(۶۲۶) ”دوسرے تیسرے الخ۔ کی نفی نہ ہوئی“

وہی ان کی فاحشہ جہالتیں کہ تقاض میں ذکر کی گئیں۔

(۶۲۷ تا ۶۳۱) بین یدییہ کا بعض جگہ موارد قرب خاص میں مستعمل ہونا جس پر ایڑی چوٹی کا زور

لگا کر ۱۲۷ مہملات بے علاقہ روایات لائے تھے، ص ۲۶ پر ان کے نتیجہ میں پانچ بہنقیت دیتے ہیں،

فتوائے مبارکہ میں جو بین یدییہ کا قرب خاص میں منحصر نہ ہونا آیات قرآنیہ سے ثابت فرمایا تھا اس پر بولتے ہیں کہ:

”یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، استعمال فقہا کے، لغت کے، شرح

حدیث کے، تصریح فقہائے حنفیہ کے“

کلام کے اصل تیور تو یہ ہیں کہ مولوی صاحب قرآن عظیم کی تغلیط کر رہے ہیں، کیا اس نے جو معنی

ارشاد فرمائے معاذ اللہ غلط ہیں، اور ادنیٰ درجہ یہ کہ اس کی ارشادات کو حق مانا اور اپنے خصم کے لیے ناکافی

جانا کہ ان روایات سے دوسرے معنی ثابت ہیں تو بات محتمل ہوگئی، اور بین یدییہ سے بیرون مسجد ہونے پر

خصم کا استدلال باطل ہوا، یہ وہی بہنقیت ہے، مولوی صاحب کو یاد نہ رہا کہ مستدل وہ ہیں نہ کہ ان کے

خصم۔ جب معنی قرآن مجید اور یہ معنی دونوں ثابت ہیں بات محتمل ہوگئی، اور بین یدییہ سے داخل مسجد

ہونے پر آپ اور آپ کے سب موافقین کا استدلال باطل ہو گیا، واللہ الحمد۔

اور اس کے ساتھ ہی توارث کی رٹ کو سی برد کہ اس کا جوش اسی کے بل پر تھا، ولله الحمد

اٹھارہ بہنقیوں پر اٹھارہ روپے انعام۔ ہنقہ بے چارے کو تو یوں دھوکا ہوا کہ اس کے گلے کا ہار

دوسرے نے پہن لیا، آپ کو کیا دھوکا لگا کہ مستدل سے مانع بن بیٹھے۔ مانع کو مستدل سمجھ لیے۔ ہنقہ کو اس

تبدیل پر بھی تردد رہا کہ اپنے گلے کا ہار بھائی کے گلے میں دیکھ کر کہا ”یا اُحییٰ أنت أم أنت أنا“

بھائی تو تو ہے یا تو میں؟۔ مولوی صاحب جزم کر بیٹھے کہ میں میں نہیں، میں تو ہوں۔ زہے ملائی۔

قسم (۱۶) بد قسمتی کہ سند میں وہ لائیں جو ان کا ہی گھر ڈھائیں

(انعام اروپے)

(۶۳۲) مخالفین کا بڑا نعل مؤذنان حرمین شریفین سے استناد ہے، اس چوتھی میں بھی ص ۱۸ و ۲۱

پر اس سے استناد ہے، اور دوسری میں تو وہ زور شور تھے کہ مؤذن لوگ نبی یا فرشتہ معصوم بنا لیے، دیکھو ”نفی العار“۔ اس چوتھی میں بد قسمتی، جو رد پر آئے ص ۱۴ پر ہدایہ کا وہ قاہر قول نقل فرما گئے جو ”حق نما فیصلہ“ نے سنایا تھا کہ دیکھو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ کے اہل حرمین تابعین و تبع تابعین کا توارث نہ مانا اور فرمایا حدیث و دلیل ان پر بھی حجت ہے، اور ان کے توارث سے سند لانے والوں پر بھی۔

(۶۳۳ تا ۶۳۷) شروع آثار المبتدعین سے ص ۱۰ تک یہ جوشش عقل ہے کہ اذان خطبہ سرے

سے اذان ہی نہیں، یہ اول تو مکابرہ ہے، خلاف اجماع ہے، خود بھی اسے اول سے آخر تک اذان ہی کہا ہے، اور ہر مسلمان اسے اذان ہی کہتا، اذان ہی جانتا ہے، پھر جا بجا خود اسے اذان ثانی کہا، جب وہ اذان ہی نہیں اول کی ثانی کیسے ہوئی۔ یہ تناقض ہے جیسے کہا جائے کہ مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری اور اشرف علی تھانوی کہ رام پوری نہیں ان دونوں رامپوریوں میں کس کا گھر کوسی سے قریب ہے۔ پھر اس کی سند میں جو عبارات لائے ان میں ص ۱۷ پر ”زاد التقویٰ“ سے ہے۔ ”اذان ثانی وقتیکہ برائے خطبہ الخ“ بجا ہے، یعنی وہ اذان کہ اذان نہیں، اس وقت دیں۔ نیز ترغیب الصلوات سے ہے: ”در عہد امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منار ہاشد و بانگ مکرر شد“ مولوی صاحب یہ کیا نقل کی جب وہ اذان ہی نہیں مکرر کیا شد۔

(۶۳۸) اس عظیم جلیل اذان کو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی اذان سے

خارج کرنے کا یہ حیلہ گڑھا کہ وہ اعلام حاضرین کے لیے ہے، اس کے لیے عبارات علما پر کتنے افترا کیے کہ قسم ۱۰ میں مذکور ہوئے۔ شک نہیں کہ اذان خطبہ شرعاً اذان ہے، کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جو اذان خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی اور زمانہ اقدس میں صرف وہی تھی اور قرآن عظیم میں اسی کا ذکر ہے، وہ اذان شرعی نہ ہو۔ اب مولوی صاحب کی قسمت دیکھیے ص ۱۵ پر مان گئے کہ ”اذان شرع میں نام اعلام غائبین کا ہے،“ اور اس پر مستخلص کی عبارت بھی نقل کر لائے، تو بے شک اذان خطبہ اعلام غائبین ہے۔ خود ہی اپنی ساری چنائی ڈھائی جو سترہ ۱۷ روایتوں پر افترا کر کے بنائی کہ اذان خطبہ اعلام حاضرین ہے۔

(۶۳۹) ائمہ دین نے جو اذان کو مسجد میں مکروہ بتایا ص ۱۰/۱ سے ۱۳/۱ تک اس کے یہ معنی گڑھے ”اذان ایسی جگہ ہونا جہاں سے ہمسایوں کو آواز زیادہ پہنچے، پھر زور دیا کہ یہ امر صرف مستحب ہے، اسی بنا پر ص ۴۰/۱ میں وہ کہا جو قسم ۱۰/۱ میں گزرا کہ:

”روایات مولانا سے اولویت اذان کی ایسے محل میں کہ اسمع للجیر ان ہو“

غرض ائمہ کے حکم کراہت کو صرف ترک مستحب کی طرف پھیرا اور ساتھ ہی جو بد قسمتی زور کرے

ص ۱۱/۱ پر بحر الرائق کی عبارت نقل کر لائے (لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراہة) (۱) اور ترجمہ بھی فرمادیا ”نہیں لازم آتا ترک مستحب سے ثبوت کراہت“ ائمہ کے مکروہ بتانے کو ترک مستحب کی طرف پھیرنے کا خود ہی رد کر دیا، اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۶۴۰) ص ۱۰/۱ پر ابطال حق کو اپنا زور اجتہاد لے کر چلے کہ:

”درایۃ کوئی وجہ کراہت و ممانعت کی قائم نہیں“

اور بد قسمتی ص ۱۱/۱ پر بحر الرائق سے نقل کر لائے کہ: (الکراہة لا بد لها من دلیل خاص) (۲)

خود ہی ترجمہ کیا ”واسطے ثبوت کراہت کے ضرور ہے دلیل خاص“ جب ائمہ حکم کراہت فرما رہے

ہیں اور ثبوت کراہت بے دلیل خاص ناممکن تو قطعاً معلوم ہوا کہ شرعاً دلیل کراہت قائم ہے گو آپ کی ناقص عقل میں نہ آئے۔

(۶۴۱) ص ۳۴/۱ پر مراقی الفلاح کی عبارت لائے ”والأذان بین یدیه جری بہ التوارث

کالاقامة“ (۳)

اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ مطلب گڑھنا چاہا کہ جس طرح تکبیر مسجد میں ہے یونہی یہ اذان۔

ہر شخص کہ مراقی الفلاح دیکھے گا بدابہت سمجھ لے گا کہ یہ تشبیہ سنت ہونے میں ہے، یعنی اذان خطبہ سنت ہے

جیسے اقامت۔ اس کا بیان وافی انشا اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کی قسم جہالت میں آئے گا۔ مگر بد قسمتی کا بھلا

ہو ساتھ ہی صاحب مراقی الفلاح رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح کبیر امداد الفتاح کی عبارت بھی ص ۳۵/۱ پر نقل

کر دی کہ ”والأذان بین یدیه کالاقامة سنة“ یعنی اس کے سامنے اذان بھی اقامت کی طرح سنت

(۱) [البحر الرائق شرح کنز الدقائق: الجهر بالتکبیر فی العید، ۲/۱۷۶]

(۲) [البحر الرائق شرح کنز الدقائق: الجهر بالتکبیر فی العید، ۲/۱۷۶]

(۳) [مراقی الفلاح شرح نور الايضاح: باب صلاة الجمعة: ۱/۱۹۶]

ہے جس نے کھول دیا کہ تشبیہ سنت ہونے میں ہے۔

(۶۴۲) فیصلہ حق نما وغیرہ میں علمائے اہل حق مجمع البحار کی عبارت سے سند لائے تھے کہ ”فعلت بین یدیك اُمی بحضرت تک“ یعنی بین یدی کا اتنا مفاد ہے کہ حاضر ہو غائب نہ ہو۔ خوبی قسمت سے مولوی صاحب بھی ص ۲۰ پر اسے نقل کر لائے اور الٹی سمجھے کہ وہ اس تنگ قرب کی دلیل ہے جسے ڈیڑھ گز سے آگے تین ہاتھ پیراتا ہے۔

(۶۴۳ و ۶۴۴) اپنے اس چاک کار فو صراح وغیرہ کی عبارت سے چاہا تھا کہ ”حضرت نزدیک“ اور اسی لفظ قرب پر جا بجا عقل سے بعد لیا ہے، یہیں جو عینی و حلی کی عبارات اور ص ۲۳ پر جامع الرموز کی عبارت میں قرب کا لفظ لے آئے تھے ص ۴۶ میں ان پر پھولے اور معنی ارشاد فرمودہ قرآن عظیم کو ”مخالف تصریح فقہائے حنفیہ“ کا لقب دیا، یہ اول عناد تھا۔ ”حق نما فیصلہ و سلامۃ اللہ“ میں کیسا کھول کر دکھایا تھا کہ قرب امراضانی ہے، اللہ عزوجل نے قیامت بلکہ حساب کتاب کو قریب فرمایا ہے، پھر بد قسمتی جو رنگ لائی ص ۴۵ پر صحیحین کی حدیث ”بعثت انا والساعة کھاتین ویقرن بین اصبعیه السبابة والوسطی“ (۱) لے آئے جسے اپنے تصور نظر سے صرف مسلم کی طرف نسبت کیا جس میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا، میری بعثت اور قیامت ایسی نزدیک نزدیک ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔ یہ انگلیاں خود ہی نزدیک تھیں، انھیں بھی باہم ملا کر ارشاد فرمایا، اب نزدیک و قرب کا حال کھل گیا، جب بعثت شریف و قیامت اس درجہ قریب ہیں حالاں کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزر نے آئے اور ہنوز وقت باقی ہے، تو منبر و کنارہ مسجد کا فاصلہ کیا ایسا ہے کہ نزدیک و قرب و بین یدی نہ رہے۔ ساری چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۶۴۵) بین یدیہ پر کیا کیا جوش خروش تھا، کن کن عنادوں فسادوں سے اس کے معنی وہ تراشے جو اسے دروازہ مسجد تک ہرگز نہ جانے دیں، بلکہ ڈیڑھ گز سے آگے نہ بڑھنے دیں، پھر خوبی قسمت جو زور لگائے ص ۲۱ پر بولے ”صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کلام و استعمال ہمارے واسطے سند ہے، عالم کے فصحا سے ان کو ہم افضل جانتے ہیں“ کیوں حضرت کیا سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی ابن صحابی عربی النسل عربی الوطن آپ کے نزدیک صحابی اور فصحا سے افضل نہیں جو اذان خطبہ کو ”بین یدیہ علی باب المسجد“ فرما رہے ہیں۔

(۶۴۶) طرفہ تریہ کہ اسی حدیث سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صفحہ ۴۵/۱ میں بہت اچھل کود تھی کہ ”معنی بین یدیدہ کے اس حدیث سے ہرگز واضح نہیں“ اور وہیں وہیں اسی منہ میں بد قسمتی نے جو زور کرے فرما گئے: ”قاعدہ ہے کہ جب لفظ حدیث کے معنی خود شارع علیہ السلام یا صحابہ کرام بیان فرمادیں اول مرتبہ وضاحت کا یہ ہے“ کہیے جب سائب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بین یدیدہ کے معنی خود بیان فرما رہے ہیں کہ ”علی باب المسجد“ تو اول مرتبہ اعلیٰ درجہ کی وضاحت ہوئی یا نہیں۔ شاید مولوی صاحب نے آثار المبتدعین حالت سرسام میں لکھی۔ ان گیارہ بد قسمتیوں پر گیارہ روپے انعام۔

(قسم ۱۷) بے تمیزی

(انعام ۸ روپے)

(۶۴۷) فہرست میں گناتے ہیں ”فتاویٰ مغرب“ مولوی صاحب کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ مغرب ہو یا معرب دونوں لغت کی کتابیں ہیں، ان کو فتاویٰ کہنا شاید آپ نے راپور کے فتاویٰ غیاث اللغات یا فتاویٰ خالق باری میں دیکھا ہوگا۔ بتائیے تو فتاویٰ مغرب کون سا فتاویٰ ہے۔

(۶۴۸) فہرست میں کتب فقہ کے نیچے گناتے ہیں ”عینی شرح بخاری“ بہت ٹھیک اور فتاویٰ عالمگیری کو شروع حدیث میں کیوں نہ گنا۔

(۶۴۹) ص ۳۰ ”امام محمد عطف تفسیری بین یدیدہ کا ساتھ موضع سجود کے کرتے ہیں: إن محمداً رحمه الله تعالى جعل جلوس الإمام في المحراب وهو مستقبل له بمنزلة بين يديه وموضع سجوده“ (حمیدیہ حاشیہ ہدایہ) (۱)

جناب یہ امام محمد سے حکایت حکم ہے یا روایت لفظ؟۔ عبارت حمید یہ کی ہے یا امام کی۔ عطف تفسیری حمید یہ نے کیا، یا امام نے؟۔ زہے ملائی۔

(۶۵۰) اسی کے بھروسے ص ۴۶ پر بولے ”امام محمد نے بین یدیدہ کے معنی بیان فرمائے“ تمیز

شرح صدر۔

(۶۵۱) شاید جس طرح لغت کی کتاب کو فتاویٰ سمجھ لیا، حمید یہ کتاب فقہ کو لغت سمجھ بیٹھے، ورنہ ایسی تفسیرات علما تفسیر مراد محل ہوتی ہیں نہ کہ تفسیر لفظ متداول، تو حاصل اتنا کہ یہاں یعنی مسئلہ مرور میں بین

ید یہ موضع سجود ہے، نہ یہ کہ لفظ بین یدیدہ کے معنی خود موضع سجود ہیں، یا وہ کہ موضع سجود سے متجاوز نہ ہو۔ زہے تمیز۔

(۶۵۲) ص ۳۰ ”فقہانے تصریح کی کہ مرور جو ممنوع ہے وہ مرور بین ید یہ موضع سجود میں ہے

”والممنوع هو المرور بین یدیدہ موضع سجود ہ“ حاشیہ مولانا الہداد برہدائیہ
جناب بین یدیدہ عام تھا، موضع سجود سے اس کی تخصیص کی۔ یوں کہیے فقہانے تصریح کی کہ جس
بین یدیدہ میں مرور ممنوع ہے وہ بین یدیدہ موضع سجود ہے۔ آپ سمجھ بیٹھے کہ بین یدیدہ موضع سجود میں منحصر
ہے، آپ کو کہا جائے: مولوی ہندی رام پوری، اس سے کوئی احمق ہی سمجھے گا کہ ہندوستان رامپور میں محصور
ہے، آپ کو تخصیص و تفسیر میں تو تمیز نہیں، تفسیر مراد و تعریف لفظی میں کیا ہوتی۔

(۶۵۳) ص ۳۱ ”فی المحيط مقدار ما یکرہ المرور بین یدی المصلی موضع

سجود ولا یکرہ ماورائہ (۱)

دیکھو صاحب محیط فرماتے ہیں: مقدار اس موضع کی جس میں مرور مکروہ ہے، وہ بین یدیدہ موضع
سجود ہے“

بین یدی المصلی مرور سے متعلق تھا، اور مقدار کی خبر ”موضع سجودہ“۔ آپ نے ”بین یدی
المصلی“ کو خبر بنا دیا اور ”موضع سجودہ“ کو اس کی تفسیر۔ متدل صاحب عبارت کی ترکیب سیکھیے۔
(۶۵۴) آگے فرماتے ہیں:

”اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ موضع سجود اور بین یدیدہ ایک چیز ہے“
جی بالکل ایک، جیسے رامپور اور ہندوستان۔

(۶۵۵) ”دوسری بات یہ کہ مقدار بین یدیدہ اور موضع سجود کی ایک ہی“

بہت خاصے دونوں کو ایک مان کر اب دوسرا دقیق استنباط فرمایا جاتا ہے کہ اس شی واحد کی مقدار
بھی واحد ہے، کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ ہے تو ایک چیز مگر مقداریں دو ہیں۔ الحق
ع: آدمی آدمی حواس سے ہے

(۶۵۶) اور اس پر استدلال کتنا نفیس ہے ”اس لیے کہ حکم کراہت مرور کا بیان کیا ہے، اس کے

واسطے محل چاہیے، محل ممنوع بین یدیدہ اور موضع سجود سے اسی کی مقدار کا بیان ہے“

اس ہدیان کا مزہ تو ہم اہل علم کے مذاق پر چھوڑتے ہیں، کیا نفیس دلیل ہے کہ افلاطون کے منکے سے ابھی برآمد ہوئی ہے، مگر یہ تو فرمائیے کہ بین یدیہ اور موضع سجود تو وہ شی واحد ٹھری جس کی مقدار کا بیان منظور ہے، اور وہ بیان کدھر گیا، کیا منکے سے نکل کر پھر منکے میں گھس گیا، یا یوں کہیے کہ بین یدی المصلیٰ مع اپنی تفسیر ”موضع سجودہ“ کے تو مقدار کا مضاف الیہ ہوا کہ اس کی مقدار کا بیان ہے، یعنی یہ تفسیر و مفسر مل کر ”ما یکرہ السرور“ کی تفسیر ہوئی، یہ تفسیر و مفسر مل کر ”مقدار“ کے مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، خبر کدھر گئی؟۔ زبے ملائی

(۶۵۷) آگے بولے ”مراقی الفلاح وغیرہ میں قدم مصلیٰ سے موضع سجود تک کی مقدار تین

ذراع معین کرتے ہیں جہاں سترہ کا بیان ہے“

آپ کو موضع سترہ اور موضع سجود میں بھی تمیز نہیں، لکڑی نصب کر کے خاص اس جگہ جہاں لکڑی ہے، پیشانی رکھ کر تو دکھائیے۔ خیر اس جہالت کو تو ہدایات والا میں ذکر کر دیا، مگر آپ کو کتاب اور اس کے حاشیہ میں تمیز نہیں، یہ عبارت مراقی الفلاح کی ہے۔ یا اس کے حاشیہ علامہ طحاوی کی۔ ہاں شاید یہ اس وزن پر ہو کہ عبارت امام ابن الہمام سند اہل حق کو عبارت غتیہ ٹھہرایا کہ وقعت گھٹا کر مردود نامعتبر ٹھہرا دیں، یہاں اپنی مہمل سند میں کلام محشی کو عبارت اصل بنا لیا کہ کسی طرح قدرے وقعت بڑھالیں۔

(۶۵۸) اور سنیے تو! یہ ”وغیرہ“ تو بتائیے کون ہے جس نے ”والظاہر اعتبار

هذا المقدار من قدمہ“ کہا۔ یا یہ بھی وقعت بڑھانے کو جھوٹ کہہ دیا۔

(۶۵۹) علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کہ تیرہویں صدی کے فضلا سے ہیں، ان کا ”الظاہر“ فرمانا

ہی بتا رہا ہے کہ یہ تین ذراع قدیم سے لینا انہوں نے کسی عالم سے مصرح نہ پایا، نہ خود انہیں اس پر وثوق، جب تو فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رسالہ ذبیحہ میں فرماتے ہیں: ظاہر کہنے والا خود اس بات کا قائل نہیں ہوتا بلکہ اس میں اسے شک ہے، حیث قال ”دریں عبارت لفظ ظاہر دلالت بوقوع شک می کند و لا قول للشاک“ لہذا اس پر آپ کا فرمانا کہ:

”اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ بین یدیہ تین ہاتھ ہے“ عجب بے تحقیق ہے۔

(۶۶۰) نہ ایک مراقی الفلاح کہ عامہ کتب میں یہ تصریح فرما کر کہ نمازی سترہ بین یدیہ نصب

کرے، پھر یہ حکم جدا لکھتے ہیں کہ سترہ سے نزدیک ہو۔ اس نزدیکی کی مقدار حلیہ وغیرہا میں تین ذراع بتائی، اگر خود بین یدیہ یہیں تک محدود ہوتا جیسا آپ کا زعم باطل ہے، تو یہ دوسرا حکم لغو، بلکہ معاذ اللہ جہل ہوتا کہ سترہ کا محل بین یدیہ ہے اور بین یدیہ صرف تین ذراع ہے، سترہ بھی تین ہی ذراع تک تھا، اس

میں نزدیکی ہو کر بھی اتنی کا اتنا ہی رہا۔ علما آپ کی جہل سے بری ہیں، یقیناً بین ید یہ زیادہ کو شامل ہے، جب تو اس میں نزدیکی ہو کر اتنا فاصلہ رہا۔ اپنے رد کو اپنی سند سمجھنا کیسی تمیز ہے۔

(۶۶۱) ص ۲۸ پر فتح القدر کی عبارت نقل کی ”ماصحح فی النہایة مختار فخر الاسلام

ورجحه فی النہایة“ (۱)

اور آگے ”انتہی“ لکھ دیا۔ یعنی فتح کی عبارت ختم ہوئی۔ باتمیز صاحب! اب عبارت کا مطلب تو کہیے وہ کہ: نہایہ میں جس کی تصحیح کی، نہایہ میں اسے ترجیح دی۔ ایسا حمل اولی آپ کے یہاں مفید ہوتا ہوگا، جیسے وہ جو نجو خان کے گھیر میں ہے، وہ کیا ہے نجو خان کے گھیر میں ہے۔ ائمہ کو اپنی تمیز داری سے معاف رکھیے۔ فتح کی عبارت یوں ہے:

”ورجحه فی النہایة بأن المصلی إذا صلی علی الدکان أيضاً الخ“ (۲)

تو یہاں سے یہ بیان تھا کہ نہایہ نے اسے اس دلیل سے ترجیح دی، آپ نے ”بأن المصلی“ سے آخر تک ساری عبارت کاٹ کر ”انتہی“ لکھ کر اپنی تمیز کی انتہا کر دی، آپ کو یہ تو خبر ہی نہیں کہ فقرہ کہاں تمام ہوا، اور خالی نقالی کو بیٹھ گئے۔

(۶۶۲) ص ۲۰ پر فضول مہمل ”بین“ کے معنی کی بین بجائی۔ اس میں فرماتے ہیں:

”صاحب تاج العروس سند لائے کلام ہذلی سے“

تاج العروس کی عبارت یہ ہے: بین کے معنی راغب سے وہ نقل کیے جو مولوی صاحب یہاں اٹھا لائے پھر فرمایا: ”قال الجوهري وهو ظرف وإن جعلته اسماً أعربتہ تقول: لقد تقطع

بینکم برفع النون كما قال الهذلي فلاقيته الخ“ (۳)

کیوں مولوی صاحب یہ بین پر سند ہے یا اس پر کہ بین کو اسم کریں تو اعراب قبول کرتا ہے، آپ کو ایک حرف سے تومس ہوتا نہیں اور فضول ع: روئے کا غدسیاہ کرتے ہیں

اور سنیے! سمجھ یہ تھی تو اس اعراب کی سند میں تو اول انھوں نے آئیے کریمہ ﴿لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ﴾ پیش کی تھی، جس میں ایک قرأت متواترہ رفع نون ہے، آیت چھوڑ کر شعر پکڑنا طرفہ تمیز ہے۔۔

(۱) [فتح القدير لابن الهمام: باب ما يفسد الصلاة وما يكره، ۴۰۶/۱]

(۲) [فتح القدير لابن الهمام: باب ما يفسد الصلاة وما يكره، ۴۰۶/۱]

(۳) [تاج العروس: ۲۹۶/۳۴]

﴿أَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ (۱)

(۶۶۳) ص ۱۲ پر ”ینبغی“ بمعنی استجاب کی عبارت نقل کرنے کا جو جوش چرایا ”مجمع الانهر“

کی عبارت اٹھالائے کہ ”الوضوء للأذان مندوب فح ینبغی أن لا یكون ترکہ مکروہا“
مولوی صاحب آپ کو حکم و بحث میں تمیز نہیں، ”ینبغی“ جب فعل پر داخل ہو حکم ہے، اور حکم پر داخل ہو تو بحث۔ مکروہ نہ ہونا حکم ہے نہ کہ فعل۔

در مختار بحث نیت میں ہے: ”فی الأشباه ینبغی أن تكون عند غسل الیدین“ (۲)
ردالمحتار میں فرمایا: ”ینبغی أن تكون أي: النية - والذي رأیته فی الأشباه یكون بالیاء التحتیة، أي: یكون وقتها، فعلى الاول ینبغی بمعنی یطلب. وعلى الثاني هی ما یستعملها العلماء فی مقام البحث فی ما لا نقل فیہ وهو المتبادر من الأشباه“ (۳)
آپ کو تو کیا نفع کی امید، مگر آپ کے رد میں جو علوم ظاہر کیے جا رہے ہیں انشاء اللہ العزیز طالبان صادق ان سے فائدہ پائیں گے۔

(۶۶۴) بہت اچھا ”ینبغی“ بمعنی ”یستحب“ ہے، اور مستحب وہ جس کے فعل پر ثواب ہے، اور ترک پر کچھ نہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ یہ جواز ان بے وضو دینے کا مکروہ نہ ہونا ہے، اس مکروہ نہ ہونے کو جس نے کیا ثواب پائے گا، ورنہ کچھ نہیں۔ اس ہدیان کے کیا معنی ہوئے، شاید یہ سمجھے ہوں کہ مکروہ نہ ہونے کو کیا یعنی اس غیر مکروہ کو کیا، یعنی بے وضو اذان دی تو ثواب پائے گا، اور با وضو دی تو کچھ نہیں۔

(۶۶۵) ابھی مولوی صاحب کی تمیز کو بس نہیں کہ وہ تو غیر متناہی لا تقفی ہے، کبیری نے اجناس

سے نقل کیا، ”بنی مسجداً فی أرض غصب لا بأس بالصلاة فیہ“ (۴)

اور واقعات سے ”بنی مسجداً علی سور المدینة لا ینبغی أن یصلی فیہ

لأنه حق العامة“ (۶)

(۱) [سورة البقرة: ۶۱]۔

(۲) [الدر المختار: سنن الوضوء، ۱/۱۰۷]

(۳) [رد المحتار علی الدر المختار: سنن الوضوء، ۱/۱۰۸]

(۴) [رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الصلاة، ۱/۳۸۱]

(۶) [رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الصلاة، ۱/۳۸۱]

اور ان میں تطبیق دی کہ لا باس خلاف اولیٰ بتاتا ہے، اور اسی پر ”لا ینبغی“ کا حمل بھی ممکن۔ پھر اس پر دوسری عبارت واقعات سے استدراک کیا کہ ”لکن قول صاحب الواقعات لو فعله باذن الإمام ینبغی أن یجوز هذا لأن مراده بلا ینبغی عدم الجواز“ کبیری نے تو مفہوم مخالف سے استدلال کیا کہ جواز بشرط اذن امام کہا تو بے اذن عدم جواز ہوا۔ مگر آپ اس کا یہ مطلب فرماتے ہیں: ص ۱۳ ”کبیری میں واقعات کی عبارت نقل فرما کر افادہ فرماتے ہیں کہ ”ینبغی“ بمعنی ”يجوز“ ہے، تو لا ینبغی لا یجوز ہوا۔“

مولوی صاحب ”یہ ینبغی بمعنی یجوز ہے“ کبیری یا واقعات کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ ہاں ہاں واقعات میں تھا جو ”ینبغی أن یجوز“ دونوں لفظ ایک جملہ میں آگئے بس ایک دوسرے کی تفسیر ہو گیا، مولوی صاحب کچھ دنوں پڑھ لیا ہوتا۔

(۶۶۶) وہی حکم و بحث کی بے تمیزی۔ کلام واقعات میں ”ینبغی أن یجوز“ بحث ہے نہ حکم۔
(۶۶۷) ص ۴۷ و ۴۸ / پر حدیث امام ابن اسحاق سے استدلال فاسد ہونے کی وجہ میں فرماتے ہیں: ”پندرہویں وجہ شذوذ بر تقدیر صحیح و حسن ہونے اس روایت کے“ عقل کی پڑیا جب حدیث صحیح و حسن مان لی پھر اس میں وہ شذوذ کہ مفسد استدلال ہو کہ دھر سے آیا، جیسے کہا جائے: مولوی صاحب بر تقدیر انسان ہونے کے جماد ہیں۔

(۶۶۸) خیر سے اس پر شرح نخبہ کی عبارت بھی پڑھ دی کہ: ”زیادة راویہما أي: الحسن والصحيح مقبولة مالم تقع منافية لرواية من هو أوثق“ (۱)
انہوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ حسن و صحیح کا راوی یعنی جیسا راوی ان میں شرط ہے کہ عدل ثقہ ضابطہ ہو وہ اگر اپنے سے ثقہ تر کے خلاف روایت کرے تو مقبول نہیں۔ آپ سمجھ لیے کہ خود حدیث حسن صحیح کو ایسا فرما رہے ہیں، مولوی صاحب کچھ دنوں مدرسہ منظر اسلام میں سبق لے لیا ہوتا۔

(۶۶۹) لفظ بین یدیدہ کے معنی کی بحث تھی، مخالفین اسے قرب خاص پر لیتے تھے جس سے اذان مسجد کے اندر منبر کے برابر آجائے، فتوایے مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ وہ تمہاری تنگی میں محصور نہیں، اس کے معنی میں بہت وسعت ہے، دیکھو فلاں فلاں آیات کریمہ نے کتنے کتنے وسیع فاصلوں پر اطلاق فرمایا کہ ﴿یعلم ما بین أیدیہم وما خلفہم﴾ [سورة البقرة؛ ۲۵۵] اللہ عزوجل جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ علم الہی قریب پر محصور نہیں۔ آپ کی تمیز داری اسے قیاس سمجھی اور ص ۴۴ پر بولی: ”آٹھویں غلطی قیاس کرنا اذان مؤذن کو اوپر علم الہی کے۔ معنی یہ ہوئے کہ جیسے علم الہی شامل ہے سب اشیا کو، ایسے اذان دینا شامل ہے۔ جمیع ممکنہ کو جہاں اذان دے گا بین یدیدہ ہوگی“۔

(۶۷۰) کریمہ: ﴿مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (۱) پر بولے ”وہ غلطیاں یہاں بھی ہیں۔

(۶۷۱) کریمہ: ﴿يُرْسِلِ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ (۲) پر بڑے ناز سے بولے:

”بڑی بھاری غلطی سو غلطیوں کے برابر ایک غلطی۔ اللہ جل شانہ کی رحمت کے ہاتھوں پر خطبہ پڑھنے والے کے ہاتھوں کو قیاس کرنا ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ آیا ہے، ایسے ہی یدی خطیب کو شامل جمیع ممکنہ کو لینا۔“

(۶۷۲) کریمہ: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ (۳) پر بولے: ”کیا

بین یدی عذاب اور بین یدی الخطیب ایک چیز ہیں“

یہاں قیاس سے بھی نزر کر اتحاد تک پہنچنے، ہر ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ بیان معنی لفظ کے لیے شاہد پیش کرنے کو ان ہدیانات سے کیا علاقہ۔

(۶۷۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سوالات نافع بن الازرق کے جوابوں میں معانی

الفاظ کریمہ آیات کے شاہد جو اشعار فصحاء عرب سے پیش کیے، اگر ان کی تفصیل کر کے مولوی صاحب کو بتایا جائے کہ آپ کی ہدیانی سمجھ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کس کس چیز کو کیسی کیسی پر قیاس کیا، تو مولوی صاحب پر بکثرت ضربات بڑھ جائیں گی مگر ہمیں حکم ہے کہ: (إِذَا قَتَلْتُمْ فَاحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَاحْسِنُوا الذَّبْحَةَ) (۴)

لہذا صرف ایک دکھائیں اور ان کی قسم گستاخی میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کے اس ادعا سے قیاس و تمثیل کے مزے لیں۔

(۱) [سورة البقرة: ۲۵۵]

(۲) [سورة النحل: ۶۳]

(۳) [سورة سبا: ۴۶]

(۴) [الدراية في تخريج أحاديث الهداية: كتاب الذبائح، ۲/۲۰۷]

نافع نے کریمہ: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (۱) کو پوچھا اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، فرمایا وسیلہ حاجت کو کہتے ہیں۔ کہا کیا عرب اسے پہچانتے ہیں، یعنی یہ لفظ اس معنی پر بولتے ہیں، فرمایا: ہاں تو نے عنترہ کا شعر نہ سنا:

إن الرجال لهم إليك وسيلة أن يأخذوك تكحلي وتخضبي (۲)

یعنی اے فلانی مردوں کو تیرے لینے کی حاجت ہے تو سرمہ لگا ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا۔

کیوں مولوی صاحب! آیت میں وسیلہ اللہ عزوجل کی طرف تھا، اور شعر میں اس عورت کی طرف جسے مرد لینا چاہتے ہیں، اپنا قیاس یہاں لے کر دوڑیے تو، آپ کا ہدیان کیا مطلب بناتا ہے، خدا حیا دے پھر بھی میں تو آپ سے یہی کہوں گا کہ: ”إن الرجال لهم إليك وسيلة الخ“

(۶۷۳ تا ۶۷۴) یہ بھی یاد رہے کہ یہ اپنے خصم پر تین افترا فرمائے۔ فتوے مبارکہ میں تھا:

”جہاں تک حائل نہ ہو“ اور آپ ہر جگہ فرما رہے ہیں اذان جمیع ممکنہ کو شامل مانی، کہیں ہو ہر جگہ بین ید یہ ہے۔

(۶۷۷) اور بڑھ کر تمیز داری سنیے! ص ۴۴:

”نویں غلطی سامنے کی قید لگانا سند کے خلاف ہے، اس لیے کہ علم الہی دہنے بائیں کو بھی شامل

ہے“

مولوی صاحب! علم الہی ہر طرف کو شامل ہے، تو اس سے بین یدی بھی ہر سمت کو شامل ہو گیا،

ایسا تھا تو آیہ کریمہ میں ﴿بین أیدیہم﴾ کے بعد ﴿وما خلفہم﴾ معاذ اللہ لغو ہوا۔

گر ہمیں عقل و ہمیں ملائی ست طعن بر قرآن کنڈاز فکر پست

(۶۷۸) بفرض باطل یہاں تو سند ہی کے خلاف تھا، مولوی صاحب اپنی خبر لیجیے بین یدیہ کے

جو معنی آپ نے گڑھے وہ خود پیچھے کو شامل ہیں جیسا کہ گزرا، پھر آپ سامنے کی قید کس منہ سے لگائیں گے۔

(۶۷۹) ص ۴۸ پر حدیث صحیح سنن ابی داؤد شریف کے موضوع بنانے کو شاہ عبدالعزیز صاحب

کے ”عجالہ نافعہ“ سے علامات وضع حدیث میں نقل کیا:

”ششم آں کہ در حدیث قصہ از امر حسی واقعی کہ اگر بالحققہ می شد ہزاراں کس اور انقل می کردند“

(۱) [سورة المائدة: ۳۵]

(۲) [العقد الفرید: قول الشعوبیة وهم أهل التسویة، ۳/۳۵۴]

آپ کی تمیز نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ:

”ایک امر حسی میں ایک شخص کا نقل کرنا اور باوجودے کہ ہزاروں شخص اس موقع پر ہوں“

مولوی صاحب! آپ ایک سلیس فارسی عبارت تو سمجھ سکتے نہیں، اور مدارک علمیہ میں دخل دینا ضرور، کہاں تو تو فر دواعی کا مسئلہ جسے شاہ صاحب بیان کر رہے ہیں کہ وہ ایسی اہم بات ہو کہ اگر واقع ہوتی تو ہزاروں نقل کرتے، اور کہاں یہ کہ کیسی ہی بات ہو وہ ہزاروں کے موقع میں ہوئی، اس میں روایت آحاد موضوع ہے، لا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلیٰ العظم۔

(۶۸۰) مولوی صاحب! آپ نے تو نہ صرف سنن ابی داؤد بلکہ بخاری و مسلم بھی صدہا

موضوعات اور جھوٹی گڑھی ہوئی حدیثوں سے لبریز مان لیں، جمعہ و عیدین و غزوات و عمرۃ القضاء و حجۃ الوداع وغیرہا تمام مجامع کی ہزار ہا آحاد حدیثیں سب موضوع و افترا ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہ و اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ان تیس بے تمیزیوں پر (ساڑھے سات روپے انعام فی بے تمیزی چونی)

قسم (۱۸) مسئلہ دل سے گڑھ لیا اور فقہا پر افترا

(انعام ۱۰ روپے)

(۶۸۱ و ۶۸۲) ص ۲۳ میں بین یدیدہ کی توسیع پر یہ ریز کی کہ:

”مولانا کے معنی نے تو سارے عالم کی نمازیں مکروہ و تباہ کر دیں، کوئی نمازی نہیں نکل سکتا کہ اس کے

سامنے تصویر نہ ہو، دنیا میں ہزار ہا مکانوں میں تصویریں ہیں، وہ سب اس کے سامنے ہیں یدیدہ ہیں“

یہ اول تو خود اپنے خصم پر وہی افترا ہے کہ ہر جگہ اسی کے ارتکاب پر کلام کی بنا ہے، فتوائے مبارکہ

میں تصریح تھی کہ: ”جہاں تک حائل نہ ہو“ پھر فقہا پر یہ سخت شدید جیتا افترا کہ ”تصویر کے مسئلہ میں رافع

کراہت حائل کو نہیں گردانا“ مولوی صاحب کوئی ذی علم ہو تو اس سے کہا جاتا کہ محیط، خلاصہ، درایہ، شمشی،

حلیہ، غنیۃ، بحر، نہر، تنویر الابصار، منخ الغفار، درمختار، ردالمحتار، نجیحی علی الدرر، ابوالسعود علی الکنز وغیرہا دیکھیے

کہ تصویر کپڑوں سے چھپی ہو تو کراہت نہیں، اگرچہ خود نمازی کے بدن یا لباس میں ہو۔

تنویر غزی و شرح علانی میں ہے: ”لایکروہ (لو کانت تحت قدمیہ او فی یدہ) عبارة

الشمنی بدنہ؛ لأنها مستورة بثیابہ“ (۱)

اسی میں ہے:

”قال في البحر مفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس أو صرة أو ثوب

آخر وأقره المصنف“ (۱)

ردالمحتار میں ہے:

”في المعراج لا تكره إمامة من في يده تصاویر؛ لأنها مستورة بثياب“ (۲)

ابن امیر الحاج میں ہے:

”لا تكره إمامته؛ لأنها مستورة بالثياب كذا في المحيط والخلاصة“ (۳)

حسن عجمی نے اسے محیط سے نقل کر کے فرمایا: ”كذا في النهر“

یوں ہی فتح المعین میں: ”في النهر عن المحيط“ لکھ کر ذکر کیا۔

کبیری میں ہے:

”في الخلاصة إذا كانت في يده وهو يصلي فلا بأس به؛ لأنه مستور بثيابه“ (۴)

ہاں مولوی صاحب سے شکایت عبت ہے، پھر بھی ثبوت دیں (دس روپے انعام)

قسم (۱۹) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر باسٹھ افترا

(انعام نامیسور)

(۶۸۳) حاشیہ ص ۴۱ پر کہا: ”حضور پر نور نے فرمایا: أول من قاس“ مولوی صاحب جلد بولو

یہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں فرمایا ہے؟۔

یہ افترا آپ کو اس نے سکھایا جس کا نام آپ نے اس کے آخر میں چھپایا، اور حدیث متواتر ”من

كذب“ کا خوف نہ آیا۔

(۶۸۴) مسلمانو! مدینہ طیبہ سے بیت المقدس شمال کو ہے، اور کعبہ معظمہ جنوب کو، رسول اللہ صلی

(۱) [الدر المختار: فرع لا بأس بتكليم المصلي، ۱/۶۴۸]

(۲) [رد المحتار: فرع لا بأس بتكليم المصلي، ۱/۶۴۸]

(۳) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۲/۲۹]

(۴) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۲/۲۹]

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد ہجرت ۱۷-۱۸ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، پھر کعبہ معظمہ کو منہ کرنے کا حکم آگیا، خلاصۃ الوفایں نقل کیا کہ جب تک نماز بیت المقدس کو ہوتی تھی مسجد اقدس کی جنوبی دیوار میں دروازہ تھا، جب اس طرف کو قبلہ ہو گیا وہ دروازہ بند کر کے اب شمالی دیوار میں دروازہ کھولا گیا۔ مولوی صاحب ص ۱۵ پر کمال بے باکی سے یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ:

”وہ جنوبی دروازہ بند نہ کیا گیا، صرف آمد و رفت اس سے موقوف ہو گئی، مسجد شریف میں خاص قبلہ کی دیوار میں خاص محراب کی جگہ وہ دروازہ آخر تک کھلا رہا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی دروازہ پر بالائے منبر خطبہ فرمایا کرتے“

یہاں تک کہ بولے:

”یہ منبر کا رکھا جانا دروازہ پر حضور کے زمانے میں بعد تحویل قبلہ اور تیئین کے زمانے میں برابر جاری رہا“

مولوی صاحب! کوئی ثبوت بھی ہے یا محض اپنے زبانی ادعا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر افترا۔

”أهل عندكم آثاره من علم أم على رسول الله تفترون“

کیا کسی حدیث کسی اثر کسی روایت میں دکھا سکتے ہو کہ زمانہ اقدس میں مسجد کریم کی خاص دیوار قبلہ میں خاص محراب کی جگہ کھلا ہوا غیر مسدود دروازہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دروازہ مسجد پر کھڑے ہو کر خطبہ فرماتے تھے۔ مولوی صاحب افترا یہی نہیں کہ جس بات کا نہ ہونا معلوم ہے اس کا ہونا مانو، بلکہ یہ بھی افترا ہے کہ جس کے ہونے کا ثبوت نہ ہو اپنی طرف سے اس کا دعویٰ کر دو۔

قال الله تعالى: ﴿أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۱)

وقال تعالى:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُورًا﴾ (۲)

خصوصاً بات بھی ایسی خلاف قیاس کہ محراب مسجد میں خاص امام کے سامنے دروازہ۔ انا لله وانا

إليه راجعون .

(۲۸۵) جب آمد و رفت کی بندش تھی تو دروازہ کس لیے باقی تھا، کیا اللہ و رسول عبث چیز کے روا

دار ہوتے ہیں، وہ بھی مسجد میں؟۔

(۶۸۶) تحویل قبلہ ہجرت شریفہ کے دوسرے سال ہوئی اور منبر اطہر آٹھویں سال بنا، تو آپ کا فرمانا کہ: ”منبر کار کھا جانا دروازہ پر بعد تحویل قبلہ برابر جاری رہا“ یہ ڈبل افترا ہے۔

(۶۸۷) حدیث صحیح ابی داؤد شریف پر تو وہ لکھا تھا کہ:

”علامت کذب حدیث کی ایک یہ ہے کہ ایک امر حسی میں ایک شخص کا نقل کرنا باوجودے کہ ہزاروں شخص اس موقع پر ہوں“

اب یہ صریح کذب جو آپ بول رہے ہیں، یہ کیا لاکھوں نے نہ دیکھا، یہاں آپ کسی ایک کی بھی نقل نہیں دکھا سکتے کہ پیش روئے اقدس محراب کی جگہ غیر مسدود دروازہ برابر رہا اور صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی تھا، فقط آمد و رفت منع کرنے کو کوئی تختہ لکھ کر لگا دیا تھا، لا الہ الا اللہ۔

(۶۸۸) مزہ یہ کہ جن عالم مدینہ سید سمودی قدس سرہ کے کلام سے پیش از تحویل قبلہ جنوبی دروازہ نقل کیا اس میں موجود ہے کہ بعد تحویل قبلہ مسدود فرما دیا گیا:

”لما حرفت سد الباب الذي كان خلفه وفتح هذا الباب حذاء ه أي: في محاذة

المسدود خلف المسجد أي: تجاهه كما قال المجد“ (۱)

آپ کہتے ہیں: ”مراد مسدود سے آمد و رفت کا بند ہونا ہے“

مولوی صاحب! مردود، مغلق، مسدود، تینوں کا فرق کسی عربی داں سے پوچھیے، مگر عربی سے نہ پوچھنا کہ وہ خوش مزاج ہو تو قہقہہ لگائے گا، اور بد مزاج تو.....

(۶۸۹) یہ بھی دیکھا کہ سید علامہ نے اس مسدود کرنے پر تفریح کیا فرمائی، عبارت مذکور سے

متصل فرمایا:

”فكان المسجد له ثلاثة أبواب: باب خلفه، و باب عن يمين المصلى،

و باب عن يسار المصلى“ (۲)

یعنی تو مسجد کے تین دروازے ہوئے: ایک پائیں میں، ایک نمازی کے داہنے، ایک بائیں، یہ دروازہ بھی مسدود نہ ہوتا تو چار ہوتے، کیا آپ دکھا سکتے ہیں کہ کسی معتمد نے زمانہ اقدس میں مسجد شریف

(۱) [خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى: الأول في عمارته صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۱۰]

(۲) [خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى: الأول في عمارة صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۱۰]

کے چار دروازے بتائے۔

(۶۹۰) اپنی جہالت پر سید کے اس لفظ سے دلیل لائے: ”أي هو في جهة القبلة اليوم“

اور اس کا مطلب یہ گڑھا کہ:

”یعنی وہ دروازہ جو پہلے مقابل قبلہ تھا، بعد تحویل قبلہ آج کے دن وہ دروازہ جہت قبلہ میں موجود ہے“

حالاں کہ کلام سید میں اليوم، جهة القبلة، کی طرف ناظر ہے، یعنی آج جس طرف قبلہ ہے قبل

تحویل اس طرف دروازہ تھا۔ دلیل لانا تو مولوی صاحب سے قول ہار گیا ہے۔

(۶۹۱) طرفہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ اقرار کرنے کو یہیں کہا ہے کہ:

”قرینہ لفظی حدیث میں موجود ہے کہ ”علی باب المسجد“ بعد ”إذا جلس“ کے لائے، اگر تعلق

”علی باب المسجد“ کا ”یؤذن“ کے ساتھ ہوتا تو یوں کہتے: ”یؤذن بین یدیه علی باب المسجد“

عبارت سید میں یہ قرینہ بھی یاد نہ رہا اليوم بعد جهة القبلة کے لائے۔ اگر تعلق اليوم کا خبر

محذوف سے ہوتا تو یوں کہتے ”وهو اليوم في جهة القبلة“ مگر عبدالغفار خاں را حافظہ نباشد

(۶۹۲) انہیں سید کا خود اپنا خلاصہ فرمانا دیکھا ہوتا کہ: ”جعل قبلته إلى بيت المقدس

وجعل له ثلاثة أبواب: باب في مؤخر إلى جهة القبلة اليوم“ (۱)

یہاں وہ آپ کا ”هو“ کہاں ہے۔

(۶۹۳) ابن زبالہ نے ”بطریق ابن جریج عن جعفر بن عمرو“ روایت کی کہ رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد کریم دوبار بنائی، پہلے صد در صد سے کم تھی، جب دوبارہ بنائی ”زاد علیہ

مثله في الدور“ چاروں طرف سے اسے بڑھایا۔ جب مسجد شریف میں جانب قبلہ بھی اور زمین بڑھائی

گئی تو وہ پرانی دیوار بھی نہ رہی جس میں دروازہ تھا مگر محراب قبلہ میں دروازہ رکھنا مولوی صاحب کی مت

میں ایسا ضرور تھا کہ ہٹا کر جو دیوار بنائی اس میں بھی دروازہ (۱) نکال دیا۔ اور کاہے کے لیے اس لیے کہ آمد

۱۔ جب تو کہتے ہیں کہ زمانہ اقدس میں برابر جاری رہا اور زمانہ شیخین میں بھی رہا، شاید عثمان غنی کو اس

لیے چھوڑ دیا کہ ان کی محراب قدیم سے کئی گز آگے اب تک موجود ہے، تو وہ دیوار قبلہ ان کے زمانہ میں نہ رہی جس

میں دروازہ بتاتے ہیں، اور اس حدیث کی خبر نہیں جو بتا رہی ہے کہ زمانہ اقدس ہی میں وہ دیوار نہ رہی تھی۔ ۱۲ منہ

(۱) [خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى: الأول في عمارته صلى الله تعالى عليه وسلم، ۱۰/۲]

ورفت نہ ہو، زہے ملائی۔

(۶۹۳ تا ۶۹۹) اب میں ذرا آپ کے اس قرینہ لفظی کی بے قرینہ لفاظی کی بھی خبر لوں۔ آنکھیں کھول کر دیکھیے علمائے علی باب المسجد کس سے متعلق فرمایا ہے۔

(۱) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے:

”کان إذا جلس عليه الصلاة والسلام على المنبر أذن بلال على باب

المسجد، وكذا على عهد أبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما“ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ مسجد پر اذان کہتے اور اسی طرح ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔

(۲) کشاف میں ہے:

”وقد كان لرسول الله ﷺ مؤذن واحد، فكان إذا جلس على المنبر أذن

على باب المسجد، فإذا نزل أقام للصلاة، ثم كان أبو بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما على ذلك“ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے، جب حضور منبر پر جلوہ فرما ہوتے وہ مؤذن دروازہ مسجد پر اذان دیتے۔ یہی روش صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تھی۔

(۳) بعینہ اسی طرح تفسیر علامہ نیشاپوری میں ہے۔

(۴) تفسیر خطیب شربنی ہے۔

(۵) پھر فتوحات الہیہ میں ہے: ”كان له ﷺ مؤذن واحد إذا جلس على المنبر

أذن على باب المسجد، فإذا نزل أقام الصلاة، ثم كان أبو بكر وعمر وعلي بالكوفة رضي الله تعالى عنهم على ذلك“ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے، جب حضور منبر پر جلوہ افروز ہوتے وہ

مؤذن دروازہ مسجد پر اذان کہتے پھر صدیق و عمر فاروق اور کوفے میں مولیٰ علی کے یہاں یہی طریقہ رہا۔

(۱) [تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی: ۱۰/۵۴۲]

(۲) [تفسیر الکشاف: ۴/۵۲۰]

(۳) [تفسیر فتوحات الہیہ: ۸/۶]

رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

کشف الغمہ امام شعرانی قدس سرہ الربانی میں زمانہ اقدس و زمانہ شہین کی نسبت فرماتے ہیں: ”وكان الأذان على باب المسجد“ ان پاک زمانوں میں اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

مولوی صاحب! اب تو آپ کو اپنے افترا کا حال کھلا

ع: آنکھیں تو ملاؤ دم کہاں ہے

(۷۰۰) بین یدیدہ کے وہ اپنے ساختہ معنی گڑھ کر ص ۴۱ پر بولے کہ:

”ہر مسلمان جان سکتا ہے کہ جو معنی بین یدیدہ کے حضور پر نور نے لیے وہی صحیح ہیں“

ثبوت دو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں ارشاد فرمایا ہے کہ ”بین یدیدہ“ کے معنی یہ ہیں، یہ نہیں کہ بے حصر آپ کا فائدہ نہیں جیسا کہ بارہا خصوصاً قسم ۸ میں ظاہر کر دیا گیا۔

(۷۰۱) ہاں ہاں آپ نری جہالت پر کیا اکتفا کریں، آپ نے صراحتہ ادا کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بین یدیدہ کو اسی قرب تنگ میں محصور جانتے تھے، جب تو اس کے معنی وسیع جو آیات قرآنیہ و تصریحات ائمہ لغت و تفسیر سے بیان کیے گئے، انہیں ص ۴۲ پر صاف فرما دیا:

”یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے“

لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ جو معنی بین یدیدہ کے قرآن عظیم نے لیے وہی صحیح ہیں، اور جو اس کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ائمہ عظام و فقہائے کرام کی طرف نسبت کرے وہ مفتری و کذاب ہے۔

(۷۰۲ تا ۷۲۵) اور سنیے تو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کریمہ ﴿إِنْ هُوَ

الْأَنْذِيرُ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ (۱) اتری، اس وقت حضور نے بین یدیدہ کے کیا معنی لیے؟۔

اسی طرح جب (۲) بقرة (۳) وطہ (۴) وانبیا (۵) وحج میں: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (۲) اتر۔

اور (۶) مریم میں: ﴿لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ (۳)

(۱) [سورة نبا: ۴۶]

(۲) [سورة البقرة: ۲۵۵]

(۳) [سورة مریم: ۶۴]

اور (۷) بقرہ (۸) آل عمران (۹) و ماائدہ (۱۰) ملائکہ (۱۱) احقاف میں: ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

يَدَيْهِ﴾ (۱)

اور (۱۲) انعام میں: ﴿مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (۲)

اور (۱۳) یونس (۱۴) و یوسف میں: ﴿تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (۳)

اور (۱۵) سبا میں: ﴿وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (۴)

اور (۱۶) حم السجدہ میں: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (۵)

اور (۱۷) آل عمران (۱۸) اور صف میں: ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ﴾ (۶)

اور (۱۹) احقاف میں: ﴿وَقَدْ خَلَّتِ النَّذِيرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾ (۷)

اور (۲۰) اعراف۔ اور (۲۱) فرقان۔ اور (۲۲) النمل میں:

﴿بَشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ (۸)

اور سبا شریف کی اور دو آیتیں نہ سننا کہ عقل ہبا ہو جائے گی۔

ایک (۲۳) ﴿مِنَ الْجِنَّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ (۹)

(الی قولہ تعالیٰ) ﴿يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَمَائِيلٍ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ

وَقُدُورٍ رَاسِيَةٍ﴾ (۱۰)

دوسری (۲۴) اس سے بھی بڑھ کر جس نے بین ید یہ کو پانسو برس کی راہ تک پھیلا دیا:

﴿أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (۱۱)

آپ کے زعم میں ان چوبیس ۲۴ آیتوں میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی

قرب تنگ، وہی ڈیڑھ گز والے معنی لیے۔ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چوبیس ۲۴ اتر ہوئے۔

(۱) [سورة الأحقاف: ۳۰] (۲) [سورة الأنعام: ۹۲]

(۳) [سورة يوسف: ۱۱۱] (۴) [سورة سبا:]

(۵) [سورة فصلت: ۴۲] (۶) [سورة الصف: ۶]

(۷) [سورة الأحقاف: ۲۱] (۸) [سورة النمل: ۶۳]

(۹) [سورة سبا: ۲] (۱۰) [سورة سبا: ۱۳]

(۱۱) [أيضاً: ۹]

(۷۲۶) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بعثت بین یدی الساعة“ (۱)

اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بین یدی کے کیا معنی لیے؟۔ یہ احادیث کثیر وافر ہیں، مگر چوبیس ۲۴ آیتوں کے بعد کیا حاجت، اگر آیتیں ہی نافع نہ ہوئیں حدیثیں کیا کام دیں گی، ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ﴾ (۲)

ثبوت دو کہ حدیث ”إذا جلس بين يدىك خصمان“ (۳)

جو آپ نے پیش کی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مراد لیا ہے کہ جب مدعی مدعا علیہ قاضی کے پاؤں سے ڈیڑھ گز فاصلہ پر ڈٹیں، اس وقت کے لیے یہ حکم فرمایا ہے: کہ ایک طرف کی سن کر فیصلہ نہ کرے، اور اگر ایک گز نوگرہ کے فاصلہ پر ہوں تو اس وقت کا حکم اس حدیث میں مذکور نہیں، آپ عقل مند بہت ہیں، ذرا ہمارا کلام سمجھ کر بولنا، دو افترا یہ ہوئے۔

(۷۲۸ تا ۷۵۷) ص ۳۳ ”اذان ثانی جمعہ مسجد میں قریب خطیب کے زمانہ آں حضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے“

یہ افترا تو گھٹی میں پڑا ہے، اس کی تکرار روز اول سے ہے، اسی آثار المبتدعین میں بھی ۳۰/جگہ ہے: ایک یہ، اور ص ۳۵/سہ جا، ۳۶/چار جا، ۳۸/سہ جا، ۴۲/۴۳ و ۵۰/۵۱ و ۵۹۔ یہ ۱۸/ہوئے مگر ۳۰/کا پہلا گیارہ افترا ہے کہ گیارہ روایتیں گن کر کہا: ”ترجمہ ان گیارہ کا یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد میں قریب خطیب زمانہ حضور پر نور سے ہے“

اور ص ۳۷/کے پہلے دو دو افترا ہیں کہ وہاں کہا: ”ترجمہ ان دو روایتوں کا اذان دی جائے مسجد میں قریب خطیب کے یہی جاری ہے تو ارث فعل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے“

پھر کہا: ”ان دونوں روایتوں میں تصریح کر دی کہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذان دلوانا مسجد میں قریب جانتے ہیں۔“

(۷۵۸) ص ۳۹/پر اپنے اس مجموعہ افتراءات واکاذیب کو فرماتے ہیں:

(۱) [نصب الرایة لأحادیث الهدایة کتاب الجنایات باب ما یوجب القصاص: ۴/۳۴۷]

(۲) [سورة الجاثیة: ۶] (۷۲۷)

(۳) [نصب الرایة لأحادیث الهدایة، کتاب أدب القاضی: ۴/۶۱]

”بمرضی حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ کام کیا گیا“

حاشا للہ کہ اللہ ورسول۔ جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ دین میں ایسے فریبوں، دروغوں، افتراؤں، بہتانوں، ہٹ دھرمیوں، بے شرمیوں پر راضی ہوں، یہ صراحتاً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا ہے۔ مولوی صاحب ایسے بھرے کہ نماز پڑھتے پڑھتے جھومنے لگے، وعظ کہتے کہتے گھومنے لگے کہ ابھی حضور تشریف لائے تھے، تم نے نہیں دیکھی ابھی سواری آئی تھی۔

زرے بے عقل مان لیتے ہوں گے مگر جن کو اللہ عز و جل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت عطا فرمائی ہے ان کے سامنے موجب مضحکہ وارسال لاجول ہوتے ہیں۔

(۷۵۹) اسی بڑی بولی افترائی قول پر بنا کر کے یہیں بولتے ہیں:

”مولانا اس فقیر سے آپ کا تنہا مقابلہ نہیں بلکہ آپ کا مقابلہ اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ہے، ذرا سمجھ کے کام کرنا“

مولوی صاحب! کیا جو حضور رس ہوتے ہیں اتنے بد عقل کو دن؟۔ یا ایسے بد مذہب بد ظن ہوتے ہیں کہ فقہی، فرعی، ظنی مسئلہ میں اللہ ورسول۔ جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سے مقابلہ کا حکم لگا دیں۔ بفرض باطل اگر آپ ہی حق پر ہوتے تو آپ تو ترک قرأت مقتدی میں بھی حق پر ہیں، کیا امام شافعی وغیرہ ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپ کے گمان میں اللہ ورسول سے مقابلہ ہے۔ جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۷۶۰) خود یہی مسئلہ لیجیے: فرض کردم کہ مذہب حنفی میں اذان بیرون مسجد نہ ہو، آخر سیدنا امام مالک و جمہور ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں متصل منبر ہونا درکنار سرے سے اس اذان کے روبرو خطیب ہونے ہی کو بدعت و مکروہ و ممنوع بتاتے ہیں۔ ان کا تو اللہ ورسول سے مقابلہ کیسا آپ کے دھرم میں مقاتلہ ہوگا۔ جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

انہیں خرافات پر یہ غرے ہیں کہ:

”مولانا یاد رکھنا قسم ہے عیش رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، قلم اٹھانا بھول جاؤ گے“

آپ ذرا ہم طلبہ ہی سے آنکھ ملائیے، ایسا قلم اٹھانا ہم بھول گئے کہ ہزار در ہزار قاہر وار آپ پر سوار ہوتے چلے جاتے ہیں، اور آپ ایک کا جواب نہیں دے سکتے،

حلفت فجار لتسنینی حبہا حنث بیمنک یا فجار فکفری

قسم (۲۰) اللہ عزوجل پر سات افر اور قرآن عظیم کے

معنی طرح طرح معاذ اللہ مہمل کر دینا (انعام نامقدار)

(۷۶۱) ابھی گزرا، اللہ جل شانہ سے مقابلہ ہے۔

(۷۶۲ تا ۷۶۳) اعراف و فرقان و نمل کی تینوں آیتیں: ﴿يُرْسِلِ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

رَحْمَتِهِ﴾ (۱) اور ﴿يُرْسِلِ الرِّيحَ﴾ اور ﴿وَمِنْ يَرْسِلُ﴾ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ ان میں رحمت سے مراد میٹھ ہے۔ آپ کی قیاس سمجھنے والے بے تمیزی کہ نمبر ۶۷۰ میں گزری (۱) اسے صفت الہی سمجھی اور جھٹ اس پر آئیہ ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (۲) پڑھ دی۔

کیوں مولوی صاحب! ہوائیں میٹھ کے آگے چلتی ہیں یا صفت الہی کے آگے؟۔ ہوائیں مقدم ہوتی ہیں اور صفت الہی مؤخر؟۔ آدمیان گم شدند۔

(۷۶۵) جب آپ کے دھرم میں صفت رحمت ہواؤں سے پیچھے ہے تو صفت رحمت جمیع امکانہ کو کیسے شامل ہوئی، پیچھے کی چیز آگے نہیں ہوتی۔

(۷۶۶ تا ۷۶۸) ان تینوں آیتوں کا مطلب تعمیم زمانہ (۲) ٹھہرایا، یعنی ہواؤں کو کہا جائے گا کہ

۱۔ ظاہر ہے کہ تینوں آیتوں میں وہ الفاظ کریمہ مشترک ہیں اور سب میں ان کا مطلب ایک ہے

اگرچہ فتوائے مبارکہ میں صرف آیت اولیٰ تلاوت کی۔ ۱۲ منہ

(۲) کریمہ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ [سورة البقرة: ۲۵۵] پر اعتراض میں

گیارہ جہالتیں ظاہر کیں جن کا مفصل رد "سیف القہار" سے لیجیے اور بعض اس رسالہ میں بھی مذکور، ان میں ایک غلطی یہ تھی کہ "تعمیم زمانہ سے تعمیم مکان لازم نہیں"، اس اعتراض کا حاصل شاید یہ لیا ہوگا کہ علم الہی سب زمانوں کو شامل ہے، اس سے لازم نہیں کہ سب مکانوں کو بھی شامل ہو کہ اس اعتراض کا دو اعتراض سابق سے کہ "دعویٰ ظرف مکان اور سند ظرف زمان، امکانہ کو از منہ پر قیاس" جدا ہونا یونہی ہوگا، خیر وہاں بول کر ان آیات رحمت پر اعتراض میں کہا: "وہ گیارہ غلطیاں ساتھ ہیں، یعنی ان آیتوں میں بھی زمانہ کی تعمیم ہے نہ مکان کی۔ ۱۲ منہ"

پانی کی خوش خبری دیتی چلیں اگرچہ ان کے بعد تمام دنیا خشکی سے ہلاک ہو جائے، اور وہ کروڑ برس بعد پانی بر سے بشارت ہوگئی کہ آیتوں میں زمانہ عام ہے، یہ صراحۃً معنی قرآن عظیم کی تبدیل ہے۔

(۷۶۹) یہ تو جو کچھ ہے مگر عذاب شدید کی آیت نے مولوی صاحب کو بہت دست پاچہ کیا۔ اللہ عزوجل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کریمہ بین یدی قیامت بتاتا ہے:

﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ ﴿۱﴾ حالاں کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے آئے اور ہنوز وقت باقی ہے، تو بین یدی تمہاری تنگیوں میں کیوں کر گھرا۔

مولوی صاحب اس کے جواب میں سر اسیمہ ہو کر آیت کریمہ کے ساتھ کیا کیا بازیاں کرتے ہیں، ص ۲۵ پر پہلے فرمایا:

”اگر بین یدی یہاں زائد ہو تو کیا سند ہوئی“ انا لله وانا اليه راجعون،

مولوی صاحب! بین یدی اڑا کر معنی کیا ہوئے اور ترکیب کیا۔ اس سے تو یوں کہا ہوتا کہ بین یدی میں سے ین یدی زائد ہے تاکہ ب رہ جائے کہ نذیر سے متعلق ہو۔

(۷۷۰) اور سنیے تو! فقہا کے قول: ”أذن ثانياً بين يديه“ میں اگر بین یدی زائد ہو تو کیا سند

ہوئی۔

(۷۷۱) پھر فرمایا: ”بین یدی عذاب شدید“ مجموعہ سے قیامت مراد ہو تو آپ کو کیا نافع“ جی

بین تو ظرف ہے قائم مقام قیامت نہ ہوگا۔ یہ کہیے کہ ماہو موصول و مبتدأ دونوں مقدر ہیں، اور مجموعہ سے مراد قیامت، پھر اس پر بھی معنی کیا ہوئے اور ترکیب کیا۔

مسلمانو یہ کھیل کھیلے جاتے ہیں آیات سے جب ان کا جواب نہیں بنتا۔

(۷۷۲) اور سنیے تو! فقہا کے قول مذکور میں بین یدیہ مجموع سے خطیب (۱) یا منبر مراد ہو تو آپ

کو کیا نافع، منبر و خطیب کا باہم بین یدی ہونا مفہوم ہوا نہ کہ اذان کا۔ رہی ترکیب وہ وہاں بھی غلط تھی یہاں بھی سہی، کچھ سمجھے۔

(۱)۔ یعنی ”بین یدی الخطیب“ کہا تو منبر مراد ہو۔ اور ”بین یدی المنبر“ کہا تو خطیب۔

ظاہر ہے کہ منبر کے دونوں بازوؤں کے بیچ میں خطیب ہے، اور خطیب کے قدم سے ڈیڑھ گز تک بین یدی آپ لیتے تھے، یہ تو خاص متصل قدم ہے۔ ۱۲۔

(۷۷۷ تا ۷۷۳) ص ۵۲ میں آیہ کریمہ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ

فِيهَا اسْمُهُ﴾ کو کہا:

”یہ نص قطعی ہے اس بارے میں کہ اذان بھی اللہ جل شانہ کا ذکر ہے مساجد میں“

مولوی صاحب! آیت تو یہ فرماتی ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان

میں نام الہی لیے جانے سے، جس کا ترجمہ آپ نے اپنی لیاقت سے یہ کیا ہے کہ:

”اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے کہ اللہ کی مساجد میں اللہ جل شانہ کے نام لینے کو منع

کرتے۔“

اولاً: یہ ”کون ہو سکتا ہے“ کا ہے کا ترجمہ ہے۔

ثانیاً: مساجد کو ذکر سے روک دینے اور مساجد میں ذکر کو منع کرنے میں آپ کو فرق نہیں۔

ثالثاً: امام عینی بنایہ میں تصریح فرماتے ہیں: کہ اذان ذکر خالص نہیں اور اس کے لیے بحر الرائق

بلکہ وہ صلاۃ مسعودی بھی دیکھیے جس پر آپ نے افترائی عبارت گڑھی۔

رابعاً: آپ خود مان چکے ہیں کہ اذان اعلام غائبین ہے، اور اعلام غائبین بے آواز بلند ناممکن

تو مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں، بلکہ رفع صوت بذكر سے منع ہے۔ اور اس کی ممانعت درمختار

ومسلك متقسط وبرزازیه وغیرہ میں مصرح، کیا یہ سب اکابر بھی آپ کے نزدیک اسی وعید شدید میں داخل ہیں

کہ ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔۔

خامساً: سب جانے دیجیے وہ آیت پر اپنی افترائی جھلک لیجیے کہ

”آیت اس بارے میں کہ اذان مسجد میں ذکر الہی ہے، نص قطعی ہے“

قطعی ہونا بالائے طاق آپ کے کون سے حرف کو اس پر دلالت ہے کہ اذان مسجد میں ذکر الہی

ہے؟۔ آپ نے اس میں اپنی گلی رکھ لی ہے، مگر عوام جو اس سے سمجھیں گے کہ آہا مولوی صاحب نے آیت

دکھادی جس میں صاف ارشاد ہے کہ اذان مسجد میں ہو۔ ان کی اس افترائی سمجھ کا وبال کس پر ہوگا؟۔

فافہم

تنبیہ: ہم نے گزارش کی تھی کہ انعام بلحاظ اہمیت مقرر کریں گے، یہ دونوں قسم افترا علی الرسول

وافترا علی اللہ۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اس درجہ سخت ہیں کہ نہ ان کا وبال شدید محدود و محصور، نہ

ان کے رفع کا انعام ہمیں مقدور۔ مولوی صاحب کو اپنی دیانت اپنی دینداری بنی رکھنی ہے تو ان قسموں کو

اٹھائیں۔ یا اپنی قبر اپنا حشر سنبھالنا ہے تو توبہ فرمائیں۔ وباللہ التوالت۔

قسم (۲۱) خود اپنے اوپر چوالیس افترا۔ بکف چراغی کی انتہا (انعام ۱۱/روپے)

(۸۲۱ تا ۷۷۸) مسلمانو! اس کمال حیا داری کو دیکھنا کہ آخر آثار المبتدعین میں فرماتے ہیں:
”اس تحریر میں ہم نے رد ان اعتراضوں کا بھی کر دیا ہے جن کا نام مولانا نے سوالات قاہر رکھا وہ
پڑن ہیں“

مسلمانو! یہ ”اذان من اللہ“ بھی موجود ہے اور یہ طومار دروغ ”آثار المبتدعین“ بھی۔ اذان من
اللہ نے سلسلہ سوالات دس سوال سائل سے رکھا اور پانچ سوال عالمانہ حضرت مفتی علامہ کے۔ پھر مولوی
صاحب پر اپنی طرف سے رد قاہر کے انتالیس ۳۹ سوال۔

خدا گنتی کہنا آثار المبتدعین میں کہیں ان قاہرات کی طرف رخ بھی کیا ہے، رد کر دینے کی کیا ہستی
ہے۔ رہے پہلے ۱۵، تو ص ۵۸ پر دس سوال سابق کی نسبت خود اقرار ہے کہ:
”ہم نے فقط چھ ۶ سوالوں کا جواب دیا ہے“

اور مفتی علامہ کا پنجہ ان میں چار پر۔ ص ۵۹ میں وہ مہمل ریز کی کہ جاہل سنا جاہل نہ کرے گا جس
کا بیان ”سیف القہار“ میں ہے۔ اور بعونہ تعالیٰ کچھ یہاں بھی آئے گا، اور پندرہواں صاف کھا گئے اس کا
ذکر بھی منہ پر نہ لائے، تو ۱۵ میں سے ۱۵ بچے، اور ۳۹ روہ، جملہ چوالیس ۴۴ جھوٹ اُگلے۔ مولوی
صاحب! بولے (گیارہ روپے انعام فی سوال چونی)۔

(۸۲۲) اور اس کی پردہ داری تو دیکھیے کتنی معقول ہے کہ:
”جواب ضمن تحقیقات مسئلہ میں دیا ہے نہ اس طرح پر کہ بچے دیتے ہیں کہ پہلے اعتراض کا
جواب ہوا، دوسرے کا ہوا“

یہ اس لیے کہ مسلمان پوچھیں گے کہ حضرت ان قاہر اعتراضوں کے جواب کس کھو میں ہیں،
تو پیش بندی کر لی کہ ہم کہیں بچوں کی طرح تو نہیں دیتے، بوڑھوں کی طرح دینے کو تم کیا سمجھے، ہم نے
حرفوں کی ٹٹی میں چھپا کر اوپر سے سطروں کی باڑچن دی ہے کہ کسی کو سو جھیں نہیں۔ اف رے مکر:
مکار ہو عیار ہو جو آج ہو تم ہو

بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

(۸۲۳) اور سنیے تو! یہ جو اکابر ائمہ نے سوالوں اعتراضوں کے جواب نمبر وار دیے ہیں۔

مصنفین کو جانے دیجیے، حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے معترض کے اعتراضات سن کر ایک اعتراض ذکر کیا اور جواب دیا، پھر دوسرا ذکر فرمایا: اور جواب دیا، پھر تیسرا اور جواب دیا۔ ”رواہ الامام البخاری“

یہ آپ کے نزدیک طفلانہ حرکت ہوگئی؟۔ خدا حیا دے، اور اس کا زیادہ تر آپ کی قسم گستاخی میں آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بات یہ ہے کہ سوال ہی وہ قاہر تھے، جن کا نام لیے کلیجے دہلے بلکہ آپ کی تحریروں سے جو آپ کا مبلغ علم کھلا وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہرگز ہرگز آپ سوالات سمجھے بھی نہ ہوں گے جواب کون دے، لہذا جان بچائی کہ جان بچائی فرض تھی، اور عوام کو یوں چال دکھائی کہ سوالوں کی آفت سر پر قرض تھی۔

مولوی صاحب، مولوی صاحب، ہاں ہاں عبدالغفار خاں صاحب! اب سوالوں کا ہولانہ کھائیں، دھوکا ہوا کہ آپ کو ذی علم سمجھ کر آپ سے مخاطبہ کیا، اب حال کھل گیا، توبہ ہے کہ آپ سے کوئی علمی سوالوں کا نام بھی لے:

توبہ ہے کہ اب عشق بتوں کا نہ کریں گے وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

قسم (۲۲) : خود اپنے خصم پر تینتالیس ۲۳ / افترا

(انعام ۱۲ روپے)

اس قسم کے گیارہ افترا اوپر ذکر کیے گئے، باقی اور سینے!

(۸۲۲) قسم ۲۰ نمبر ۶۶ / میں سن چکے کہ آیہ ﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَي رَحْمَتِهِ﴾ (۱) پر بھی جناب

نے وہی تعیم زمان و مکان والی ریز کی جو آیہ کریمہ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾ (۲) پر کی تھی، یعنی یہ آیت بھی ان کے خصم نے ثبوت تعیم میں پیش کی، یہ جیتا افترا ہے۔

فتوائے مبارکہ میں ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾ (۳) اور ﴿لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا﴾ (۴) دو آیتیں

اثبات عموم بین یدیدہ، اور ﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَي رَحْمَتِهِ﴾ (۵) اور ﴿بَيْنَ يَدَي عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ (۶) دو آیتیں خصوص معنی قرب کے لیے تلاوت فرمائی تھیں۔ ارشاد ہوا تھا:

(۱) [سورة النمل: ۶۳] (۲) [سورة البقرة: ۲۵۵] (۳) [سورة البقرة: ۲۵۵]

(۴) [سورة مريم: ۶۴] (۵) [النمل: ۶۳] (۶) [السبأ: ۴۶]

”ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قرآن حالیہ ایک نوع قرب ہرشی کے لائق مستفاد ہوتا ہے، نہ اتصال حقیقی کہ خواہی نخو اہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو،

قال اللہ تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ﴾ (۱) میں ”بین یدی“ نے قرب مطر کی طرف اشعار فرمایا، مگر یہ نہیں کہ ہوا میں چلتے ہی معاً پانی اترے، بلکہ چلیں اور بادل اٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے الخ مختصراً“

ہاں تعمیر زمانہ آپ نے لی کہ اسی نمبر میں مذکور ہوئی ”رمتنی بدائھا وانسلت“

(۸۲۵) مولوی صاحب نے اپنی آثار المبتدعین کے حاشیہ پر جا بجا فتوائے مبارکہ کی عبارات نقل کی ہیں مگر اس تمام کو ہضم کر لیا کہ اپنا فریب نہ کھلے۔ خود کلام خصم میں قطع و برید۔

(۸۲۶) اسی ص ۳۵ میں ﴿بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ (۲) پر بولے:

”یہ حدیث آپ کی نظر سے نہیں گزری: ((بعثت أنا والساعة كهاتين))

مفسرین کا کلام دیکھا ہوتا تو یہ آیت سند میں نہ لاتے“

یہ اسی افترا علی خصمہ پر مبنی ہے کہ فتوائے مبارکہ میں یہ آیت بغرض تعمیر تھی جس پر آپ حدیث سناتے ہیں کہ دیکھو قرب کے لیے ہے، حالاں کہ فتوائے مبارکہ میں بعد عبارت مذکورہ ہے: ”وقال

تعالیٰ: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ (۳)

آیت نے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے، اس کا قرب اس کے لائق ہے الخ“۔

(۸۲۷) یہ عبارت بھی اڑا گئے، یہ مولوی صاحب کی ستر ہویں قطع و برید ہوئی۔

(۸۲۸ تا ۸۵۷) آثار المبتدعین کے صفحات میں اپنے خصم پر تمس افترا اور ہیں جن میں اکثر کا

صریح کذب قبیح، دروغ ترا بہتان شدید ہذیان ہونا۔ تقریرات گزشتہ سے آفتاب کی طرح ہر ذی انصاف مسلمان پر ظاہر اور بعض باقی کی تفسیح بعونہ تعالیٰ عنقریب آتی ہے۔ لہذا صرف ان کے شمار پر اکتفا کریں۔

(۱) ص ۲: ”مولانا نے تمام سلف و خلف کی مخالفت کی۔“

(۲) ص ۱۹: ”جناب مولانا صاحب نے معنی بین یدیہ کے خود گھڑے نہ لغوی ہیں نہ اصطلاح فقہا۔“

[۲] [السبأ: ۴۶]

[۱] [سورة النمل: ۶۳]

[۳] [سورة سبا: ۴۶]

- (۳) ص ۳۹: ”مقابلہ اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔“
- (۴) ایضاً: اپنی طرف سے معنی بنا لیے۔
- (۵) ایضاً: فتح القدر کی عبارت بلا سمجھے غلط نقل کر دی۔
- (۶) ص ۴۰: اذان خطبہ کا وہی حکم ہے جو اذان پنج وقتہ کا، اس میں مولانا نے بالکل اجتہاد کو دخل دیا ہے، دیانت فقیہ سے قطع نظر کر لی ہے۔
- (۷) ایضاً ص ۷۰: گڑھنا معنی بین ید یہ کا، یہ معنی نہ لغوی ہیں نہ عرف خاص نہ عرف عام۔
- (۸) ص ۴۲: ورنٹائے آل حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ بدگمانی کہ ایک عالم کو ضلالت میں دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔
- (۹) ص ۴۷: یہی گمان آپ کا علمائے ربانیین پر ہے، اپنے آپ کو تتبع سنت بتانا اور ایک عالم کو جن میں سلف و خلف داخل ہیں جاہل پیر و بدعتی قرار دینا۔
- (۱۰) ص ۵۴: قیاس محل اذان کو وضو کی نالی پر۔
- (۱۱) ایضاً: اذان کو غسالہ پر۔
- (۱۲) ایضاً: ریٹ تھوک پر۔
- (۱۳) ایضاً: مستقذرات پر۔
- (۱۴) ایضاً: نجس اشیا پر۔
- (۱۵) ایضاً: اذان کو مثل ان اشیا کے سمجھنا۔
- (۱۶) ایضاً: جرأت کہ اذان کو مسلمان پلید چیزوں کی طرح بتا وے۔
- (۱۶) ص ۵۶: اپنے خیالات باطلہ کو مقابلہ میں روایات فقہیہ کے لانا۔
- (۱۸) ایضاً: اپنی تاویلات فاسدہ کو ترجیح دینا روایت فقہیہ پر۔
- (۱۹) ایضاً: اپنے زعم فاسد کو حق جاننا اور روایات فقہیہ کو باطل۔
- (۲۰) ایضاً: باوجود متنبہ کرنے اہل علم کے متنبہ نہ ہونا۔
- (۲۱) ایضاً: اصرار اور ہٹ دھرمی۔
- (۲۲) ص ۵۷: یہ سمجھ لینا کہ یہ معنی من گڑھت مستدعی ہیں خارج مسجد کو۔
- (۲۳) ایضاً: بلا قرینہ مجاز اختیار کرنا۔
- (۲۴) ص ۵۹: ہم نے روایات سے عبارات راجحہ جواب نکالا ہے، مولانا نے باشارات بعیدہ

مرجوحہ۔

(۲۵) ایضاً: ہم نے صریح اختیار کیا مولانا نے محتمل بعید از قیاس۔

(۲۶) ایضاً: غیر مذہب والوں کی طرف رجوع کیا۔

(۲۷) ایضاً: لاندہ ہی اختیار کی۔

(۲۸) ایضاً: تمام سلف و خلف کا خلاف کیا۔

(۲۹) ایضاً: سبیل مؤمنین کے خلاف کیا۔

(۳۰) ایضاً: ایک بدعت کے موجد ہوئے۔

(۸۵۸ تا ۸۸۳) عرب کی مثل ہے: ”رمتنی بدائھا وانسلت“ اپنا عیب مجھے لگا کر شک گئی۔

ہندی میں بھی اس معنی پر ایک مثل ہے، مولوی صاحب کی ناگواری کے خیال سے نہ لہھی، ورنہ وہ تو ہندی ہی مثل جانتے مانتے ہیں، جیسے ص ۱۵۴ پر اونٹ والی بولے۔ ص ۱۵۳ پر جاٹ والی لائے۔ مولوی صاحب کے ان مطاعن میں علاوہ اس کے کہ وہ سب کذب و دروغ، جھوٹ بہتان ہیں اکثر جگہ آئینہ میں اپنا ہی منہ نظر آیا ہے۔ اپنے عیب اپنے خصم کو لگا کر شک گئے ہیں، اور ایسا بہتان کمال شوخ چشمی اور ڈبل کبیرہ ہوتا ہے۔

رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا

وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (۱)

جو آپ کوئی خطایا گناہ کرے پھر کسی ناکردہ پردھرے اس نے بے شک بہتان اور کھلا گناہ اپنے

سراٹھایا۔

مولوی صاحب کے تیس مطاعن میں (۲، ۴، ۵، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲) یہ تو ان میں بدابہتہ موجود ہیں کہ

(۲، ۴، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲) انہی نے بین ید یہ کے وہ ڈیڑھ گز والے دروازہ سے باہر قدم نہ رکھنے والے معنی گڑھے اور

لغت و فقہ و حدیث و قرآن عظیم سب پر پانی پھیرا جس کی جلیل تشریحیں ہو چکیں۔

(۵) عبارت فتح القدر جیسی دن دہاڑے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غلط بے سمجھے نقل کی اس پر

ایک سیکڑے کے اشتہاری ہیں۔

(۱۷، ۱۸، ۱۹) حکم فقہ کہ مسجد میں اذان منع ہے، مکروہ ہے، اس پر کس کس طرح اپنے خیالات

باطلہ کو ترجیح دی۔

(۲۰) صد ہا تنبیہوں پر متنبہ نہ ہونا۔

(۲۱) اصرار ہٹ دھرمی کی کیا گنتی۔

(۶) یونہی روایات فقہیہ سے قطع نظر بھی عالم آشکار رہا،

اجتہاد اور (۲۷) لاندہی۔ اس کا بیان بعونہ تعالیٰ عنقریب ان کی قسم بد مذہبی و گمراہی میں

آتا ہے۔

(۱۶ تا ۱۰) قیامت کے جوراگ گائے ان کا حال بعون ذی الجلال مولوی صاحب کی قسم گستاخی

میں دیکھیے گا کہ انہوں نے کیسے کیسے ناپاک قیاسوں کے ظلم جوتے ہیں۔

(۲۶) غیر مذہب کی طرف رجوع کی حالت ”اذان من اللہ حصہ دوم“ نے کھول دی کہ ابن حجر

عسقلانی شافعی کی محض ایک اپنے خیال کے باعث تصریحات فقہ حنفی کو پیٹھ دے گئے اور اس آثار البتدیین

میں اس سے بھی بڑھ کر اس کے جلوے ہیں جن کا بیان بحولہ تعالیٰ ان کی قسم جہالات میں آتا ہے۔

(۲۵ و ۲۴) مفتی علامہ نے آخر فتویٰ میں اشارت و عبارت و محتمل و صریح کافرق ”عند و علی

“ہی کے لیے پوچھا تھا، اور وقایہ و فیصلہ حق نما و سلامۃ اللہ لابل السنہ نے کتنا کتنا واضح کر دیا کہ وہ حکایت

ہے نہ حکم، اور پھر بھی مورد گونا گوں احتمالات بخلاف اس حکم صریح بعبارۃ النص کے کہ مسجد میں اذان نہ ہو۔

مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ پھر بھی اسی ”عند و علی“ کا دامن پکڑا اور اپنا عیب اپنے خصم کے سر دھرا۔

(۳) پھر جو منصف ایمانی نگاہ سے ہمارا یہ رسالہ دیکھے گا جان لے گا کہ مولوی صاحب نے اللہ

عزوجل پر افترا کیے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان اٹھائے، قرآن عظیم کی آیتوں سے کھیل

کھیلے، اس میں ضرور انہوں نے اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لڑائی ٹھانی۔

(۲۹، ۱۸، ۱) جھوٹی عبارتیں دل سے گڑھ لیں، جھوٹے ترجمے جی سے تراش لیے، سچی عبارتیں

غلط بتادیں، قطع و برید کیں، تحریفیں فرمادیں۔ کیا یہ اور وہ کہ اللہ و رسول و قرآن کے ساتھ کیا سلف و خلف کا

طریقہ ہے؟۔ ان میں ضرور انہوں نے تمام سلف و خلف کی مخالفت کی، سبیل مؤمنین کا خلاف کیا۔

(۳۰) بت کی طرف سجدہ حلال کر لیا۔ اسے مولوی صاحب سمجھ لیں کہ وہ اس میں بدعت کے

موجد ہوئے یا شرک ایجاد کیا؟۔ یہ تیس میں چھبیس ۲۶/ ان کے اپنے کو تک خبیث ”رمتنی بدائہا

وانسلت“

(۸۸۴ و ۸۸۵) ابھی جو ”عند و علی“ کی نسبت گزارش ہو اور سائل میں اس پر متعدد تنبیہوں

کے بعد پھر عبارات و صرائح کے مقابل ان پر اصرار کیسا عناد ہے۔

(۸۸۶) سوال مفتی علامہ میں عبارت و اشارت کا فرق بھی پوچھا تھا، اس سے گولی بچا گئے کہ اپنا بھانڈا نہ پھوٹے، یہ کیسی عیاری ہے۔

(۸۸۷) پھر جواب نہ دینا اور ص ۵۹ پر کہنا کہ ”یہ گیارہویں سوال کا جواب ہے“ کیسا کذب ہے۔ غرض ع: اے تو مجموعہ خوبی زکامت گویم

تشبیہ: یوں تو انھوں نے اپنے خصم پر یہ ۳۳ افتر اکیے۔
(پونے گیارہ روپے انعام فی افتر اچونی)

مگر یہ یاد رہے کہ یہاں انھوں نے ایک بات کو کتنی باتیں بنا لیا ہے جس کا بیان قسم ۶ میں گزرا، لہذا مکرر پر انعام مکرر نہ ہوگا۔ اور اس گستاخی کو تو دیکھیے کہ اپنے اوپر تو چوالیس افتر اور اپنے خصم پر تینتالیس۔ خصم کا حصہ اپنے سے ایک کم رکھا۔ خیر:

ع: آں چہ زد دوست می رسد نیکوست

قسم (۲۳) حضرت شیخ مجد الف ثانی پر مولوی صاحب کی چوٹ
(انعام ۳ روپے)

(۸۸۸) مکتوبات جلد دوم مکتوب ۵۴ میں ہے: ”عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفته کرا مجال کہ دم از رفع بدعت و با حیاے سنت لب کشاید“
اس پر مولوی صاحب ص ۴۷ میں یوں نکھرتے ہیں

”سبحان اللہ کیا سمجھ ہے، کیسا تجدد ہے، یہی گمان آپ کا علمائے ربانیین پر ہے، اپنے آپ کو عالم تابع سنت بنانا اور ایک عالم کو جن میں سلف و خلف داخل ہیں جاہل پیرو بدعت قرار دینا“۔

ع: ایں کار از تو آید و مردان چنیں کنند

(۸۸۹) اپنے ناقص تعامل کو سلف سے جاننے کا بھی دھوکا حضرت مجدد نے وہیں اٹھا دیا، اس کے متصل فرماتے ہیں:

”علمائے ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند و جو کنند ہائے سنت، بدعت ہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بیجوز بلکہ باستحسان آن فتویٰ می دہند و مردم را بہ بدعت دلالت می نمایند و نمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست، تعاملے کہ معتبرست ہماں ست کہ از صدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع و مروج حاصل گشتہ“

اس پر مولوی صاحب ص ۴۲ پر یوں بکھرتے ہیں:
 ”علماء پر یہ بدگمانی کہ انہوں نے ایک عالم کو بدعت و ضلالت میں مبتلا دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں،
 حضور نے ((کل بدعة ضلالة)) (۱)

فرمایا: اور فرمایا میری امت ضلالت پر جمع نہیں ہوگی، جمع ہونا امت مرحومہ کا ضلالت پر لازم
 آگیا۔ جناب اس قول سے توبہ کرو، تکذیب مخبر صادق کی لازم آتی ہے، اس کا انجام برا ہے۔
 (۸۹۰) حضرت شیخ مجدد نے وہیں اس ادعائے اجتماع امت کی بھی قلعی کھول دی۔ فرمایا:
 ”شک نیست کہ علم بہ تعامل کا فہ نام و عمل جمیع قری و بلدان از حیطہ بشر خارج ست“
 اس پر مولوی صاحب بگڑے کہ واہ آپ ایسے ہی کہتے ہیں، ہمارے علم کی آپ کو کیا خبر،
 وہ دیکھیے ص ۱۸ کی تار برقی ”کہ تعامل اہل اسلام کا تمامی دیار و امصار میں ہے“
 وہ دیکھیے دوسرا تفصیلی ٹیلیگرام ص ۴۱ ”تمام عالم میں، عرب و عجم، ہند، افغانستان، خراسان،
 افریقہ، تمام دیار و امصار اہل اسلام میں ہے“

اور حالت یہ کہ خیر سے ہندوستان کی بھی خبر نہیں جس کا بیان ”نفی العار“ نے کر دیا جی تو حضرت
 شیخ مجدد نے ”رواج دہندہائے بدعت و محو کنندہائے سنت“ خطاب دیا۔

قسم (۲۴) اپنے استاد و پیر حضرت مولانا محمد ارشاد حسین سے کٹی چھنی

(انعام ۴ روپے)

(۸۹۱ تا ۸۹۴) مولوی صاحب تحریر دوم سوم اور اس چوتھی ”آثار المبتدعین“ سب میں ابن
 اسحاق کے ”رمی بالقدر“ ہونے پر کیا کیا بکھرے۔ ”رمی بالتشیع“ پر کیا کیا ماتم کیے۔ حالاں کہ یہ
 مرتبہ خامسہ ہے، اور اس مرتبہ کی حدیث مردود نہیں، ایسی صدہا حدیثیں صحیحین میں ہیں، یہ تو آپ کی دو
 جہالتیں ہوئیں۔

اور ان دونوں کے رد میں حضرت مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کا ”انتصار الحق ص ۱۰۰“ میں یہ
 ارشاد ہے:

”حدیث مرتبہ خامسہ کی مطلقاً متروک نہیں ہے، کما فی التقریب: الخامسة من قصر

عن الرابعة قليلاً وإليه الإشارة بصندوق سيء الحفظ وصدوق، أوله أو هام
أويخطى أو تغيرياً خره، ويلحق بذلك من رمي بنوع من البدعة كالتشيع والقدر
والنصب والارجاء والتجهم، انتهى

وقال في نخبة الفكر وشرحه: قيل: يقبل ما لم يكن داعياً إلى البدعة وهذا
أصح، وقال ابن الصلاح: هذا أعدل المذاهب وأولاها وهو قول الأكثر من العلماء
نیز ۲۵/ پر فرمایا: ”یہ موجب ضعف کا نہیں (الی قولہ) مرتبہ سادسہ تک کی ضعیف نہیں ہوتی تو
مرتبہ خامسہ کی کیوں کر ضعیف ہوگی“

کیوں مولوی صاحب! تم سچے یا تمہارے استاد و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ؟۔

(۸۹۵) انتصار میں ص ۳۹۵ پر فرمایا: ”بلاشبہ بقول صاحب تقریب ان کو نسبت صرف تشیع
کے کیا ہے لیکن نسبت تشیع سے حدیث ان کی ضعیف نہیں، اس لیے کہ تشیع سے جب روایت متروک ہوتی
ہے کہ داعیہ ہو طرف بدعت کے یا مقویہ ہو اس کی“
یہاں تشیع ثابت ہونے پر بھی یہ حکم دیا۔

(۸۹۶) یہ بھی یاد رہے کہ مولانا ارشاد حسین صاحب نے ”رمی بالتشيع“ کا ترجمہ یہ
فرمایا: ”ان کو نسبت طرف تشيع کے کیا ہے“ اب وہ آپ کو تحریر سوم میں اپنا جاہلانہ ترجمہ یاد ہو کہ ”چھوڑا گیا
بوجہ شیعہ ہونے کے“۔

(۸۹۷ و ۸۹۸) تقریب میں امام ابن اسحاق کی نسبت ”رمی بالتشيع والقدر“ ہے اور اس
قول اور ”شیعی قدری“ کہنے کا فرق اہل علم پر مخفی نہیں، نفی العار میں اس پر تنبیہ بھی کر دی ہے، تو ص ۲۸ پر
جو مولوی صاحب شیعی قدری فرما رہے ہیں دونوں جہالتیں ہیں۔ طرفہ یہ کہ وہیں عبارت تقریب نقل بھی
کر دی کہ ”رمی بالتشيع والقدر“ (۱)
تا کہ بکف چراغی نہ چھوٹے۔

(۸۹۹ تا ۹۰۱) تدلیس و عنعنہ ابن اسحاق پر بھی دوم سوم اور اس چوتھی آثار المبتدعین میں بہت
زمین کاٹی۔ یہ اول تو عناد ہے، کتنی بار اس کی خدمت گزاری ہو چکی اور کھول کر دکھا دیا کہ ہمارے امام اعظم
وامام ابو یوسف وامام محمد و جملہ ائمہ حنفیہ و جمہور ائمہ مالکیہ و حنبلیہ بلکہ دو سو برس تک صحابہ و تابعین رضی اللہ

تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب قبول مرسل ہے۔ عنعنہ مدلس میں تو صرف خوف و احتمال ارسال ہیں، جب ہمارے ائمہ کرام حقیقت مرسل کو قبول فرماتے ہیں خوف ارسال کیا مانع ہو سکتا ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو شروع شرح مشکوٰۃ میں اصطلاح محدثین میں ایک مقدمہ مذہب محدثین ہی پر تحریر فرمایا ہے، جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ جہالات مولوی صاحب میں آتا ہے اس میں بھی شیخ نے لفظ خوف کی تصریح فرمائی تھی کہ: ”عنعنہ از خوف تدلیس مقبول نیست“ آپ نے چالاکی سے لفظ خوف اڑا کر عبارت ص ۲۹ پر یوں نقل فرمائی:

”شیخ عبدالحق محدث تحریر فرماتے ہیں: عنعنہ مدلس معتبر نیست“

تا کہ محدثین کے قبول نہ کرنے کی وجہ نہ کھلے کہ اس کے کھلتے ہی باجماع ائمہ حنفیہ اس کا مقبول ہونا ظاہر ہو جائے۔ بالجملہ عنعنہ کے سوا اس خوف ارسال کے کوئی وجہ نہیں، جب مولوی صاحب اس کے اندیشہ سے حدیث کو رد کرتے ہیں تو مرسل بدرجہ اولیٰ مزدود ہوئی کہ اس میں یقیناً ارسال موجود ہے۔

اب مولانا ارشاد حسین صاحب کی سینے! انصار الحق ص ۲۶۲

”حدیث مرسل نزدیک امام ابی حنیفہ کے، اور قول مشہور میں نزدیک امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور باقی ائمہ اعلام بلکہ نزدیک سب تابعین کے اور جوان کے بعد ہیں اس مائتین تک محتج بہا اور مقبول ہے“

پھر اس پر عبارات علما نقل کیں جن میں تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام احمد سب کے نزدیک وہ مقبول ہے بلکہ جمیع ائمہ تابعین اور دو سو برس تک کے جملہ علما کا اس پر اجماع منقول ہے۔ کیوں مولوی صاحب! آپ سچے یا آپ کے استاذ و پیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۹۰۲) وقایہ اہل السنہ میں کتنے ائمہ کی تصریح دکھائی تھی کہ جس حدیث پر امام ابو داؤد سکوت فرمائیں صحیح حسن ہے، اور اس حدیث اذان جمعہ علی باب المسجد کو انہوں نے روایت فرما کر سکوت کیا ہے، پھر آپ جیسوں کو اس میں ضعف راوی، یا تدلیس، یا شذوذ و نکارت کے شاخصانے نکالنے کا کیا منہ ہے، مگر آپ نے ایک نہ مانی آخر مولانا ارشاد حسین صاحب علیہ الرحمہ کو انصار ص ۳۲ پر فرما نا پڑا کہ:

”ملا علی قاری فرماتے ہیں: قال السخاوي: يكفيينا سكوت أبي داؤد عليه فهو

حسن اه ملخصاً (۱)“

یعنی امام سخاوی نے فرمایا ہے: ابوداؤد کا اس پر سکوت فرمانا کافی ہے تو وہ حدیث حسن ہے۔
(۹۰۳) ائمہ نے عام حکم دیا: ”لا یؤذن فی المسجد“ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے،
آپ اور آپ کے موافقین نے اذان خطبہ کا اس سے استثناء کیا۔ مولانا ارشاد حسین صاحب نے فرمادیا: کہ
ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، اور کلام ائمہ کے یہ معنی بنانا معاذ اللہ ان کو گمراہ ٹھہرانا ہے کہ مراد تو یہ تھی کہ بعض اذانیں
مسجد میں منع نہیں اور حکم دے دیا بلا استثناء عام۔

انتصار ص ۴۰۳ پر ہے: ”عام میں استنراق افراد کا شرط ہے بر مذہب محققین حنفیہ بلکہ شافعیہ
کے بھی۔“

ص ۱۴۱ / العام بلا تخصیص یفید إرادة الكل فتأخیر المخصص تجهیل
للمكلف ، فانه یعتقد العموم من غیر أن یكون مراد الحاکم وهو إغواءه باختصار“
(۹۰۴) ائمہ نے مطلق فرمایا: ”یکره الأذان فی المسجد“ مسجد میں اذان مکروہ ہے، آپ
نے اسے اذان پنج گانہ سے مقید کیا۔ ہر چند آپ کو قاعدہ اصول بتایا گیا آپ نے نہ سنا، آخر مولانا کو انتصار
ص ۳۲۱ میں کہنا پڑا: ”حکم مطلق کو مقید کرنا بلا قرینہ تقیید نزدیک اہل تحقیق کے کیسے مقبول ہو۔“

(۹۰۵) آپ نے اس اذان کے داخل مسجد ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا اور اس پر سند کیا صرف
آپ کی زبان، اصلاً کسی سے نقل پیش کی کہ اس پر اجماع ہے؟۔ (۱)
آخر مولانا نے ص ۳۴۵ پر فرمایا ہی کہ: ”کسی نے اہل ملت اسلام میں سے اس پر دعویٰ اجماع
نہ کیا، نہ مؤلف۔ نے کہیں سے یہ امر نقل کیا (الی قولہ) پس ایسا دعویٰ اجماع اہل انصاف کیوں کر قبول کریں
گے“

دیکھو کیسا صاف فرمادیا: کہ زبانی جمع خرچ سے نہ اجماع ثابت ہو، نہ اہل انصاف اسے قبول
کریں۔

(۹۰۶) آپ نے جو چون ۵۴ سوالوں سے صرف دس کے جواب کا نام کیا وہ بھی سخت جہالتوں
سفاہتوں ڈھٹائیوں سے اور اسے چون سوالوں کا رد و جواب ٹھہرایا۔ دیکھیے مولانا اس پر کس درجہ ناراض
ہو کر فرماتے ہیں: ص ۳

۱۔ اجماع کی کیا خاک نقل دکھاتے آج تک ایک کتاب سے مسجد میں ہونے کا ثبوت تک تو دے
نہ سکے۔ ہاں ہاں دیا کیوں نہیں صلاۃ مسعودی سے اس پر پچاس روپے کے اشتہاری ہوئے۔ ۱۲

”جواب ہر بحث و دلیل کا بہ تفصیل حوالہ قلم فرمائیں، اور اگر بعض ناپسند ہوں تو اس کا جواب لکھیں اور باقی کو صراحتاً تسلیم کریں، اور یہ شایان اہل علم نہیں کہ چند مواقع بے ملاحظہ سابق و لاحق محل اعتراض ٹھہرائیں اور اس کا نام رد و جواب قرار دیں۔“

(۹۰۷) علمائے ناصحین کا داب ہے کہ احکام و اباحت واضح اس زبان میں لکھتے ہیں جس سے عوام منتفع ہوں، باقی مدقیق و علمی تحقیق کہ صرف علما کے سمجھنے کی ہوتی ہے زبان عربی میں۔

فتوائے مبارکہ میں یہی طریقہ انیقہ تھا۔ تحقیق مسئلہ کر کے ازالہ اوہام بزبان عربی فرمایا: مولوی صاحب کو اردو ہی سمجھنے کے لالے پڑے تھے، عربی دیکھ کر بہت جھنجھلائے اور ص ۵۳ پر بولے:

”پہلی غلطی مولانا کی عوام الناس کو دھوکے میں ڈالنا کہ یہ کوئی بڑی روایت کسی کتاب کی ہے قول

مولانا کا: أقول وبہ ینجلی مافی الجلابی الخ“

انتصار الحق میں اس کے نظائر جا بجا ہیں۔ صدر ص ۱۲۱۔ وسط ص ۱۹۲۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور آخر ص ۳۔ و اوائل ص ۲۱۹ میں ”اقول“ کہہ کر اپنی عبادت عبارات منقولہ سے ملا دی ہے۔ مولوی صاحب کہیں گے: یہ حضرت مولانا مرحوم کی غلطیاں ہیں، انھوں نے عوام کو دھوکے میں ڈالنے کو یہ حرکتیں کی ہیں، خصوصاً جہاں عبارات منقولہ میں اپنی عبارت ملاتی ہے کہ عوام جانیں یہ سب منقول ہے، آپ کی سی سمجھ والا جو ”اقول“ کو نہ سمجھا ”انتہی“ کو کیا جانے گا، اور جانا بھی تو یہ کیوں کر کہ یہ ”انتہی“ مولانا کا قول ہے۔ یا منقول عنہ میں داخل ہے۔

(۹۰۸) مولانا ارشاد حسین صاحب کو کیسے خبر ہوگئی کہ آپ عبارات ائمہ میں تحریف کریں گے۔

”لکراهة الأذان“ کا ”فصار کالأذان“ بنا لیں گے، سچی واقعی عبارت کو جھٹلائیں گے، کلمہ کو اس کی جگہ سے بدلیں گے۔ ”ینبغی أن“ کو اوپر سے توڑ کر ”لابیؤذن“ پر لا دھریں گے۔ وغیرہ وغیرہ کہ گزرا اور آتا ہے، غالباً اپنے نور باطن سے ادراک فرمایا ہوگا، جب تو ص ۳ پر فرمایا:

”واقعی امور کو جھٹلانا اور نصوص ظواہر اور تصریحات اکابر میں تغیر کرنا شیوہ عنود اور پیشہ یہود ہے

﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تَأْتِكُمْ فَاخْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (۱)

اس مدعا پر گواہ ہے۔“

(۹۰۹) مولانا نے یہ بھی اپنے کشف سے جانا کہ آپ عبارات میں قطع و برید کریں گے جب تو ص ۱۹ پر فرمایا:

”اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منکر دین کہے کہ نماز پڑھنا حرام ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ﴾ (۱)

(تیرہ ۱۳ کٹی چھٹی پر سواتین روپے انعام فی ۱۴)۔

(قسم ۲۵) بد مذہبی کا لٹکا

(انعام ۱۲)

مولوی صاحب نے نام کتاب سے اپنے خصم کے معاذ اللہ مبتدع ہونے کا اشعار کیا۔
ص ۴۳ پر بولے: ”باہر مسجد کے کہلوانا اس اذان کا بدعت ہے اور یہی حق ہے“ و— اذا
بعد الحق إلا الضلال۔“

ص ۵۹ ”لاندہی اختیار کی، سبیل مومنین کا خلاف کیا، ایک بدعت کے موجد ہوئے“
یہ تو مولوی صاحب کے زبانی ہدیان تھے جن کے رد آفتاب سے روشن تر ہو گئے۔ زبان اختیار
میں ہے، یوں تو کفار ملت اسلام کو بدعت بتاتے تھے کہ

﴿مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ﴾ (۲)

مگر تجربہ ہوا ہے کہ:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پا کان برد

مولوی صاحب کی بد مذہبی کے لٹکے لاندہی کے لپکے اس آثار المبتدعین میں جھلک دے گئے۔

(۹۱۰ تا ۹۱۴) مولوی صاحب نے ص ۴۴ پر آ یہ کریمہ: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (۳) کے ایک مہمل بے معنی جواب کو اپنی بے حقیقت نمبر بازیوں سے تین بنا کر فرمایا:

(۱) [سورة النساء: ۴۳]

(۲) [سورة ص: ۷]

(۳) [سورة البقرة: ۲۵۵]

”پہلی غلطی دعویٰ ظرف مکان اور سند ظرف زمان۔ دوسری غلطی امکانہ محدود متعین قارالذات زمانہ غیر محدود غیر متعین غیر قارالذات، ایک دوسرے پر قیاس چوتھی غلطی، تعمیم زمانہ سے تعمیم مکان لازم نہیں۔“

اولاً: کمال جہالت ہے، بین یدی زمان کے لیے مکان سے مستعار ہے۔ ”کما فی عنایة القاضی“ استعارہ کو قیاس جاننا مولوی صاحب ہی کی عقل ہے، مستعار لہ میں وہی آئے گا جو اصل میں ہے نہ کہ وہاں ڈیڑھ گز پر تھک رہے، اور یہاں کر دروں برس تک ممتد ہو، اگر وہ قرب تنگ پر محصور تھا اگر کے معنی میں وہ تنگی داخل تھی تو اسی تنگ کو تا ہی کو تو زمانے کے لیے استعارہ کیا ہے، نہ کہ اتنے وسیع کو، پھر یہ وسعت کدھر سے آئی۔

ثانیاً: مولوی صاحب مکان کو محدود مانتے ہیں اور زمانہ کو غیر محدود، عجب کہ وہ کہ محدود میں تھک رہا تھا غیر محدود کو احاطہ کر لے، عکس ہوتا تو ایک بات قرینے کی ہوتی کہ اس میں ایک محدود وسعت تھی محدود کو گھیر لیا نامحدود میں تھک رہا، مگر نہیں مولوی صاحب اٹنی گنگا بہا رہے ہیں کہ محدود کے آگے بھیز اور غیر متناہی پر شیر۔ مولوی صاحب شاکی نہ ہوں اگر اس میں کچھ کچھ طرز انہیں کی لی ہے۔

ثالثاً: طرفہ یہ کہ زمانہ غیر متعین، زمانہ آپ کے نزدیک معدوم ہے تو وہ کونسی ذات ہے جسے غیر قارو غیر محدود کہا، اور موجود ہے تو موجود کو تعین لازم۔ موجود غیر متعین آپ کے یہاں بستا ہوگا۔

رابعاً: خیر یہ تو ان کی خوش فہمیاں ہیں کہ ان کے مزعوم زمانہ کی طرح نامحدود ہیں، یہاں گزارش طلب یہ ہے کہ مولوی صاحب نے اس کلام میں متکلمین اہل سنت کا مذہب چھوڑا اور فلاسفہ اہل ضلالت کا مذہب اختیار کیا، متکلمین کے نزدیک زمانہ ہو یا مکان دونوں حینت غیر متاصلہ امر اعتباری موہوم ہیں، تو جیسا مکان محدود ہے، یونہی زمانہ بھی کہ اعتباری انقطاع اعتبار سے منقطع ہوتا ہے، جیسا زمانہ غیر محدود ہے یونہی مکان بھی کہ اعتبار کے لیے کوئی حد محدود نہیں، آخر نہ دیکھا کہ متکلمین عالم کے باہر بھی مکان یعنی وہی بعد موہوم مانتے ہیں، وہاں کیا نجو خاں کا گھیر ہوگا، یا رامیو کی بانسی، کہ ایک حد پر جا کر روک دی۔

مواقف میں ہے: ”المکان البعد السفر ووض والخلاء خارج العالم عند المتکلمین بعد اہ ملتقطاً“ (۱)

خامساً: زمانی کا غیر محدود ہونا بمعنی لاتناہی کمی تو ناممکن ہے کہ اسے غیر قارالذات کہہ رہے ہیں،

اس کے دو جز جمع نہیں ہو سکتے نہ کہ اجزائے غیر متناہیہ۔ ہاں لائق ہو یعنی زمانہ ہمیشہ یونہی چلا جائے گا کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہ انکار قیامت کی طرف جاتا ہے، کہ زمانہ موجود ماننے والوں کے نزدیک یا وہ عین واجب تعالیٰ ہے: سبحنہ وتعالیٰ عما یقول الظلمون علواً کبیراً۔ یا فلک اعظم۔ یا اس کی حرکت۔ یا اس کی مقدار۔ اور یہی ان میں اشہر و اظہر ہے۔ اول تو کفر و ہریت ہے، اور باقی تین کا فنا نہ ہونا انکار قیامت، بلکہ یوں کہیے کہ اسے جس دلیل سے جانب مستقبل میں غیر محدود کہا جاتا ہے کہ منتہی ہو تو زمانہ کے بعد زمانہ لازم آئے۔ یہ دلیل اگر صحیح ہو تو بعینہ اسی دلیل (۱) سے جانب ماضی میں بھی غیر محدود ہوگا کہ حادث ہو تو زمانہ سے پہلے زمانہ لازم آئے۔ اب فلک اور اس کی حرکت سب قدیم ہو گئے۔ یا کم از کم ذات و صفات الہی کے سوا مخلوقات میں سے ایک شی قدیم ٹھہری۔ اور یہ باجماع مسلمین کفر ہے ”کما بینتہ فی مقامع الحديد علی خد المنطق الجديد“۔

مولوی صاحب! شکر کیجیے کہ لازم قول قول نہیں ہوتا۔

(۹۱۵) ائمہ کرام تو حکم فرمائیں کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔

اور آپ اس کے مقابل ص ۱۰ پر اپنی اجتہاد دانی لے کر چلیں کہ: ”درایۃ کوئی وجہ کراہت و ممانعت کی قائم نہیں، نہ کوئی ممانعت جانب شرع سے منقول ہے“۔

اور کیا لاندہوں غیر مقلدوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں، وہ بھی تو احکام فقہ کے مقابل یوں ہی کہا کرتے ہیں کہ نہ درایۃ اس کی کوئی وجہ نہ شارع سے منقول۔ مقلد کی شان تو یہ ہے کہ ”یحجب اتباع المنقول وإن لم یظہر للعقول“ منقول کی پیروی واجب ہے، اگرچہ عقل میں اس کی وجہ نہ آئے۔ ”کما فی ردالمحتار“۔ (۱)

(۹۱۶ تا ۹۲۲) ائمہ کرام نے کہ مسجد کے اندر اذان کی کراہت و ممانعت کا حکم فرمایا، انہوں نے تو

۱۔ یہ سب خباثیں اسے حقیقت متاصلہ ماننے سے پیدا ہوتی ہیں، لہذا اہل سنت نے ”گر بہ کشتن روز اول باید“ پر عمل فرمایا اور ناجی ہوئے۔ مولوی صاحب ان مباحث کو کیا جانیں، آنکھیں بند کیے فلاسفہ کے پیچھے ہو لیے: اذا کان الغراب دلیل قوم سیہدیہم طریق الہالکینا

نسأل الله السلامة. ۱۲ منہ

اس کی کوئی علت ذکر نہ فرمائی، جیسے اور لاکھوں احکام فرماتے ہیں اور علت نہیں بتاتے۔ یہ بات کہ ہمسایوں کو آواز زیادہ پہنچے، علما نے بلند منارہ پر اذان کی علت بتائی تھی، آپ نے اپنے اٹھے اجتہاد سے اس حکم ممانعت و کراہت کی اسے علت ٹھہرایا کہ:

”ص ۴۰ روایات مولانا سے اولویت اذان کی ایسے محل میں کہ اسمع للبحیر ان ہو“

اور علت بھی باحصر جس پر یہ جزم کہ:

”ص ۱۰ اس قدر سے صرف اولویت نکلی۔ کراہت و ممانعت کی کوئی وجہ نہیں“

اور اس پر یہ ظلم کہ:

”ص ۱۰ ایسے محل پر کہ اسمع للبحیر ان ہو، خواہ مسجد میں ہو۔ یا منارہ پر ہو۔ یا فنا میں ہو۔ مستحب و اولیٰ

ہے“

چلیے وہ بیرون مسجد کی اولویت بھی اڑ گئی، اور پھر اب سے فقہائے کرام کی مراد قرار دیا۔ ان جراتوں بے باکیوں پر آپ سے گزارش کہ:

اولاً: مسئلہ کراہت و ممانعت اذان فی المسجد کی یہ علت فقہائے کرام نے کہاں بتائی ہے، کیا یہ ان پر اتر نہیں؟۔

ثانیاً: علت حکم اپنی طرف سے تراشنا، اور اس میں حصر سمجھنا، اور اس پر جزم کرنا، مجتہد کا کام ہے یا مقلد کا؟۔ جو ناقص قاصر بھی اوانے پونے مقلدوں کے مرتبہ علمی کونہ پہنچا ہو، اس کی ایسی جرات، دعویٰ اجتہاد اور لاندہبی کافساد ہے یا نہیں؟۔

ثالثاً: علت حکم وہ ہوتی ہے کہ حکم ثابت کرے۔ یا وہ کہ نفی کرے؟۔ آپ نے علت کراہت و ممانعت فقہاؤہ نکالی جس نے کراہت و ممانعت ہی اڑادی۔ خود فرمایا: ”کوئی وجہ کراہت و ممانعت کی نہیں“ یہ کیسا اجتہاد ہے؟۔

رابعاً: کھینچ تان کر حکم کراہت و ممانعت کونرے حکم استحباب سے بدلا، پھر اسے بھی اڑادیا۔ یہ کیسا تناقض و ہذیبانی اجتہاد ہے؟۔

خامساً و سادساً: آپ خود فرماتے ہیں: ”جب صحن مسجد میں کھڑے ہو کر اذان لہے۔ بخوبی آواز محلہ میں پہنچ جاتی ہے“۔ تو اگر علت وہ ہوتی جو آپ نے گڑھی حکم یہ ہوتا کہ بند جگہ اذان نہ چاہیے۔ اگرچہ فنائے مسجد ہو، کھلی جگہ چاہیے اگرچہ صحن مسجد ہو، لیکن علما نے مسجد میں مطلق ممانعت فرمائی اور فنائے مسجد میں مطلق اجازت، تو حکم کے دونوں حصے آپ کی علت پر تیغ دودستی ہیں یا نہیں؟۔

کیوں مولوی صاحب! کیا ایسی ہی مورتوں کو زیب دیتا ہے کہ احکام شرع کی علت اپنے دل سے نکالیں اور حکم علما کو خلاف عقل و درایت بتائیں۔ اللہ رے اجتہاد کی ارزانی، کیسوں کیسوں تک پہنچا ہے۔

آدمیان گم شدند

خود یہ کوتک اور جو اتباع حکم فقہا کریں ان پر وہ ہمک کہ: ”مولانا نے بالکل اجتہاد کو دخل دیا ہے روایات فقہیہ سے قطع نظر کر لی ہے“ ص ۴۰

”لا مذہبی اختیار کی“ ص ۵۹

اللہ شرم دے اگر چہ نہ دی، اور ظاہر یہی ہے کہ نہ دے کہ متعصب معاند، خائن، حاسد کوراہ نہیں

ملتی۔

سابعاً: علت حکم پر ”وقایہ اہل السنہ“ نے کافی کلام کیا تھا، ہمیشہ سب کچھ دیکھنا اور آنکھ بند کر لینا کیسا عناد ہے۔

(۹۲۳) سب مخالفین کو یہ مرض ہے کہ علمائے اہل حق نے حدیث دکھائی۔ یہ بڑا جرم کیا کہ رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین کے یہاں کا طریقہ عمل بتایا، ازاں جملہ مولوی صاحب ص ۵۲ پر بولتے ہیں:

”ہم مقلدوں کو استدلال بالحدیث سے کیا غرض، یہ کام مجتہدین کا ہے“

مسلمان ملاحظہ کریں، فتوائے مطبوعہ بریلی میں سائل نے دو سوال اول میں زمانہ اقدس و عہد

خلافت کا واقعہ پوچھا کہ:

”(۱) اذان ثانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر ہوتی تھی، یا

باہر؟-

(۲) خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی۔“

واقعہ کا جواب حدیث سے ہوتا۔ یا مولوی عبدالغفار خاں کی طرح اپنی من گڑھت سے کہ حضور

اور صدیق و فاروق۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر جمعہ کا

خطبہ فرماتے۔ واقعہ کا ثبوت حدیث سے دینا بھی مجتہد ہی سے خاص ہے۔ زہے جہالت،

اس کے سوا فتوائے مبارکہ تحفہ حنفیہ میں حدیث مذکور دو مقصدوں کے لیے پیش کی ہے کہ

فرمایا: ”اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین دیدیہ کے معنی بھی پیش ہوں اور ادعائے توارث

کا بھی حال کھلے“

ان میں دوسرا مقصد تو وہی بیان واقعہ ہے کہ جب زمانہ رسالت و خلافت میں اس کے خلاف تھا تو توارث کیسا۔ اور یہاں مقصد معنی لفظ کا بیان ہے کہ دیکھو صحابی عربی نے دروازہ مسجد کی اذان کو بین ید یہ فرمایا۔ کیا بیان معنی لفظ کے لیے حدیث پیش کرنا بھی خاص مجتہد کا کام ہے؟۔ زہے جہالت۔

(۹۲۳ تا ۹۲۴) یہ جو آپ نے آثار المبتدیین میں بیس حدیثیں پیش کر کے ٹھیٹھ مقلد ہو کر مجتہدین کا کام کیا ہے، آپ نیس دفعہ لاندہب ہوئے۔

(۹۲۴) اپنے استاد و پیر حضرت مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کی ”انتصار الحق“ دیکھیے، استدلال بالا حدیث سے بھری پڑی ہے۔ آپ کے نزدیک وہ کوئی سو گئے غیر مقلد ہوئے۔

(۹۲۵ تا ۹۲۸) ملا جی! ذرا اپنی خبر لیجیے: آپ تو ص ۱۵ پر حدیث ترمذی، اور ص ۱۶ پر دو حدیث ترمذی و ابن ماجہ، خاص اثبات حکم کے لیے پیش کر چکے ہیں اور وہ بھی حکم فقہ کے رد کو، اور ص ۲۰ پر اپنے استدلال میں گنایا: ”تین حدیثیں صحاح کی جن سے جواز مطلقاً اذان کا مسجد میں ثابت ہے“ یہ ضرور خاص مجتہدین کا کام ہے۔ کیا اسی منہ سے کہا تھا کہ ”ہم مقلدوں کو استدلال بالحدیث سے کیا غرض یہ کام مجتہدین کا ہے“ دیکھیے وہ تین صراحتہ آپ کی لاندہبان، اور اس پر یہ قول صریح تناقض اور اپنی چنائی ڈھانا ہے (اٹھائیس بد مذہبیوں پر پونے دو روپے انعام، فی بد مذہبی ۱)

(قسم ۲۶) اللہ ورسول وشریعت وائمہ کے ساتھ

مولوی صاحب کی چوالیس گستاخیاں

(انعام کچھ نہیں)

مولوی صاحب کی اٹھارہ ۱۸ گستاخیاں اقسام بالا میں ذکر کر دی گئیں۔ دو صاحب درمختار سے کہ ان کو مخالف غرض شارع بتایا۔ مخالف عقل و نقل بتایا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و جملہ کتب حدیث سے کہ ان میں موضوعات بھری ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ جمیع ائمہ مجتہدین سے کہ ان کا اللہ ورسول سے مقابلہ ہے۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جمہور ائمہ مالکیہ سے کہ ان کا اللہ ورسول سے مقاتلہ ہے۔ اللہ عزوجل کی صفت رحمت سے دو کہ اسے ہواؤں سے مؤخر رکھا۔ دو قرآن عظیم سے کہ اس کی آیت کو معاذ اللہ باز پچہ بنایا۔ دس یہ ہوئیں، اور آٹھ ۸ حضرت شیخ مجدد سے کہ ان کے ارشاد کیے ہوئے مطالب پر کہا: ”سبحان اللہ کیا سمجھ ہے۔ کیسا تجدد ہے۔ علمائے ربانی پر بدگمانی۔ اپنے آپ عالم قبیح سنت بننا اور ان کو پیر

و بدعت بنانا۔ این کار از تو آید و مردان چنین کنند۔ اس قول سے توبہ کرو۔ تکذیب منجر صادق کی لازم آتی ہے۔ اس کا انجام برا ہے۔“ آگے چلیے۔

(۹۳۹) ص ۹ پر لکھا: ”آں حضرت صلعم کے زمانہ میں“

غلامان مصطفیٰ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یوں لکھتے ہیں: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ صلعم بلعم بے ادبی، محرومی، بے برکتی ہے۔

طحاوی علی الدر المختار میں ہے: ”یکره الرمز بالصلاة والترضى بالكتابة بل یکتب ذلك كله بکماله“ یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یا۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ یا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کی جگہ اس کا کچھ اختصار لکھنا (کوئی صلعم لکھتا ہے کوئی ”یا“ یہ سب مکروہ ہے، بلکہ ان سب کو پورا کامل لکھے۔

مقدمہ منہاج امام ابو زکریا نووی میں ہے: ”یکتب عند ذکر النبی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بکمالها لا رمزاً الیہما ولا مقتصراً علی أحدهما (إلی قوله) ومن أغفل هذا حرم خیراً عظیماً وفوت فضلاً جسیماً“ (۱)

جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک آئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پورا لکھے، نہ صلوٰۃ و سلام دونوں کی رمز نہ فقط ایک پر قناعت (جیسے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یا علیہ السلام) اور جس نے اس سے غفلت کی وہ بڑی خیر سے محروم ہو اور بڑا فضل اس کے ہاتھ سے گیا۔

فتح المغیث امام سخاوی میں ہے: ”واستحب أهل العلم أن یکرر الکاتب الصلاة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلما کتب، قالوا: ولا ینبغي أن یرمز بالصلاة كما یفعله الکسانی والجهلة وعوام الطلبة فیکتبون صورة ”صلعم“ بدلاً من صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔“ (۲)

اہل علم نے مستحب رکھا کہ کاتب جتنی بار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر اقدس لکھے ہر بار درود لکھے، اور فرمایا: درود کا اختصار لکھنا زیبا نہیں جیسے کابل اور جاہل اور عامی طلبہ ”صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ کے بدلے ”صلعم“ لکھتے ہیں۔

(۱) [شرح النووي علی مسلم فصل: ۱/۳۹]

(۲) [فتح المغیث بشرح ألفیة الحدیث: ۳/۴۷]

سفطی علی الجواہر الزکیہ میں اثلہ تحت کے آخریں ”صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ کا ”صلعم“۔ ”علیہ السلام“ کا ”عم“ ذکر کر کے کہا:

”ینبغی اجتناب الأخير تین وإن أكثرت منه الأعاجم فاحذر ذلك“

ان دو سے بچنا چاہیے، اگرچہ عجمی اکثر ایسا کرتے ہیں، اس سے بچ۔

بلکہ تاتار خانہ سے منقول ہوا:

”من كتب علیہ السلام بالهمزة والميم يكفر؛ لأنه تخفيف، وتخفيف

الانبياء كفر بلاشك“

جو علیہ السلام کی جگہ اس کا اختصار ہمزہ اور میم سے لکھے وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ ہلکا کرنا ہوا، اور

انبیا کو ہلکا کرنا یقیناً کفر ہے۔ یہ اگر صحیح ہو تو آفت آشد ہے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

(۹۵۰) قرآن عظیم نے جو معنی بین نید یہ کے ارشاد فرمائے ان کی نسبت ص ۴۶ پر فرمایا:

”یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، شرح حدیث کے، فقہائے حنفیہ کے“

اور نہ جانا کہ قرآن عظیم کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و فقہاء و محدثین کی طرف نسبت

کرنا ان کے ساتھ کیسی شدید گستاخی ہے۔

(۹۵۱) بفرض محال ایسا ہوتا تو وہ شرح و فقہاء ہی مورد طعن و اعتراض ہوتے جنہوں نے ارشادات

قرآن عظیم کا خلاف کیا، مگر نہیں آپ کے دھرم میں مخالفت فقہاء کی وجہ سے قرآن عظیم مورد اعتراض ہے،

اور اعتراض بھی کیسا کہ بزعم باطل مخالفت فقہاء۔

معنی ارشاد فرمودہ قرآن عظیم کو ص ۴۱ پر کہا: ”اوہام باطلہ اور شیطانی وسوسے“ إناللہ وانا الیہ

راجعون۔

(۹۵۲) اذان جمعہ کہ قرآن عظیم میں مذکور، اور وہی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ

اقدس میں تھی، اذان شرعی سے خارج کر دی۔ ص ۵: ”اذان شرع میں نام اعلام غائبین کا ہے“ ص ۱۰

اور اذان منبر واسطے اعلام حاضرین کے ہے۔“

(۹۵۳ تا ۹۵۵) یہ تغیر شرع معاذ اللہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر باندھی،

ص ۸: ”زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی اذان اول واسطے اعلام غائبین کے ہے اور

اذان ثانی واسطے احیائے احکام کے کہ لوگ سکوت اختیار کریں“

جہالت یہ کہ احکام کو انصاف حاضرین میں منحصر کر دیا، اعلام غائبین کیا حکم نہیں؟۔ عناد یہ کہ اذان

من اللہ وغیرہ میں اس پر کس درجہ تنبیہ کر دی تھی مگر ٹھہر گئی ہے کہ مشنوی۔

(۹۵۶) قرآن عظیم کی سنت کریمہ ہے کہ ایک ایک سوال یا کفار کا شیطانی اعتراض جدا جدا ذکر

فرما کر جواب ارشاد فرماتا ہے:

- ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِبُ لِلنَّاسِ وَالْحَجَّ﴾ (۱)
 ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّوَالِدَيْنِ﴾ (۲)
 ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾ (۳)
 ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ﴾ (۴)
 ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۵)
 ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتْمَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ﴾ (۶)
 ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَى﴾ (۷)
 یعنی:

سوال: ہلال کیوں ہوتا ہے؟۔

جواب: حج اور معاملات کے وقت باندھنے کو۔

سوال: راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟۔

جواب: جو اچھا مال خرچ کرو تو ماں باپ اور فلاں فلاں کو دو۔

سوال: ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟۔

جواب: گناہ کبیرہ ہے۔

سوال: شراب اور قمار کیسے ہیں؟۔

جواب: ان میں گناہ کبیرہ ہے۔

سوال: کیا خیرات کریں؟۔

(۲) [البقرة: ۲۱۵]

(۱) [سورة البقرة: ۱۸۹]

(۴) [البقرة: ۲۱۹]

(۳) [البقرة: ۲۱۷]

(۶) [البقرة: ۲۲۰]

(۵) [البقرة: ۲۱۹]

(۷) [البقرة: ۲۲۲]

جواب: جو اپنے سے بچے۔

سوال: تیشموں سے کیسا برتاؤ ہو؟

جواب: ان کے کام بنانا بہت خوب ہے۔

سوال: حیض کا کیا حکم ہے؟

جواب: نجاست ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں: معاذ اللہ یہ طفلانہ حرکت ہے۔

ص ۶۰ ”اس طرح پر بچے دیتے ہیں۔ ص ۱۵۹ بچوں کی طرح ہے کہ پہلے سوال کا جواب

دوسرے کا“

جوابوں سے اپنے فرار کو کس ناپاک عذر سے چھپایا ہے، ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی

العظیم۔

(۹۵۷) قسم ۱۷ میں سن چکے کہ اگر ایک لفظ ایک محل پر آئے اور اس کے بیان معنی کو کوئی شاہد

پیش کیا جائے جس میں وہ لفظ کسی اور تذکرہ میں آیا ہے تو مولوی صاحب کی عاقلانہ تمیز داری میں یہ شاہد لانا

اس محل کو اس واقعہ پر قیاس کرنا اور دونوں میں باہم مساوات و اتحاد ماننا ہوتا ہے۔

بہت اچھا اقرار تو آزار تو، اس پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اپنی ایک بھاری

گستاخی تو وہیں قسم ۱۷ میں دیکھ چکے کہ معاذ اللہ انھوں نے اللہ عزوجل کو ایک عورت پر قیاس کیا۔

آگے چلیے! آپ ”بین یدی الخطیب“ کے معنی گڑھنے کو ص ۲۰ پر ”اذا جلس بین

شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل أنزل أولم ينزل“ (۱)

قول فقہا بنا کر لائے حالاں کہ یہ مضمون تو صحیح حدیث کا ارشاد ہے، یعنی جب مرد عورت کے

چاروں گوشوں کے بیچ میں بیٹھے اور کوشش یعنی کافی جنبش کرے تو غسل واجب ہو گیا اگرچہ انزال نہ ہو۔

امام قاضی عیاض شرح صحیح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

”المراد شعب الفرج الأربع“ چاروں گوشوں سے فرج زن کے چاروں کنارے مراد

ہیں۔

کیوں مولوی صاحب! اب اپنے قیاس و مساوات و اتحاد لے کر چلیے، آپ نے خطیب کے

ہاتھوں کو کس چیز پر قیاس کیا؟۔ اور مؤذن کے ان کے بیچ میں کھڑے ہونے کو کا ہے، کس کے بیچ میں ہونا ٹھہرایا؟۔ وہاں بولے تھے: ”کیا بین یدی عذاب اور بین یدی خطیب ایک چیز ہیں“ اب اپنے اوپر کہیے کیا خطیب کے ہاتھ اور عورت کی فرج کے گوشے ایک چیز ہیں۔

(۹۵۸) وہاں بولے تھے: ”معنی یہ ہوئے کہ جیسے علم الہی شامل ہے سب اشیا کو ایسے اذان دینا شامل ہے جمیع امکانہ کو“

اب اپنے اوپر کہیے! معنی یہ ہوئے کہ جس طرح کیشی کا ہے کے گوشوں میں داخل ہے؟۔ ایسے ہی مؤذن خطیب کے ہاتھوں میں داخل ہو جائے۔

(۹۵۹) اسی ص ۲۰ پر ہذلی کا شعر لائے:

فلاقتہ ببلقعة براح فصادف بین عینہ الجبوا (۱)

جس میں وہ شکاری پرندہ عقاب کا وصف بیان کرتا ہے، کہ اس نے شکار کو ایک ویرانے کف دست میدان میں جالیا تو اس شکار کا ماتھا سخت زمین سے جاگا۔

یہاں مولوی صاحب نے خطیب کے سینہ کو اس اجل گرفتہ شکار کے ماتھے کی مانند مانا جو اوندھے منہ گرنے میں کمری زمین سے ٹکرایا ہو، اور مسجد کو وہ کھنڈر بنایا جہاں شکار پر یہ بلا اتری۔

(۹۶۰) اور معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اس کا ماتھا زمین سے ٹکرایا یونہی خطیب کی چھاتی مؤذن سے ٹکرانی چاہیے۔

(۹۶۱ تا ۹۷۰) فقہی روایتیں جو آخر ص ۲۱ سے ص ۲۵ تک لائے ان میں مؤذنون کو (جن کی

تعریف میں قرآن عظیم فرماتا ہے ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ﴾ (۲)

اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔ اور ان کے فضائل سے حدیثیں مالا مال ہیں) پہلی دوسری تیسری روایت سند میں لا کر آگ بھٹی اور تنور بتایا۔ اور ۷، ۸، ۹، ۱۰ سے سانپ بچھو بنایا۔ اور ۱۹، ۲۰ سے عورت ٹھہرایا۔ ۱۸ سے ان نافرمانوں کی مانند جو نمازی کے سامنے گزریں جن کو حدیث میں شیطان فرمایا۔

(۹۷۱) جی ہاں معنی بھی تو کہیے، یعنی جس طرح نمازی کے آگے سانپ بچھو گزرے تو اسے

(۱) [المعاني الكبير في أبيات المعاني الأبيات في العقاب: ۱/۲۸۱]

(۱) [سورة فصلت: ۳۳]

اجازت ہے کہ لکڑی سے اس کا سر کچل دے، یونہی جب خطیب منبر پر بیٹھے اور مؤذن آ کر کھڑا ہو تو خطیب کو اجازت (۱) ہے کہ لاٹھی سے اس کا سر کچلے۔

(۹۷۲) نہیں نہیں بلکہ جس طرح وہ لوگ نمازی کے سامنے گزرنے سے گنہ گار ہوئے، اور اصرار کریں تو شیطان، یونہی مؤذن جو خطیب کے سامنے اذان دینے کھڑا ہوتا ہے گناہ کرتا ہے، خطیب کو چاہیے اسے منع کرے، نمازی اس سے قتال کرے کہ وہ شیطان ہے۔ مولوی صاحب کا فتویٰ ہے۔

(۹۷۳ تا ۹۷۸) ص ۳ سے ۲۶ تک حدیثیں لائے، ان میں مؤذن کو پانچویں حدیث سے بھنی بکری۔ چھٹی سے کدو۔ ساتویں سے چھوہارا۔ بارہویں بیسویں سے کھانے پانی کا برتن ٹھہرایا ہی تھا۔ کیا اگر کوئی مولوی صاحب کو بھنی بکری یا کدو یا چھوہارا یا کونڈا یا تاشلا کہے، تو اپنی توہین نہ سمجھیں گے۔ غضب یہ کہ اٹھارہویں سے مؤذن کو کتابنا دیا۔

(۹۷۹) معنی یہ ہوئے کہ جیسے بھنی بکری کدو وغیرہ چیزیں کھانے والے کے سامنے بے دم پڑی ہوتی ہیں، اسی طرح مؤذن کو چاہیے کہ خطیب کے سامنے دم سادھ کر پڑ جائے۔

(۹۸۰) یا جیسے کتا نمازی کے سامنے بھاگتا ہوا نکل جاتا ہے یونہی خطیب کے سامنے کروٹ سے آ کر دم دبائے چلا جائے، کیوں کہ مولوی صاحب نے مؤذن کو کتے پر قیاس کیا ہے، اسی کا سامرو بین بدیہ اسے بھی چاہیے۔

(۹۸۱) سخت اشد ستم یہ کہ یہی مؤذن جسے ابھی ابھی اس کے ایک فعل کے باعث سانپ بچھو اور شیطان اور کتے سے تشبیہ دے چکے تھے، تیرہویں حدیث لا کراسی کو اسی بات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند ٹھہرا دیا۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

مولوی صاحب توبہ کرو توبہ۔ ان باتوں کا انجام بہت برا ہے۔ آئندہ تم جانو تمہارا کام۔

قسم (۲۷) اپنے خصم کا کلام سمجھنے تک کی لیاقت نہیں اور اعتراض کو موجود (انعام)

(۹۸۲) یہاں کے فتوائے مبارکہ کے عنوان میں تھا: ”مسلمانوں کو سوشہیدوں کے ثواب اور باریابی دربار رسالت علیہ الصلاۃ والحمیہ کی بشارت“ اور جواب سوال ہفتم میں اس کا بیان بھی فرمادیا

۱۔ جہی منبر سے متصل کراتے ہو کہ دروازے پر ہوا تو لاٹھی کیسے پڑے گی۔

تھا کہ ”انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے میری سنت زندہ کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔“

تو آخرت میں اللہ کریم اور اس کے حبیب رؤف ورحیم۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے کرم سے سنت زندہ کرنے پر باریابی دربار رسالت کا وعدہ ہے، نہ کہ دنیا ہی میں۔ مگر جن کا مبلغ علم دنیا ہے وہ تو سب کچھ یہیں چاہیں کہ:

﴿ رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ (۱)

الہی، ہمیں تو ہمارا حصہ قیامت سے پہلے ہی دے دے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

ایسوں کو دنیا ہی سوجھتی ہے، اور جو سنیں اسے یہیں سمجھتے ہیں، ممکن کہ مولوی صاحب ایسے نہ ہوں، مگر سمجھے انھیں کی سی کہ یہ باریابی دربار یہیں بتائی جاتی ہے۔ لہذا ص ۵۹ پر ارشاد حدیث کو مفتی علامہ کا اپنا الہام بنا کر بولے:

”یہ الہام رحمانی ہوتا تو ضرور جو اذان باہر کہلواتے ہیں ان کو یہ دولت میسر ہوتی، ہزاروں آپ کے بہکانے سے بہک گئے ہیں، بتلائیے کتنوں کو یہ دولت دربار رسی کی حاصل ہوئی، اور ظاہر ہے کہ اس فعل سے کسی کو بھی زیارت اور دربار رسی میسر نہ ہوئی، تو معلوم ہوا کہ یہ الہام شیطانی تھا، مولانا توبہ کرو، کیا غلام احمد قادیانی بننا چاہتے ہو، اول میں اس کے بھی ایسے ہی خیالات تھے، آخر میں کیا گل کھلا“

اس اوندھی کھوپڑی کی کوئی حد ہے کہ حدیث بشارت دے آخرت کی، اور آپ سمجھیں دنیا میں۔ مگر مجبور ہیں کہ ان کو قرآن مجید سے ایک ہی دعا یاد ہے کہ:

﴿ رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ (۲)

(۹۸۳) حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الہام شیطانی کہنا مولوی صاحب کا ایمان ہے، مگر ان سے کیا شکایت کہ ابھی قرآن عظیم کے ارشادات کو شیطانی وسوسے کہہ چکے۔ مولوی صاحب اتنا بے باک تو قادیانی ناپاک بھی نہ تھا، آپ تو اس کے بھی گرو نکلے۔

(۹۸۴) اب آپ کا فرمانا: ”کہ باریابی دربار رسالت کا کس بنا پر وعدہ کیا، کوئی حدیث صریح وارد نہیں،“ کھلی نابینائی ہوایا نہیں۔

(۹۸۵) آپ کی یہ نفی پر شہادت کہ: ”ظاہر ہے کہ اس فعل سے کسی کو بھی زیارت میسر نہ ہوئی“

جب آپ سے سوال ہوگا کہ کس بنا پر تھی، تو آپ کیا جواب دیں گے، کوئی آیت قرآنی اس بارے میں نازل نہیں، کوئی حدیث صریح وارد نہیں، اجماع امت کا ہے نہیں کہ جواز ان باہر مسجد کے کہلوائے اس کو باریابی دربار رسالت نہ ہو۔

شریعت کی یہ تین دلیلیں ہیں، ان سے تو ثبوت ہے نہیں، اور اللہ ورسول۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے کرم و عطا میں قیاس کو دخل نہیں، پھر اس پر کیا دلیل ہے؟۔ رہا آپ کا الہام اس کا اعتبار نہیں، کیا غلام احمد قادیانی بنا چاہتے ہو، اول میں اس کے بھی ایسے ہی خیالات تھے، آخر میں کیا گل کھلا۔ اپنے مجموعہ کذب و دروغ و مکرو فریب و افترا و بہتان و ضلال و طغیان کو کہہ دیا کہ: ”بمرضی حضور پر نور علیہ الصلاة والسلام یہ کام کیا گیا“

اور متبعان سنت کی نسبت بلا دلیل دعویٰ کر دیا کہ ”اس فعل سے کسی کو زیارت میسر نہ ہوئی“ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (۱)

جس کا تجھے علم نہیں اس میں نہ پڑے شک کان آنکھ دل سے سوال ہونا ہے۔ اور فرماتا ہے:

﴿أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۲)

کیا اللہ پر وہ کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اور فرماتا ہے: ﴿سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ﴾ (۳)

اب ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے باز پرس ہوگی کہ کس دلیل سے گواہی دے بیٹھے۔ کیوں مولوی صاحب! اپنی قادیانی رنگت دیکھی۔

(۹۸۶) مخالفین نے حدیث صحیح پر امام ابن اسحاق کی تدلیس سے اعتراض کیا، علمائے اہل حق نے ائمہ حنفیہ و جمہور ائمہ کے نزدیک اس کا طعن نہ ہونا اور مدلس کا عنعنہ مقبول ہونا ثابت کیا، آپ سمجھے کہ سرے سے تدلیس ابن اسحاق سے انکار ہے۔ ص ۵۰ پر بولے:

(۲) [سورة البقرة: ۸]

(۱) [الاسرائيل: ۳۶]

(۳) [سورة الزخرف: ۱۹]

ابن الہمام، عینی، قسطلانی، دارقطنی، امام احمد ابن حجر وغیرہا (۱) نے جھوٹ (۲) بولا کہ ابن اسحاق مدلس تھا، واہ رے سمجھ کی پھوٹ (۳)

(۹۸۷) فتوائے مبارکہ مطبوعہ تحفہ میں فرمایا تھا:

”وبما قدمنا من تحقیق مفاد بین یدیہ وأنه يستدعی بقرینة الحال قرباًینا
سب المقام الخ“

آپ ص ۵۶ پر اس کا ترجمہ فرماتے ہیں:
”اور ساتھ تحقیق مفاد اور معنی بین یدیہ کے جو پہلے گزرے کہ مستدعی ہے بقرینے حال قرب مناسب کو مقام سے“

مولوی صاحب کیا کہتے ہیں اچھی سمجھے ”وانہ“ کی واو عاطفہ کو کاف بیانیہ بنا لیا۔
(۹۸۸) جہالت بر جہالت یہ کہ اس سے سمجھ لیے کہ نفس معنی بین یدیہ محتاج قرینہ ہیں، اب اس اپنی فاسد نیو پر ص ۵۷ میں چنائی لے چلے کہ:
”چوتھی غلطی بلا قرینہ مجاز اختیار کرنا، پانچویں غلطی قرینہ حالیہ کا قول کرنا اور اس کے اوپر دلیل نہ قائم کرنا“۔ آخر جب کچھ سمجھ میں نہ آئی خود ہی تھک کر بول گئے: ”کلامے معنیش دوطن قائل“۔ یعنی انگور کھٹے ہیں۔

مولوی صاحب! جس کا فصیح بلغ کلام سمجھ نہ سکو، جس کی سلیس واضح عبارت کا ترجمہ نہ کر سکو اس پر مونہ آنا کیا مقتضائے انصاف ہے۔

(۹۸۹) عربی تو عربی مولوی صاحب اردو بھی نہ سمجھتے، یہیں تو فرمادیا تھا کہ: ”بما قدمنا من تحقیق“ اور آپ نے اتنا ترجمہ سمجھ بھی لیا تھا کہ ”تحقیق جو پہلی گزری“ وہ تحقیق گزشتہ توار دو میں تھی کہ: ”لفظ بین یدی کا حاصل صرف اس قدر کہ سامنے آگے مواجہہ میں“ پھر فرمایا: ”بین یدی سمت مقابل میں منہتہائے جہت تک صادق ہے“ پھر فرمایا: ”ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قرآن حالیہ ایک نوع قرب ہرشی کے لائق

۱۔ ائمہ کے نام گنا کر ان ناموں کی طرف مؤنث کی ضمیر ”مولوی صاحب وغیرہا“ ان کے یہاں پھرتی ہوگی۔ ۱۲

۲۔ جھوٹ بڑے نون سے عجب وہ جس کی کونٹ میں آیا یعنی کوٹ میں ۱۲ منہ
۲۔ یعنی پھوٹ۔ ۱۲ منہ

مستفاد ہوتا ہے۔ جس کا صاف حاصل یہ تھا کہ لفظ فی نفسہ مطلق ہے اس کا اپنا مفاد مواجہہ ہے، اور اشیا میں قرآن خارجہ سے حدود قرب ہرشی کے لائق مستفاد ہوتی ہیں، اس لیے ”وانہ“ میں واو عاطفہ فرمایا تھا کہ دو باتوں کی تحقیق گزری تھی، ایک نفس مفاد لفظ۔ دوسری بحسب مقام، ایک قرب مناسب کا استدعا۔ اب کسی طالب علم سے پوچھ دیکھیے کہ مطلق اپنے مصداق سے جس پر اطلاق ہو حقیقت ہی ہوگا، تعین مصداق بذریعہ قرینہ ہونا مطلق کو اپنے نفس معنی میں محتاج قرینہ و مجاز نہ کر دے گا۔ مگر ع: آنرا کہ خرد نیست از و بیچ عجب نیست۔

(۹۹۰ و ۹۹۱) قرآن حالیہ سے تعین مصداق پر دو آیات کریمہ تلاوت فرمائی تھیں،

﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ (۱)

اور فرمایا: ”بین یدی نے قرب مطر کی طرف اشعار فرمایا مگر یہ نہیں کہ ہوا میں چلتے ہی پانی اترے الخ“

دوسری ﴿بَيْنَ يَدَى عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ (۲)

اور فرمایا: ”آیت سے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا، نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے الخ“ پوری عبارات قسم ۲۲ میں گزریں، مولوی صاحب آیات کو تو کیا سمجھتے ان دونوں عبارات ہی کو نہ سمجھے، اور فرمادیا کہ: ”قرینہ حالیہ کا قول کرنا اور اس پر دلیل نہ قائم کرنا“
ع: بریں فہم و دانش ببايد گریست۔

(۹۹۲) ص ۴۴ ”مولانا نے یہ معین نہ کیا کہ یہ معنی بین یدیہ کے حقیقی ہیں یا مجازی“

سبحان اللہ! معنی بتائے، محاورے دکھائے، آیتیں سنائیں، حدیث لائے، اور آپ ابھی اسی سوچ

میں ہیں کہ زلیخا مرد یا عورت۔

(۹۹۳) طرفہ تریہ کہ ع: کہ خود گفتہ و خود نداء کہ چست۔ قرینہ حالیہ کا لفظ دیکھ کر سمجھ لیے کہ معنی

مجازی بتائے ہیں، خود ہی فرمایا کہ ”بلا قرینہ مجاز اختیار کرنا“ آپ کی الٹی سمجھ پر بھی تو معین کر دیا تھا کہ معنی حقیقی ہیں یا مجازی۔

(۹۹۴ تا ۱۰۰۰) حدیث ابن ماجہ ”من أدرك الأذان في المسجد ثم خرج لم

يخرج لحاجته وهو لا يريد الرجوع فهو منافق“ (۳)

(۱) [النمل: ۶۳] (۲) [سورة سبا: ۴۶]

(۳) [نصب الراية لأحاديث الهداية باب ادراك الفريضة: ۲۵۲۷/۲: ۱۵۵]

مسجد میں جو شخص اذان پائے پھر بلا ضرورت نکلے اور آغاز جماعت تک واپسی کا ارادہ نہ رکھتا ہو وہ منافق ہے۔

ہر تھوڑی سمجھ والا بھی سمجھ لے گا کہ ارشاد حدیث یہ ہے کہ جو مسجد میں ہو اور اب اذان ہوئی وہ بے نماز پڑھے مسجد سے باہر نہ نکلے، اور اگر کوئی ضروری کام ہو تو جماعت ہونے سے پہلے واپس آجانے کے ارادے پر نکلے ورنہ وہ منافق ہے، مسجد میں اس شخص کا ہونا مراد ہے۔ اسی کو ”ثم خرج“ فرمایا ہے کہ پھر باہر نکلا، اسی کو ”لا یسید الرجعة“ فرمایا ہے: کہ مسجد میں واپسی کا ارادہ نہ کیا، مگر جاہلوں کی نا فہمی کے علاج کو فتوائے مبارکہ تحفہ حنفیہ میں اس پر تنبیہ فرمادی تھی کہ ”فی المسجد ظرف الإدراک دون الأذان“ اور اسے شرح علامہ مناوی سے واضح فرمایا تھا کہ انہوں نے ”فی المسجد“ سے پہلے ”وہو“ بڑھایا، یعنی وہ شخص مسجد میں ہو۔ پھر حدیث صحیح امام احمد سے روشن کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اذا كنتم في المسجد فنودي بالصلوة فلا يخرج أحدكم حتى یصلی“ (۱)

جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو تم میں کوئی بے نماز پڑھے نہ نکلے۔

حدیث نے صاف فرمادیا کہ وقت اذان نمازی کا مسجد میں ہونا مراد ہے نہ کہ مسجد کے اندر

اذان۔ مولوی صاحب کی تمیز

اولاً: اس ظاہر متبادر واضح لائح معنی کی توجیہ سمجھی، یہ جہالت ہے۔ توجیہ یہ کہ ظاہر ارونے سخن اور طرف ہوا سے معنی مقصود کی طرف پھیرا جائے۔ کلام آپ ہی جس طرف متوجہ ہے کیا محتاج توجیہ ہے کہ تحصیل حاصل ہے۔

ثانیاً: اس بیان معنی کو جو شرح مناوی و حدیث احمد سے روشن تر فرمایا تھا، ان دونوں کو دو توجیہ جداگانہ سمجھے کہ ص ۱۷۱ پر بولے: ”جناب مولانا صاحب نے تین توجیہ ہیں اس حدیث میں کیں“ مولوی صاحب کی سمجھ کی یہ حالت ہے تو حرفے گفتن چہ ضرور۔

ثالثاً: اس پر جو ریزیں فرمائیں کہ ”اگرچہ قرب فی المسجد کا ظرف ہو تو کیا استحالہ ہے، آپ مستدل ہیں اور یہ کہ مناوی نے ایک محمل اختیار کیا تو دوسرے تیسرے احتمال کی نفی نہ ہوئی“

ان کی خدمت گزاری تو جناب کی قسم ہنقیت میں گزری، مگر حدیث امام احمد سے جواب اور بھی

مزے کا ہے کہ:

”فنودی بالصلاة“ میں اگر قید خارج المسجد کی مذکور ہوتی تو آپ کو مفید ہوتی، مطلق دونوں کا احتمال رکھتا ہے“

عقل کی پڑیا کلام ”فی المسجد“ کے تعلق میں تھا کہ ”أدرک“ سے متعلق ہے، یا ”الأذان“ سے؟۔ حدیث صحیح مسند نے واضح فرما دیا کہ ”أدرک“ سے متعلق ہے، بات ختم ہو گئی، آگے آپ کی ناٹھی کے سوا کیا ہے۔

رابعاً: یہاں بھی وہی ہنقیت ہے، بے عقل مخالف اس حدیث سے مسجد کے اندر اذان پر استدلال کرتا تو قید ”فی المسجد“ متعلق اذان نہ ہوتا، بلکہ اذان سے اس کا تعلق ضرور نہ ہونا ہی ہمیں کافی تھا، نہ کہ قید ”فی المسجد“ رہی ہی نہیں مگر تعلق رہ گیا کہ خود آپ کے منہ دونوں احتمال رکھتا ہے، پھر مستدل بے چارے کے ہاتھ میں کیا رہا۔ نہ ہے ملائی۔

خامساً: یہ تمیز عیش عیش کرنے کے قابل ہے کہ: ”اگر بوجہ قرب فی المسجد کا ظرف ہو“ مولوی صاحب شرح مائتہ عامل پڑھیے: ”فی المسجد“ ظرف ہے نہ کہ ”فی المسجد“ کا کوئی اور ظرف ہے۔

سادساً: یونہی سہی پھر یہ کس نے کہا کہ ”فی المسجد کا ظرف ہو“ کون ہو، کیا اذان ظرف ہو، یعنی اذان کے اندر فی المسجد حلول کر جائے، نہ ہے ملائی۔ اور اگر لفظ (کا) کا تب کے سر منڈھیے کہ اس نے غلط بڑھا دیا تو اب بھی کلام مہمل ہے ”فی المسجد“ تو ہر طرح ظرف ہے بوجہ قرب کی اس میں کیا خصوصیت، اور اس میں استحالہ کس نے کہا تھا، غرض مولوی صاحب لکھتے نہیں، بلکہ کوئی خواب پریشان دیکھ کر بڑاتے ہیں۔

سابعاً: علامہ مناوی نے جو شرح فرمائی کہ: ”(من أدرک الأذان) وهو (فی المسجد)“ اس پر ریز کی کہ: ”اگر ہو کی ضمیر اذان کی طرف راجع کریں تو مطلب کیا ہوا“ جنابا! یہاں علامہ نے آپ کی اس جہالت ”بوجہ قرب“ کا علاج فرمایا تھا۔ اگر ”فی المسجد“ ظرف اذان ہوتا تقدیر ضمیر و تفسیر ظرف بجملة حالیہ کی کیا ضرورت ہوتی۔ ”ولکن المولوی جی لایفہمون“

اللہ ہزارہ تو پورا ہو گیا اور کمالات مولوی صاحب کو بس نہیں

مولوی صاحب کی آثار المبتدعین کی ردی حالت دیکھ کر پہلے صرف اتنا ارادہ ہوا کہ سزا رانی کے رد کی طرح اس پر بھی ایک اشتہار چھاپ دیں، پھر خیال ہوا کہ اس قدر کثیر و وافر انبار افترا و خیانت و مکر

وجہالت کا اس کے لائق نمونہ دکھانے کو بھی ایک اشتہار کیا بس ہوگا۔ لہذا مقصد ہوا کہ ”نفی العار“ کی طرح اس ”مقتل کذب وکید“ میں بھی مولوی صاحب کے صرف سوسو سو کمالات گن دیں گے، مگر قلم اٹھا تو پانسو سے زیادہ پر نمبر پہنچا اور بہت باقی تھے۔ لہذا یکم ذی القعدہ کے اشتہار میں (کہ مولوی صاحب کے دو جیتے افتراؤں پر پیشگی سو روپے کا انعام اور دس دن کا وعدہ تھا، بفضلہ تعالیٰ ان دس روز کو گزرے بھی آج پانچواں (۱) دن ہے اور مولوی صاحب کی صداے برنخواست) یہ اندازہ لکھ دیا تھا کہ ”مقتل کذب وکید“ میں سات سو سے زیادہ ان کے مکرو کذب وکید کا شمار ہے، رسالہ زیر طبع ہے اسے دس ہی دن گزرے کہ کلکتہ کی ایک تحریر آئی جس میں حقیقت ان صاحبوں نے ہماری موافقت کی، مخالفین کے شبہات پر قیامت کی، مگر..... خبر باشتباہ کی بنا پر نام خلاف لیا جس کے جواب میں یہاں سے فوراً رسالہ ”النکتہ علی مرآء کلکتہ“ چھاپ کر چوتھے روز مرسل ہوا، اس ہفتہ میں مولوی صاحب کے شمار پانسو بنتے نو سو تک پہنچا، اور بہت باقی تھا۔ لہذا رسالہ ”النکتہ“ میں اب یہ تخمینہ لکھا کہ ”تازہ رسالہ مقتل کذب وکید کہ زیر طبع ہے، ان پر کامل ایک ہزار رد اس میں ہیں“ اور اسی بنا پر اس کا تاریخی لقب ہزار ضرب اقویٰ (۱۳۳۲) تجویز کیا۔

شان خدا کل ہی وہ رسالہ روانہ ہوا ہے، آج مولوی صاحب پر ہزارہ پورا ہو گیا۔ اور ہنوز بہت کچھ کہنا ہے، اب اسے ہم کیا کریں جہالات میں ان کی بڑھتی دولت ہی ناتنا ہی سی ہے، خدادے اور بندہ لے۔ ضروری ابحاث چھوڑے نہیں جاتے، ادھر ناظرین انتظار میں ہیں۔ لہذا اس ہزارے کو مقتل کذب وکید کا حصہ اول بنائیں اور بعونہ تعالیٰ دوسرے حصہ میں ہزار دوم کا آغاز کریں۔

ناظرین علم دوست کو بشارت ہو کہ بفضلہ تعالیٰ اس حصہ میں نہایت نفیس و جلیل ابحاث علمیہ ہوں گے کہ اس میں مولوی صاحب کی اقسام جہالت کا بیان ہے، ہندسہ دانوں کو مژدہ کہ اس کے آخر میں بحولہ تعالیٰ ہندی مباحث بھی ہوں گے کہ وہاں مولوی صاحب کی ہندسہ دانی بھی کھولی ہے، وباللہ التوفیق

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وابنہ وحبزہ اجمعین -

آمین والحمد لله رب العلمین

مسلمانوں کو نہایت ضروری اطلاع

مسلمانو! ”اذان من اللہ“ میں مولوی عبدالغفار خاں صاحب پر ۴۴ رد تھے۔ ”نفی العار میں“ ۱۱۶ رد تھے۔ ”سلامۃ اللہ لابل النیتہ“ میں ۳۵۰ رد تھے۔ اب اس ”مقتل کذب وکید حصہ اول“ میں

۱۰۰۰ ارد ہیں۔ اب تک ان پر ڈیڑھ ہزار دس رد ہوئے۔ ان کی ”آثار المبتدعین“ میں آپ سن چکے کہ محض جھوٹ فرما دیا کہ ہم نے ان چون اعتراضوں کے بھی اس میں جواب دیے ہیں، اور جھوٹ کا پردہ یہ رکھا کہ ضمناً دیے ہیں، بچوں کی طرح نمبر وار نہیں دیے ہیں۔

مسلمان ہوشیار رہیں! آئندہ اگر مولوی صاحب کی کوئی تحریر چھپے اس میں ڈیڑھ ہزار اعتراضوں کے نمبر وار جواب دیکھ لیں، ورنہ وہ تحریر اصلاً قابل توجہ نہ ہوگی۔ ہزاروں اعتراضوں میں ایک کا جواب نہ دیں، اور وہی ہمیشہ کی مردودیت پیش کریں، اور محض جھوٹ سے اس کا نام جواب رکھیں، یوں تو کوئی اجہل سا اجہل امام اعظم سے بھی نہیں ہار سکتا۔ ہم اطلاع کر چکے، آگے انصاف کی توفیق وہ اللہ عزوجل کے ہاتھ ہے۔ والسلام۔

آج ۲۵ رذی قعدہ ۱۳۳۲ھ کو طبع ہو کر شائع ہوا۔

”آثار المبتدعين لإعدام جبل الله

المتين“

كا تيسرارو

رساله

نفي العار

من

معايب المولوي عبد الغفار

١٣٣٢ هـ

بحمدہ تعالیٰ

تمہید

دربارہ اذان جناب مولوی عبدالغفار خاں صاحب کی پہلی تحریر پر رسالہ ”اذان من اللہ“ شائع ہوا، اس کے سوالات کا مولوی صاحب نے اب تک جواب نہ دیا، ان کی دوسری تحریر پر رسالہ مبارکہ ”سلامۃ اللہ لأهل السنة“ پہنچا ہوا ہے، جس میں ان پر ساڑھے تین سو رد ہیں، جب چون (۵۴) کا جواب بفضلہ تعالیٰ ناممکن ہوا، ساڑھے تین سو کی جھوک کون اٹھائے، مگر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب نے وہ دونوں تحریریں گاؤ خورد و دریا برد فرمادیں، دعوت مناظرہ کے جواب میں صاف تحریر فرما بھیجا کہ نہ یہ تحریریں میری نہ میں نے ان کی تصدیق کی نہ حکم کیا، نہ مشورہ دیا، لوگوں نے مجھ پر افترا کیا، میں ان کی فریاد اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔

اس خط کے شائع ہونے نے رام پوری ساری کمائی خاک میں ملائی، ناچار احباب کو اس زخم ناممکن الاندمال کی مرہم پٹی ضرور ہوئی، سہ بارہ ایک تحریر پھر لکھنی پڑی۔ مضمون لائیں کہاں سے، اعتراضات قاہرہ کا جواب دیں کس دل و زبان سے، مجبوراً انہیں مردودات سے ایک پرچہ پھر پڑ کر کے شائع کیا اور اس کے آخر میں پھر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کے نام سے ایک سطر عبارت بے معنی کو جلوہ دیا۔

یہ اشتہار بوجہ کمال اہمال قابل توجہ نہ تھا مگر بخاطر عوام دو صاحبوں نے اس کے دورِ تحریر فرمائے، ایک مکرمی جناب قاضی عطا علی صاحب بیسپوری نے، دوسرا جناب مکرنا مولوی سید ظہیر حسن صاحب الہ آبادی نے، یہ دونوں رد اپنی نوعیت میں جدا جدا طرز پر تھے۔ بعض اعتراضات مشترک اور اکثر علاحدہ۔ بعض احباب نے مناسب جانا کہ ان دونوں کو ایک سلک میں منسلک کیا جائے کہ فی الجماعۃ برکۃ۔ لہذا جناب مولانا مولوی ابوالبرات محی الدین جیلانی نے مکررات کو ملخص کیا اور بہت افادات کا اضافہ فرمایا، اور ان تینوں تحریروں کے مجموعہ کو کہ سہ گرز یک فاختہ ہے بنام تاریخی ”نفی العار من معایب المولوی عبدالغفار“ مسمیٰ کیا۔ معایب المولوی عبدالغفار کے عدد ۱۶۳۴۔ اور العار کے عدد ۳۰۲۔ لفظ نفی ان میں سے ان کی نفی پر دال پس ۱۶۳۴-۳۰۲=۱۳۳۲۔ وباللہ التوفیق۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

الحمد للہ منکران مجددین کے منہ سے اہل حق کی ڈگری بحال

الحمد للہ جناب مولوی عبدالغفار خاں صاحب رانیپوری کی تازہ تحریر نے اور بھی واضح کر دیا کہ مخالفین کے پاس علمائے اہل حق کے کسی اعتراض کا جواب نام کو نہیں، ورنہ کس دن کے لیے اٹھا رکھتے، ساتھ ہی نہ قبول حق کی توفیق، نہ سخن پروری چھوڑنے کی، اور یہی حال نہ ایک مولوی صاحب موصوف بلکہ اس مسئلہ میں جملہ مخالفین کا ہے، لہذا آٹھ سو سے زائد سوالات پہنچے ہوئے ہیں، کوئی صاحب کسی کے جواب کا نام نہیں لیتے اور اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ بلا پس ہو یہ بھی سہی مگر ہر بار کوئی صاحب نئی بات تو فرماتے ہیں جس سے دیکھنے والے مبصروں کو اتنا صبر تو آتا کہ اگر چہ غلط کہی مگر نئی تو کہی۔ نئی کا ازالہ ضرور ہے، یہ نہیں بلکہ جب کہیں گے اور نئے پرانے جو صاحب کہیں گے وہی ڈھاک کے تین تین پات۔ جس کے سو سو رد ہو چکے۔ ایک رد کو ہاتھ نہ لگائیں اور پھر وہی مردودات سامنے لائیں، الہی اگر وہ دھوکہ دیتے ہیں تو کیا دیکھنے والوں کے منہ پر بھی آنکھیں نہ رہیں۔ اللہ ہدایت فرمائے، اللہ اتباع حق کی توفیق دے، آمین۔ اب سلسلہ اعتراضات شروع کروں، وباللہ التوفیق:

(۱) تنقید اشتہار سے پہلے اشتہار کا وہ سفید جھوٹ دیکھیے جو اس کا آغاز بلکہ اس کے عنوان سے بھی پہلے ہے، کہ میری جانب سے یہ اول تحریر ہے جو جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے مقابل شائع کی گئی۔

اقول: سبحان اللہ

جانتے ہی نہیں تم کذب کا انجام ہے کیا بات ایک پہلی پہل نام خدا تم نے تو کی مولوی صاحب کیا آپ کو اپنے اس پہلے فتوے سے انکار ہے جس کے رد میں اعتراضات قاہرہ

کے تین حصے چار ماہ سے زائد ہوئے کہ درگاہ رضوی سے شائع ہوئے اور آج تک جناب کو جواب کے لیے قلم پکڑنے تک کی ہمت نہ ہوئی۔

(۲) کیا مولوی عظمت شاہ کی طرف منسوب فتویٰ پر آپ نے مہر نہ کی، اور وہ بھی الجواب ہو الصواب لکھ کر جس نے فرضی نام کی ٹٹی کھول دی اور وہ ساری تحریر آپ کی بول دی۔ کیا یہ آپ کی دونوں تحریریں فتوائے اعلیٰ حضرت کے مقابل نہ تھیں۔ پھر اس نئی کو اپنی تحریر اول بتانا کیا ناواقفوں پر دن دہاڑے اندھیری ڈالنا نہیں۔

(۳) اس انکار سے جناب کا مطلب تو یہ تھا کہ آپ کی پہلی تحریر پر چون (۵۴) دوسری پر ساڑھے تین سو (۳۵۰) اعتراضات قاہرہ پہنچے ہوئے ہیں، ان سے جان بچ جائے کہ وہ تحریریں ہماری ہیں ہی نہیں، ہم تو پہلی بسم اللہ آج بولتے ہیں، مگر عاقلان نیک می دانند۔ جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب ان دونوں تحریروں، ان کی تصدیقوں، بلکہ ان میں مشورہ تک کی شرکت سے منکر ہو گئے، تو ان کا انکار وجہ سے ہے، اور متواتر خبروں سے ثبوت ہوا کہ وہ مظلوم ہیں، انہیں ہر بار مجبور کیا گیا، ناجائز دباؤ ڈالے گئے، اور پیچھا چھڑانے کو انہوں نے دو حرف گول پہلو دار لکھ دیے، خدا نافرمانوں نے ان میں طنز کے پھندے لگا کر فریبی فتوؤں کی تصدیق بنا کر چھاپ دیے، جس کی فریاد وہ اللہ عزوجل سے کرتے ہیں۔ ان کے خط میں ان باتوں کی تصریح ہے مگر آپ ان دو تحریروں سے کیوں کر مکر سکتے ہیں۔ آپ ہی بادی، آپ ہی بانی، اور آپ ہی منکر ہوں۔ اگر ناگواری خاطر عاظر کا خیال نہ ہوتا تو یہاں یہ دو شعر عرض کرنا بے جا نہ تھا:

گر بوذ کا منکر شدہ انکار او دار دسبب تو از چہ رو منکر شوی بادی توئی بانی توئی

داد از تو ایشاں خواستہ نان از تو ایشاں یافتہ اطفال تصدیقات را دادی توئی نانی توئی

خیر مطلب جناب تو یہ تھا مگر نہ سمجھے کہ یہ بھی اہل حق کی صریح جیت ہے، آپ بھی جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کی طرح تحریر دے دیجیے کہ میری طرف ان دونوں فتوؤں کی نسبت افترا ہے، نہ میری تحریر نہ تصدیق، نہ حکم نہ مشورہ، اور بہتر ہے کہ دو ایک سنی جو اور رہے جیسے مولوی حامد حسین صاحب ان سے بھی یوں ہی لکھواد دیجیے، ان چار سو چار قاہر اعتراضوں سے سر بچانے کی یہ سب سے بہتر تدبیر ہے۔

اب باقی رہے چند جہال و مجاہیل، یا ضلال و اضلیل، یا اطفال و مطافیل، انہیں کون منہ لگاتا ہے، مطلع صاف ہے، واللہ الحمد۔ بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ ایک جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کے انکار ہی سے مطلع صاف ہو گیا، آپ دو تین حضرات بھی نہ بڑے برائے بیت تھے، کمالا تلخی۔

(۴) یہ تو فرمائیے کہ سوالات قاہرہ کے اعتراضات قاہرہ کا جو قرضہ جناب پرچار پانچ مہینے سے سوار ہے وہ کیوں نہ ادا فرمایا۔

(۵) حق نما فیصلہ کے (۶۰) سوالوں کا جواب کیوں نہ لکھا۔ اگر دعویٰ علم ہے تو وہ شرق سے غرب تک تمام علمائے اہل سنت سے سوال تھے اور قطعی اعلان لکھ دیا تھا کہ جو صاحب خلاف چاہیں پہلے ایمان آنا ان کے جواب دے دیں پھر جو چاہیں فرمائیں، ورنہ ان کی بات اہل انصاف کے نزدیک ہرگز لائق التفات نہ ہوگی، اور اگر جناب ان کے جواب سے یوں بچیں کہ وہ سوال تو علما سے ہیں، ہم عالم نہیں تو جناب آپ کو شرعی فتوے میں دخل دینے کا کیا حق ہے، آپ نے حدیث شریف نہ سنی کہ ”من أفتى بغير علم لعنته ملائكة السماء والأرض“ (۱)

جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔
(۶) طرفہ یہ کہ جناب نے دیوبندیوں کا دامن پکڑا، بہت باتوں میں کان پوری تحریر بلکہ سراوالی تک کی تقلید فرمائی، مگر ”وقایۃ اہل السنہ“ کا جواب نہ لکھا۔ مردود کا ساتھ دینا اور تین سو قاعدوں پر سانس نہ لینا کیا شرط انصاف تھا۔ مگر آپ کیا کیجیے اس مسئلہ میں سب مخالفوں کی قسمت کا یہی بدلہ ہے۔
قولہ: مدعیان مجددیت کی ڈگری ڈمس۔

اقول: مولوی صاحب جسے دنیوی دوکوڑی کے فیصلہ کا اختیار نہ ہو وہ حاکم مرافعہ بنے، ڈگری کو ڈمس کر سکے اور ڈگری بھی کون سی اہل حق کی جن کو ڈگری دینے والے اللہ ورسول ہیں۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۷) آپ حضرات تو دیدہ و دانستہ حق کو مٹانے کا بیڑا اٹھائے ہیں، مگر کیا سب مسلمان معاذ اللہ آپ ہی جیسے ہو جائیں گے، کیا مسلمان نہ دیکھیں گے کہ یہ ڈگری کس بات پر تھی، اس پر کہ آپ صاحبوں نے اپنے دونوں فتووں پر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کی تصدیق چھاپی۔ رام پور، پبلی بھیت، بیسل پور، بریلی، مراد آباد، پاس پاس کے شہروں میں انھیں کی مہر کا شہرہ تھا، مخالف انھیں کا نام لیتے تھے۔

الحمد للہ کہ انھوں نے آپ حضرات کا فریب کھول دیا، صاف صاف حق بول دیا کہ نہ یہ فتوے میں نے لکھے، نہ ان کی تصدیق کی، نہ حکم کیا نہ مشورہ دیا، میری طرف اس کی نسبت محض بہتان و افتراء، میں اللہ سے ان کی فریاد کرتا ہوں جنھوں نے میری عبارت میں گھٹا بڑھا کر ان فتووں کی تصدیق بنالی۔ فرمائیے

اہل حق کی ڈگری تو یہ تھی، آپ کی اس ڈسٹنس میں اس کے کس حرف کا انکار ہے؟ کیا اب مولوی سلامت اللہ صاحب نے لکھ دیا کہ ہاں وہ فتوے میرے ہیں؟ یا میں نے ان کی تصدیق کی ہے؟ یا میں نے حکم کیا، یا مشورہ دیا؟ اور جب وہ اب بھی ان میں سے کچھ نہیں لکھتے تو ڈگری کا ہے پر ڈسٹنس ہوئی۔

(۸) بلکہ خدا عقل دے تو ڈگری پر اور رجسٹری ہوگئی کہ ان کا وہ خط شائع ہونے کے بعد اہالی موالی نے ان کو بری طرح گھیرا۔ نہایت ناگفتنی سخت سست کلمات برد کہے۔ (ہمیں وہ کلمات بھی معلوم ہوئے ہیں۔ مگر ہم اپنا قلم و کاغذ ان گندے لفظوں سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے) یوں گلے پر چھری رکھ کر شاید کسی پرچہ پر کوئی سطر ان سے لکھوایائی، اول تو یہی کیا اعتبار کہ وہ سطر یہی ہے جو آپ کی اس تحریر سوم میں ہے، جو بے باک دوبار افترا کرچے۔ تیسری بار افترا کرتے انھیں کیا لگتا ہے، اور جب آپ ان پر اتنے حاوی ہیں کہ گلابا کر ان کے خلاف مرضی کچھ لکھوایلتے ہیں۔ تو مہر ان سے جھٹک لینا کیا مشکل ہے، ثقات معتمدین کے سامنے وہ شاکی تھے کہ (۸-۱) زبردستی میری مہر لے گئے۔

(۹) اگر بالفرض یہی ہے وہ سطر جو زبردستی ان سے لکھوای۔ تو اس میں کیا دھرا ہے، اب بھی انھوں نے ہرگز اقرار نہ کیا کہ وہ تحریر یا تصدیق میری تھی، یا میرے حکم یا مشورہ سے تھی، تو ڈگری دوبالا ہو کر کامل ناطق ہوگئی، فریبی فتووں کا فریب آشکار ہو گیا، پھر بھی ہٹ دھرمی کیے جائیے تو اس کا کیا علاج۔

(۱۰) اس تحریر کا کہنا کہ متواتر سے میری مراد یہ تھی وہ نہ تھی، اس سے ان فریبی تصدیقوں کی کیا مرہم پٹی ہوئی، ان کی مراد یا ان کا عندیہ شریعت میں کیا وقعت رکھتا ہے، وہ کوئی امام ہیں، مجتہد ہیں، شرع میں ذی رائے ہیں، صاحب فتویٰ ہیں، کون ہیں کہ ان کا عندیہ دین الہی میں حجت ہو۔ بحث تو اس کی تھی کہ وہ صاف فرما چکے کہ...

”نہ یہ تحریر میری، نہ میں نے تصدیق کی، نہ میرا مشورہ، نہ میرا حکم، کم و بیش کرنے والوں کی اللہ سے فریاد کرتا ہوں“۔

ان کی ان تصریحات کو اس تحریر سے کون سی ٹھیس لگی، بہر حال فریبی فتوے اب بھی فریبی ہی رہے اور یہی اہل حق کی ڈگری تھی۔ واللہ الحمد۔

(۱۱) لطف یہ ہے کہ اب بھی انھوں نے صاف نہ کہی، یہی فرمایا کہ مراد وہ معنی ہیں جو فی الواقع محقق ہے، باقی اشاروں سے کام لیا ہے، جن کا مرجع متعین نہیں، دوبار تو ہو چکا ہے کہ وہ اور پرچہ پر لکھتے اور لوگ اسے اپنی تحریر میں جوڑ دیتے ہیں، ممکن کہ انھوں نے بریلی کا کوئی پرچہ اٹھا کر اس کی پشت پر لکھ دیا ہو کہ جس کا نمونہ اس تحریر میں دکھایا گیا اور اسے حسب عادت آپ نے اپنی تحریر پر نقل کر لیا ہو۔

(۱۲) مدعیان ڈگری اور اسی طرح آپ کی پیشانی کی عبارت مدعیان مجددیت کی ڈگری ڈمس اگر بفرض غلط انھیں نے لکھی ہو تو اب بھی دوپلی کہی، مدعی جس طرح دعویٰ کرنے والے کو کہتے ہیں یوں ہی عرف میں مخالف اور دشمن کو:

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تو یہ آپ پر اوندھ جائے گی، دیکھیے یہ تیسری بار ہے کہ جناب موصوف پہلو دار سے، آپ کو بہلا دیتے ہیں اور ہر بار آپ حضرات بہل جاتے ہیں، جیسی تو آپ کے موافقین میں جو صاحب کچھ عقل رکھتے ہیں وہ ان دو پہلو باتوں سے بہت کھیلتے ہیں، بعض صاحب یہاں تک کہتے سنے گئے:

دو ہر امکاں بنایا ہے رہنے کو یار نے

گر میں گیا ادھر سے ادھر سے نکل گیا

ایک صاحب نے اس کا یہ نمسہ پڑھ دیا:

جاتا ہوں بار بار میں در پر پکارنے

بے تاب کر رکھا ہے دل بے قرار نے

دہر امکاں بنایا ہے رہنے کو یار نے

پختہ کیا ہے اس کو کسی پختہ کار نے

گر میں گیا ادھر سے ادھر سے نکل گیا

مگر اہل حق جانتے ہیں کہ مولوی صاحب مظلوم ہیں، اپنا گلا چھڑانے کو تو یہ کرتے ہیں: نسأل

اللہ العفو والعافیۃ۔

(۱۳) قولہ: جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے مسئلہ اذان میں تمام سلف و خلف کا خلاف کیا

ہے۔

اقول: وقایۃ اہل السنہ نے آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا کہ سلف کا عمل کیا تھا، زمانہ اقدس رسالت و خلافت راشدہ میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی، مگر آپ حضرات نے تو عہد باندھ لیا اور سخت سے سخت قسم کھائی ہے کہ ہزار سنیں اور ایک نہ مانیں، اللہ ہدایت دے۔

(۱۴) بلکہ انصافاً یہاں آپ کی بے باکی دیوبندوں سے بڑھی ہوئی ہے، کان پوری تحریر نے تو اتنا

کہا بھی تھا کہ ہشام کے زمانہ سے تو اس کا قریب منبر ہونا سب کو تسلیم ہے جس سے ظاہر تھا کہ وہ اس قدر ماننے کو تیار ہے کہ ہشام سے پہلے بیرون مسجد ہوتی تھی، اگرچہ اس کا بھی روشن رد و قایہ نے فرما دیا، اور ثابت کر دیا کہ ہشام نے بھی اذان ثانی میں تبدیل نہ کی، مگر آپ کے منہ سے زمانہ بابرکت حضور پر نور سے الی یومنا ہذا نہیں چھوٹتا۔ قاہر اعتراضات نے کھول کر دکھا دیا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا ہے، افسوس کہ اس وقت نادانستہ تھا اب مکرر تنبیہوں کے بعد دیدہ و دانستہ ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ

راجعون۔

(۱۵) قولہ: حرمین شریفین۔

اقول: سب میں پہلے فتوائے مبارکہ بریلی میں اس کے جوابات تھے۔ اذان من اللہ تھے۔ حق نما فیصلہ میں تھے۔ اور اب ساڑھے تین سو دو الے رسالہ مسمیٰ بہ ”سلامة اللہ لأهل السنة من سيل النمار والفتنة“ میں نہایت مفصل ہیں مگر وہاں تو قسم ہوئی ہے کہ سب سے آنکھ چراؤ اور اپنی ہی گائے جاؤ۔

(۱۶) قولہ: اور تمامی ملکوں میں۔

اقول: أذان من اللہ. وقایة أهل السنة. وسلامة اللہ، میں روشن دلیلوں سے ثابت کر دیا تھا کہ یہ محض جھوٹ ہے، مگر عہد ہو لیا ہے کہ رد کا جواب نہ دینا اور وہی بانگ۔

(۱۷) قولہ: مجمع علیہ سب سلف وخلف کا۔

اقول: اس کے بھی روشن رد اذان من اللہ میں تھے، پھر وقایہ پھر فیصلہ پھر سلامة اللہ میں مگر ایمان داری اسی کا نام ٹھہرا ہے کہ سب کچھ دیکھ کر پھر مرغی کی ایک ہی ٹانگ۔

(۱۸) قولہ: جناب مولانا صاحب نے اس سنت متوارثہ کو مٹایا ہے۔

اقول: ”مولوی صاحب اللہ انصاف“ تو سو بار کہا اور جناب نے ہمیشہ بے انصافی ہی فرمائی۔ شاید جناب کے یہاں بے انصافی ہی انصاف ہے، تو اب یوں کہو کہ... ایک ذرا بے انصافی۔ جب جناب کے خصم نے ثابت کر دیا کہ زمانہ اقدس رسالت و خلافت میں یہ اذان بھی بیرون مسجد تھی۔

(۱۹) اور آپ سے بارہا مطالبے کیے کہ کہیں سے زمانہ رسالت یا خلافت یا صحابہ یا ائمہ ہی میں اس اذان کے داخل مسجد ہونے کا ثبوت دیجیے۔ آپ اس کا ثبوت لاسکے نہ اس کا رد فرما سکے۔

(۲۰) بالآخر یہاں تک کہا گیا کہ معتمد کتاب سے اتنی ہی تصریح دکھا دیجیے کہ اس اذان کا داخل مسجد ہونا سنت متوارثہ ہے۔ اور آپ ہرگز نہ بتا سکے، اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک بتا سکیں۔ پھر متوارث متوارث کی رٹ لگائے جانا کمال ڈھٹائی اور خدا ناترسی ہے یا نہیں؟ کیا آپ سوالات قاہرہ ووقایة اہل السنہ وحق نما فیصلہ و سلامة اللہ لاهل السنہ وغیر ہا رسائل کے بار سے سبک دوش ہو لیے۔ ہزار میں ایک کا جواب نہ دے، اور اپنی ہی گائے جائے تو یوں تو کوئی اجہل سا اجہل کسی اجل سے اجل امام اعظم سے بھی ہار نہیں سکتا۔

(۲۱) قولہ: کثیر محدثین ہیں کسی نے روایت علی باب المسجد کی نہیں کی۔

اقول: اولاً امام ابن خزیمہ صاحب صحیح جن کا لقب امام الائمہ ہے اپنی صحیح میں اس روایت علی باب المسجد کے دوسرے راوی ہیں۔

(۲۲) امام جلیل ابوالقاسم سلیمان ابن احمد طبرانی معجم کبیر میں اس کے تیسرے راوی ہیں۔ مگر آپ سب حضرات نے اپنے جہل کو حاکم ٹھہرا لیا ہے، کہ جو بات آپ کے قاصر علم میں نہیں وہ خدا کی خدائی میں نہیں۔ جیسے اذان کہ آپ نے اپنے گھروں میں اندر ہوتے دیکھی، بس حکم لگا دیا کہ تمام جہاں میں یوں ہی ہے۔ اپنے زمانہ میں ہوتے پائی بس جزم کر لیا کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے یوں ہی ہے۔

(۲۳) ثانیاً: بالفرض اگر اور کوئی راوی نہ ہوتا تو امام اجل ابوداؤد کا کتاب صحیح میں روایت فرمانا۔ پھر اپنے سکوت سے اس کی تصحیح و تحسین بتانا کیا بس نہ تھا۔ نری ابلہ فریبی پر مدار کار رکھنا آپ کو زیبا نہیں۔ (۲۴) قولہ: تمام عالم کے محدثین میں ید یہ کا لفظ اختیار کریں۔

اقول: اولاً مولوی صاحب، کیا صریح جھوٹ کھلا کذب کوئی ہنر ہے۔ آپ کے نزدیک بخاری و مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و مالک تمام عالم کے محدثین میں ہیں یا نہیں۔ کسی کے یہاں تو اذان ثانی کی نسبت میں ید یہ کا لفظ دکھا دیجیے، مولوی صاحب اندھے عوام پر اور اندھیری ڈالنا قیامت میں سخت ظلمات لاتا ہے۔

(۲۵) اب ذرا اپنی عبارت میں علی باب المسجد کی جگہ بین ید یہ کا لفظ رکھ کر یوں پڑھ لیجیے: مشہور کتابیں صحاح کی چھ ہیں۔ ایک ہی راوی ہیں سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بخاری و مسلم و ترمذی و ابن ماجہ و مؤطا و سوان کے کثیر محدثین ہیں کسی نے روایت بین ید یہ کی نہیں کی۔ ابوداؤد خود جو دوسری روایت نقل کرتے ہیں اس میں بھی بین ید یہ نہیں۔ ہر ذی عقل جان سکتا ہے کہ تمام عالم کے محدثین بین ید یہ کو چھوڑ دیں یہ کھلی ہوئی علامت مثل آفتاب روشن کے ہے کہ یہ قید بین ید یہ کی اختراع ابن اسحاق کا ہے۔ اگر قول سائب بن یزید کا ہوتا تو کوئی روایت کرتا۔

(۲۶) ثانیاً: افسوس آپ کی حالت زار پر کہ سنت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹانے کے لیے ان کے دشمنوں کا دامن تھاما اور اتنے گرے کہ تھانوی تو تھانوی سراولی کی تقلید کر گئے، اور وہ بھی صریح جھوٹ شدید افترا علی الائمہ میں۔ یہ اس نے کہا تھا کہ صحیحین میں بین ید یہ ہے، آپ کو تو کبھی صحیحین دیکھنے کا اتفاق ہوا نہیں، اس کی بات پر ایمان لے آئے۔

(۲۷) اور اتنی اپنی طرف سے ملائی کہ جب صحیحین کی متفق علیہ حدیث ہے تو ضرور تمام عالم کے

محدثین نے روایت کیا ہوگا، مولوی صاحب یہ تو آپ کی ہستی علم اور اس پر مبارک شریعہ میں دخل اور علوم الہیہ کے ایک امام مسلم سے الجھنا، اللہ حیا دے۔

(۲۸) ثالثاً: روایت حدیث میں بین یدیدہ اور علی باب المسجد دونوں کی ایک حالت ہے روایت ابن اسحاق میں بین یدیدہ ہے۔ تو علی باب المسجد بھی ہے، اور اوروں کی روایت میں علی باب المسجد نہیں تو بین یدیدہ بھی نہیں، یہ آپ کا تفرقہ کہ تمام عالم کے محدثین نے بین یدیدہ کو لیا اور علی باب المسجد کو چھوڑ دیا، صریح جھوٹ ہے یا نہیں۔

(۲۹) قولہ: یہ قید علی باب المسجد کی اختراع ابن اسحاق کا ہے۔

اقول: اولاً: چلیے اب ابن اسحاق معاذ اللہ حدیث وضع کرنے والے ہو گئے۔ بے شک آپ کا منہ اسی قابل ہے کہ بخاری مسلم، ابوداؤد اور ان کے اساتذہ و اساتذہ اور جمہور اکابر ائمہ حدیث وفقہ جسے حدیث میں امام ثقہ جانیں اور آپ اسے واضح حدیث ٹھہرائیں۔ اور پھر آپ کی مان لی جائے تو بھی تعصب آدمی کی آنکھیں پھوڑ دیتا ہے۔ کون سی؟ یہ چہرے پر کسی چتلی کوڑیاں نہیں، وہ جنہیں قرآن عظیم میں فرمایا: ﴿فإنہا لاتعمی الأبصار ولكن تعمی القلوب النبی فی الصدور﴾ کہیے آپ نے جو کورانہ حدیث ”حبک الشیء یعمی ویصم“ پڑھی تھی۔ آیت قرآنیہ سے اس کا پورا جواب پایا یا ہنوز کسر باقی ہے۔

(۳۰) ثانیاً: ائمہ محدثین میں وہ کون سا ہے جس کے لیے بعض افراد نہیں۔ اسی آپ کی دلیل سے وہ سب وضاع ٹھہریں گے۔

(۳۱) آپ نے کبھی سنا ہو کہ امام مالک کے افراد میں تو خاص کتاب تصنیف ہوئی ہے۔ وہ بھی معاذ اللہ وضاع ہوئے۔ آپ سمجھے ہوں گے کہ اس میں آپ نے خوب حق نمک نبھایا کہ اہل سنت کے تمام ائمہ کو وضاع کذاب اور ان کی تمام کتب حدیث کرمردود و خراب بنایا، اور ذرا کھل کر بولیں گے تو بیس کے پچیس ہو جائیں گے۔

مگر حضرت یہ خبر ہے کہ افراد والے سبھی مذاہب میں ہیں۔ تو آپ نے تو کسی کی بھی لگی نہ رکھی، دیکھیے کہیں بیس کے تین ہی نہ رہ جائیں۔

(۳۲) قولہ: اگر قول سائب بن یزید کا ہوتا تو کوئی نہ کوئی روایت کرتا۔

اقول: اولاً: مولوی صاحب یہ اعتراض بھی آپ نے دیو بندی تقلید سے سیکھا مگر اس کا رد جو وقایہ اہل السنہ میں ہے نہ دیکھا وہ تو ٹھہر ہی گئی ہے کہ:

ع چشم بند، گوش بند، واہن

(۳۳) ثانیاً: جناب نے ہزار ہا احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ افراد ہیں مطلقاً رد کر دیں، حق یہ کہ ابن سینا کی فضلہ خواری کے سوا جناب کو علوم الہیہ کی ہوا بھی نہ لگی۔

(۳۴) قولہ: شراح حدیث نے اس کا تعاقب کیا ہے۔

اقول: اذان من اللہ کی ضرورتیں کیا پرانی ہو گئیں۔ اللہ حیاء ہے۔

(۳۵) قولہ: باستثنائے چند مالکیہ۔

اقول: اولاً: خود مذہب صاحب مذہب امام مالک جس پر جمہور ائمہ مالکیہ ہیں اور وہی ان کے یہاں مذہب صحیح ہے، اسے یوں کہتے ایک حیادار کو شرم چاہیے تھی، دیکھو اذان من اللہ۔

(۳۶) ثانیاً: ابھی ابھی تو مجمع علیہ سب خلف و سلف کا کہہ چکے تھے اب ایک جماعت مالکیہ کا استثناء ہوتا ہے، مگر عبدالغفار خان را حافظہ نباشد۔

(۳۷) قولہ: اول تو اس کے عادل ہونے میں کلام ہے۔

اقول: یہاں سے مولوی صاحب ایک کالم سے زیادہ اپنی چہارم تحریر کا امام ابن اسحاق پر تبر اور ان کی حدیث صحیح کہہ دیں۔ سیاہ فرماتے ہیں: اور حیایہ کہ وقایہ اہل السنہ بھی اپنے پیش نظر بتاتے ہیں، جس میں صفحہ ۷ سے صفحہ ۲۳ تک پورے ۳۷ صفحاتوں میں ان تمام خیالات باطلہ کے وہ قاہر رد ہیں کہ پتھر پر پڑتے تو سرمہ کر دیتے، مگر شائباش ان صاحبوں کے جگر کو کہ اس پر کچھ اثر نہیں۔ مولوی صاحب کیا میں وہ اوراق پورے یہاں لکھ دوں، یہ تو غیر متناہی سلسلہ ہے، ہم لاکھ بار چھاپیں آپ قاہر ردوں کو کبھی ہاتھ نہ لگائیں، اور وہی مردودات سامنے لائیں، لہذا مہربانی فرما کر آپ وقایہ ہی پھر دیکھیے، مگر ایمان کی آنکھ سے وقایہ ہی دیکھیے اگرچہ پتھر کے دل سے مگر نہ اشد قسوة سے۔ افسوس ہزار ہا قاہر رد سننا اور ایک کا جواب نہ دینا اور پھر وہی مردودات حاضر لانا، اس مسئلہ اذان میں تمام مخالفین کی اسی پر گزر رہے، اللہ حیاء ہے، اللہ انصاف دے۔ اس بحث میں طول فضول ہے۔ ہاں مولوی صاحب نے کہیں کہیں اپنی تازہ علم دانی ظاہر فرمائی ہے اس پر چار حرف مناسب:

قولہ: تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں:

اقول: عبارت تقریب کے ترجمہ میں مولوی صاحب نے اپنی وہ فضیلت دکھائی ہے کہ علم حدیث کا ابجد خواں بھی جان لے کہ جناب کو اس طرف ہو کر گزرنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا، مثلاً:

(۳۸) یہ تو ہلکی سی ہے کہ صدوق کا ترجمہ سچا۔ یا تو مولوی صاحب کو صدوق و صدوق میں امتیاز

نہیں۔ یا قصداً آدھا ترجمہ رکھ چھوڑا کہ امام ابن اسحاق کی جتنی تعریف گھٹ سکتے۔

(۳۹) کمال حدیث دانی یہ کہ ”صدوق کے واسطے عدالت لازم نہیں“۔ مولوی صاحب نے فقط اغوی معنی پڑھے اصطلاح ائمہ سے آگاہ ہوتے تو ایسا نہ فرماتے۔ کیوں مولوی صاحب ایمان سے کہنا یہ ائمہ کبھی فاسق کو بھی صدوق سے موصوف کیا کرتے ہیں۔

(۴۰) افسوس آپ نے تقریب کا پہلا ہی ورق کسی سے پڑھ نہ لیا۔ صدوق کے لیے عدالت نہ لازم ہو تو یا اس میں کوئی امر قاذح معلوم ہے۔ یا کچھ معلوم نہیں بلکہ مجہول ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے تقریب میں جہاں انھوں نے راویوں کے بارہ درجے مقرر کیے ہیں۔ سب میں اعلیٰ درجہ صحابہ کرام اور سب میں بد تر وہ جسے کاذب واضح کہا گیا۔ ان میں صدوق کو چوتھے درجہ میں رکھا ہے، اور جس میں کوئی قاذح معلوم ہے اسے دسویں میں اور مجہول کونویں میں بلکہ مستور بھی ساتویں درجہ میں ہے کہ صدوق سے تین درجے گرا ہوا ہے مگر جناب ان علوم کو کیا جانیں۔

(۴۱) لطف یہ کہ ”الصدوق قد یکذب“ سبحان اللہ حدیث الٹ دینے کا منصب بھی جناب کو حاصل ہے حدیث تو یوں ہے کہ: الكذوب قد یصدق. یہ آپ کی ”الصدوق قد یکذب“ کس کا قول ہے۔ کیا جو کبھی کبھی جھوٹ بولے عرفاً اسے صدوق کہتے ہیں۔

(۴۲) عرف درکنار ائمہ اسے بہ لفظ صدوق وصف کریں گے۔

(۴۳) کیا آپ تقریب کا پہلا ورق کبھی نہ پڑھیں گے اور ہمیشہ یوں ہی اوندھے چلیں گے۔ درجات ملاحظہ ہوں: صدوق درجہ چہارم میں ہے، اور مہتمم بالکذب گیارہویں میں، اور کاذب تو خود سب سے نیچے بارہویں میں ہے، مگر جناب کو تو ان علوم سے اجتناب ہے۔

(۴۴) سب سے عجب قہر یہ ہے کہ ”رمی بالتشیع“ کا ترجمہ کیا ”چھوڑا گیا بوجہ شیعہ ہونے کے“ چلیے امام ابن اسحاق متروک ٹھہرے۔ مولوی صاحب آپ کو ایک ورق تقریب کہیں پڑھ لینا ایسا دو بھر ہے ملاحظہ ہو: رمی بالتشیع وغیرہ کو پانچویں درجہ میں رکھا ہے، اور متروک کو دسویں میں۔

(۴۵) معلوم ہے کہ صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے تعلقاً اور مسلم میں ان سے استشہاداً متعدد روایت کیں تو آپ کے لکھے صحیح بخاری میں متروکین سے تعلقیں ہیں، اور صحیح مسلم میں متروکوں سے استشہاد ہیں۔

(۴۶) تعلق و استشہاد کیسے صحیحین کے رواۃ اصول مسانید میں کتنے سو ایسے نکلیں گے کہ تقریب وغیرہ میں ان کو رمی ہکذا کہا گیا۔ مولوی صاحب نے صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں ردی کر دیں۔ کیا جناب

حلف سے کہہ سکتے ہیں کہ کبھی علم حدیث کی ہوا بھی جناب کو گئی ہے۔

(۴۷) اللہ عزوجل نے قذف کی دو صورت ارشاد فرمائی ہیں: ایک وہ کہ شوہر اپنی عورت کو زنا کی

تہمت لگائے، اسے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ﴾ [سورة النور: ۶] معنی آپ کے نزدیک یہ ہوں گے کہ جو لوگ اپنی بیبیوں کو چھوڑیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو مرد و عورت لعان کریں۔ مولوی صاحب فقہ میں کفر ہی پڑھ لیتے تو اچھا تھا۔

(۴۸) دوسرے وہ کہ غیر شوہر کسی پارسا مسلمان عورت کو قذف کرے اسے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ

يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَفْلَاتِ﴾ اس کے معنی اپنے طور پر کہیے تو۔ جو لوگ مسلمان پارسا بے خبر عورتوں کو چھوڑتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ فرمایا یہ کون سا چھوڑنا ہے، جس پر لعنت کا حکم ہے، اللہ عقل دے، حیا دے۔ جناب مولوی صاحب! اس دم اس حال پر علوم دینیہ میں جناب کو دخل دیتے شرم چاہیے تھی۔

(۴۹) مولوی صاحب آپ نہیں جانتے کہ رمی بمعنی طعن ہے۔ شرح قاموس ملاحظہ ہو۔ تو

عبارت تقریب کے یہ معنی تھے کہ ان پر تشیع و قدر کا طعن کیا گیا، نہ یہ کہ معاذ اللہ وہ بوجہ تشیع و قدر متروک ہیں۔

(۵۰) پھر طعن کیے جانے سے نہ اس طعن کا واقع میں ثابت ہونا ضرور، نہ اس سے راوی

کا مجروح قرار پانا لازم۔ آنکھ کھول کر تقریب ہی دیکھیے تو آپ کو اول کی بھی نظیریں ملیں گے، ”رمی ولم یثبت“ طعن کیا گیا اور اس کا ثبوت نہیں۔ اور ثانی کے امثلہ تو نہایت کثرت سے پائے گا۔

(۵۱) صاحب تقریب کی ہدی الساری مقدمہ صحیح بخاری دیکھ سکے۔ تو اس میں صحیح بخاری کے ان

کثیر راویوں کی فہرستیں پائے گا جن پر تشیع کا طعن۔ قدر کا طعن۔ خروج کا طعن اور کاہے کاہے کے طعن ہوئے ہیں، غرض آپ تو اذان اندر کرانے کے لیے اہل سنت کی صحاح ستہ و حدیث و فقہ سب کو مٹانے بیٹھ

گئے۔ سچ ہے: جبك الشیء یعمی ویصم۔ (۱)

(۵۲) آگے فرماتے ہیں: ”وجہ دوم شیخہ کے یہاں تقیہ دھوکہ دہی کے واسطے کافی و دوانی

ہے۔“ مولوی صاحب وقایہ میں کتنا پڑھا دیا تھا کہ اصطلاح ائمہ میں تشیع و رفض میں ایسا ہی بل ہے، جیسا علم دین اور جناب کی اس تحریر میں مگر سب کچھ دیکھ کر انجان بننا عوام کو دھوکہ دہی کے واسطے کافی و دوانی

ہے۔

(۵۳) مولوی صاحب وجہ اول وہ تھی کہ امام ابن اسحاق کے عادل ہونے میں کلام ہے، اور اس وجہ دوم کا حاصل کیا کچھ اور ہوا۔ مولوی صاحب ابھی کچھ دنوں پڑھ لیا ہوتا۔

(۵۴) ”یحتمل کہ جو محدثین ابن اسحاق کی تعدیل کرتے ہیں انھوں نے ظاہر حال سے دھوکا کھایا“ کیا اسی طرح جیسے مصنف ”اذان من اللہ“ نے جناب کے نام نامی کے ساتھ مولوی کا لفظ بن کر آپ سے مخاطبہ فرمایا، مولوی صاحب اب امام بخاری اور ان کے اساتذہ و ساتذہ اساتذہ و جماہیر ائمہ محدثین و امام ابو یوسف و امام طحاوی و امام ابو حنیفہ ان سب کی تحقیق اور پرکھ پر کیا اعتماد رہا۔ یہ سب کے سب دھوکا کھاتے اور باطل کو حق کر دکھاتے ہیں، پھر مذہب اہل سنت کی کیا ٹھیک۔

(۵۵) عجب کہ اب مولوی صاحب اپنی یحتمل سے تو ثبقات اجلہ ائمہ کا رد فرمانے لگے۔ امام بخاری اور ان کے اکابر اور ہزاروں ائمہ کا جزم قبول نہیں اور آپ کی یحتمل مقبول، أي سبحان اللہ۔

(۵۶) آپ تو فرعی مسئلہ میں فتوائے دوم میں: من شد شد فی النار۔ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں کہ جمہور ائمہ محدثین و جمیع ائمہ حنفیہ تو شیع ابن اسحاق پر ہیں، آپ اس کا خلاف کر کے اور ان سب کو دھوکا یافتہ باطل کوش ٹھہرا کر شد فی النار۔ ہوئے یا نہیں۔

(۵۷) ”جو اس کے جبث باطن سے واقف تھے انھوں نے جرح کیا“ مولوی صاحب یہ آپ نے الثائقہ پر کیا، امام بخاری کے استاذ امام ابن المدینی تو جارح ابن اسحاق کو فرماتے ہیں انھیں ابن اسحاق کا حال معلوم نہ تھا، آپ کی اسی تقریب والے ہدی الساری میں فرماتے ہیں: جس نے ابن اسحاق پر جرح کی جب سب بتایا کافی پایا۔

(۵۸) مولوی صاحب دھوکے دینا کچھ روافض سے خاص نہیں، اسی مسئلہ اذان کو دیکھیے کیسے بڑے بڑے سنی بننے والے عوام کو کیسے دھوکے دے رہے ہیں، ہر شخص کہ متعدی ادعائے علم و روایت حدیث ہو، اپنا ظاہر بنایا ہی چاہے۔ تو ہر مجروح میں آپ کی یہی تقریر جاری ہوگی کہ تعدیل والوں نے ظاہر حال سے دھوکا کھایا اور جو جبث باطن سے واقف تھے انھوں نے جرح کی تو مطلقاً جرح معتمد ہوگئی۔ اور بخاری و مسلم و ہر کتاب حدیث روی۔

(۵۹) قولہ: جناب مولانا صاحب وقایہ میں اس کی قدریت نہ اٹھا سکے۔
اقول: مولوی صاحب وقایہ میں طعن قدریت کے تین جواب موجود ہیں۔ مگر جناب کو کچھ نظر ہی نہ آئے تو اس میں وقایہ راجہ گناہ۔

(۶۰) قولہ: یہ مجبوراً لکھ گئے۔ وبالجملة هو مختلف فیہ۔

اقول: اولاً: کیا یہ وقایہ کا اپنا کلام ہے۔ جناب اردو عبارت بھی دس پانچ بار غور سے پڑھ لیا کیجیے۔

(۶۱) ثانیاً: مختلف فیہ ہونا کیا جرم ہے۔ آپ نے ائمہ دین اور بالخصوص امام محقق علی الاطلاق کا فتح

القدر میں ارشاد نہ سنا کہ مختلف فیہ کی حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں۔

(۶۲) ثالثاً: کیا اسی عبارت کا تمہ یہ نہ تھا: وهو حسن الحدیث، ابن اسحاق کی احادیث حسن

ہیں۔ اسے جناب اڑا گئے جس سے آپ کی مجبوری کھلتی۔ اگر دن کو آفتاب نظر نہ آئے تو ایک افسوس اور

قصد اچھپایا جائے تو ہزار۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

(۶۳) قولہ: تدلیس اٹھانے میں کوشش کی، یہ ثابت کیا کہ سماع ابن اسحاق کا ثابت ہے زہری

سے، ہم اس کے منکر نہیں۔

اقول: مولوی صاحب آپ نے اپنے عوام کو کیا بالکل اندھا سمجھ لیا کہ جیسا چاہیے دن کو رات

بتائیے، وہ آپ کی مان لیں گے۔ وقایہ میں ۳۶ سے ۴۱ تک ۵ صفحہ کامل طعن کے رد میں ہیں۔ ایمان سے کہنا

کیا ان کا یہ حاصل ہے کہ زہری سے ابن اسحاق کا سماع ثابت ہے لہذا تدلیس نہیں، افسوس کہ اندر کی اذان

باہر کے دین و دیانت سب پر نماز جنازہ پڑھ جائے۔

(۶۴) قولہ: ابن الہمام عبد اللہ بن زید کی حدیث میں ابن اسحاق کی تدلیس اٹھانے کے بارے

میں لکھتے ہیں:

اقول: مولوی صاحب اتنی بہ کف چرائی۔ امام ابن الہمام تو ذہلی کا قول نقل فرماتے ہیں۔ آپ کو

خود اپنے نقل فرمائے ہوئے الفاظ بھی نظر نہیں آتے کہ: قال ابن خزیمہ سمعت محمد بن

یحییٰ الذہلی یقول۔ ابن خزیمہ نے کہا میں نے ذہلی کو یوں کہتے سنا۔

ذہلی انھیں متاخرین محدثین میں ہیں جو حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ و جمہور ائمہ کے خلاف حدیث مرسل کو

نہیں مانتے۔ تو ان کا یہ قول کہ ہمارے امام کے خلاف ہے حنفی پر کیا حجت ہے۔ پھر امام ابن الہمام اگر

حدیث کی صحت بہ طور محدثین متاخرین بھی ثابت کرنے کو ان میں کسی کا قول نقل کریں تو کیا وہ امام ابن

الہمام کا اپنا قول ہو گیا۔ اللہ عقل دے۔

(۶۵) قولہ: خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن الہمام و حلبی وغیرہ محققین کے نزدیک تدلیس قابل اعتبار

نہیں۔

اقول: اولاً: مولوی صاحب اذان بیرون مسجد اگر بہ فرض غلط خلاف سنت بھی ہو تو کھلے افترا

و بہتان سخت کچھہ شدیدہ ہیں۔ کیا وقایہ میں آپ کو کھول کر نہ دکھا دیا تھا کہ مدلس کا عنعنہ باجماع ائمہ حنفیہ مقبول ہے۔ کیا ابن الہمام و حلبی حنفی نہیں کیا۔ حنفیہ کو آپ محقق نہیں جانتے۔ خدا شرم دے۔

ثانیاً: اسی بیان میں اس سے پہلے اس کے متصل آپ نے امام ابن الہمام کا یہ ارشاد نہ دیکھا کہ دربارہ اذان حدیث دارقطنی بسند منقطع عبد الرحمن بن ابی لیلی عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کی، پھر اس سند کا منقطع ہونا بتایا کہ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت عبد الرحمن کہ ان سے راوی ہیں سال دو سال کے تھے تو ان سے حدیث کیوں کر سن سکتے ہیں، بایں ہمہ فرمایا: هذا عندنا حجة بعد ثقة السرواة۔ جب راوی ثقہ ہوں تو سند منقطع ہمارے نزدیک حجت ہے۔ سبحان اللہ جن کے نزدیک وہ سند حجت ہے جس میں راوی کا نہ سننا یقیناً معلوم ہے، وہ مدلس کے عنعنہ کو جس میں نہ سننے کا فقط ایک احتمال ہے کیوں کر رد کر سکتے ہیں۔ فرمائیے یہ جناب نے آدھی عبارت چھپا کر صریح خیانت فرمائی یا نہیں؟

(۶۷) ثالثاً: علامہ حلبی نے اس سے بھی زائد فرمایا، اسی حدیث کا منقطع ہونا بیان کر کے فرمایا: وهذا عندنا وعند الجمهور حجة بعد ثقة الرواة۔ یعنی راوی ثقہ ہوں تو حدیث منقطع ہمارے اور جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔ کیوں مولوی صاحب یہ کیسی بھاری خیانتیں ہیں۔ مولوی صاحب آپ نہ شرمائیں یہ حرکات آپ کی نہیں تعصب و نفسانیت کا خدا برا کرے۔ یہ ان کے کو تک ہیں۔

(۶۸) قولہ: ابن الہمام و حلبی وغیر ہم فرماتے ہیں کہ مبتدع اگر محکوم بہ کفر ہے جیسے قدری اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

اقول: اولاً: وقایہ دیکھیے! یہی امام ابن الہمام کس زور شور سے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق ثقہ ہے، ثقہ ہے۔ اس میں ہمیں اور محققین اہل حدیث کو کچھ شک نہیں۔ اور فرماتے: ابن اسحاق کا ثقہ ہونا ہی نہایت روشن حق ہے۔ اب ابن اسحاق قدری نہیں۔ جب تو آپ کی ساری تحریر برباد اور اگر قدری ہیں تو کیا امام ابن الہمام ایک محکوم بہ کفر کو دین الہی میں ثقہ ثقہ یقینی بتا رہے ہیں۔ اب آپ کے نزدیک ابن الہمام خود کیا ہو گئے۔

(۶۹) ثانیاً: بخاری و مسلم دیکھیے، آپ کے کتنے رواۃ کثیر پر طعن قدر ہے۔ پہلے تو صحیحین کے رواویوں کو متروک ہی ٹھہرایا تھا اب کافر و محکوم بالکفر بنا دیا۔ یہ تیس روپے خدا جانے آپ کو کس حال تک پہنچائیں گے۔

(۷۰) ثالثاً: تقریب کا پہلا ورق آپ نے پڑھانہ پڑھیں، ملاحظہ ہو جس پر قدر کا طعن ہے اسے پانچویں درجہ میں رکھا اور جس میں کوئی قاذح بتایا گیا اسے دسویں میں۔ تو قدر کا طعن ائمہ حدیث کے

نزدیک عدالت میں بھی خلل انداز نہیں نہ کہ معاذ اللہ کفر۔

(۷۱) قولہ: نہیں ہے ابن اسحاق مگر ایک دجال۔

اقول: اولاً: حنفیہ اپنے اماموں پر غفار خانی چوٹ دیکھو! ابن اسحاق امام ابو یوسف کے استاذ امام

محمد کے استاذ الاستاذ ہیں، ان کو یہ دجال بنایا جاتے ہیں بلکہ کافر محکوم بالکفر۔

(۷۲) ثانیاً: وقایہ میں اس کے بھی مفصل رد تھے مگر نابینائی کچھ دیکھنے بھی دے، ان میں مولوی

صاحب کو کھول کر دکھا دیا تھا کہ امام مالک سے یہ قول ثابت نہیں، اور بالفرض ثابت ہو تو انھوں نے رجوع فرمایا، وغیرہ وغیرہ۔ ان کے چہرہ دائمہ اکابر سے دکھا دیے تھے۔ مگر دجل کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ حق کو دیکھ کر چھپائے اور اندھوں کو اندھی سمجھائے۔

(۷۳) قولہ: کہیں کسی نے قید علی باب المسجد کی نہ لگائی۔

اقول: سلامۃ اللہ لاہل السنۃ دیکھیے کہ حواس ٹھکانے آئیں، کس نے کہا ہے کہ خصوصیت باب

مسنون ہے، بلکہ منبر کی محاذات اور مسجد سے باہر یہ دونوں قیدیں صاف صاف کتب ائمہ میں دکھادیں، مگر ہزار سے ایک نہ سننا اور چیخ پکار بدستور۔ اس کا کیا علاج۔

(۷۴) ثانیاً: آپ کے مشائخ سے زحمتی نے رد المحتار وغیرہ میں اس کے مشائخ مذہب سے

ہونے کی تصریح ہے۔ اس کی کشف دیکھیے اس میں علی باب المسجد موجود ہے۔

(۷۵) ثالثاً: اصل بات یہ ہے کہ ائمہ نے بین یدیہ اور علی باب المسجد دونوں حدیث

ابن اسحاق ہی سے لیے کہ اوروں کی احادیث میں نہ یہ ہے نہ وہ، لیکن علی باب المسجد کا مقصد صرف اس

قدر تھا کہ کنارہ پر بیرون مسجد ہو اور یہ حکم سب اذانوں کے لیے عام تھا کچھ تخصیص اذان جمعہ کی نہ تھی، لہذا

اسے ائمہ نے باب الاذان میں ذکر فرمایا کہ: لا یؤذن فی المسجد۔ تاکہ تمام اذانوں کو شامل

رہے، خاص باب جمعہ میں اس کے ذکر کی وجہ نہ تھی کہ یہ حکم اذان جمعہ سے خاص نہ تھا۔ رہا بین یدیہ وہ اس

اذان جمعہ کا خاص حکم تھا اور کسی اذان کے لیے نہ تھا، لہذا ائمہ نے صرف اسے خاص باب الجمعہ میں ذکر

فرمایا، ناواقف نادان لوگ کہ باب الجمعہ میں صرف ایک دیکھتے دوسرا نہیں پاتے اپنی جہالت یا کم فہمی سے

یہ سمجھتے ہیں کہ علمائے ان دونوں قیود سے بین یدیہ اختیار فرمائی اور علی باب المسجد ترک کی حالاں کہ دونوں

اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ جاہل کہتے ہیں خاص اذان جمعہ کے لیے: لا یؤذن فی المسجد۔ دکھاؤ اور

نہیں جانتے کہ یہ حکم خاص اس کا نہیں عام اذانوں کا ہے۔ تو عام ہی کے باب میں عموماً مذکور ہوگا، نہ کہ ایک

ایک خاص کا نام لے کر کہ ظہر کی اذان جد میں نہ ہو، عصر کی نہ ہو، جمعہ کی نہ ہو۔ اسے وہی طلب کرے گا جو

محض نافہم ہے، یا نراہٹ دھرم۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسلمان اس تقریر کو یاد رکھیں کہ بہت سی جہالتوں کی تیخ کن ہے۔ واللہ الحمد۔

(۷۶) اب یہاں سے آخر تک مولوی صاحب وہ کالم اسی بین ید یہ وتوارث میں سیاہ فرماتے ہیں۔ ان خرافات کے رد صد ہا کر دیے، ہار ہا کر دیے، مگر ان کی انوکھی حیا کا کیا علاج، اول و آخر تک جو عبارتیں مبسوط و عینی و جمید یہ کی نقل کیں اور فتاویٰ جو اہر مجمع البرکات و معدن کے نام گنائے اور آخر میں بارہ اور بڑھائے ان سب سے استدلال دہی جہل و ہزل و خرط القتاد ہے۔ مگر خدا حیا دے اسی پر یہ دوں کہ ہم نے ایک سو اسی (۱۸۰) عبارات نقل کی ہیں۔ اور اپنی دوسری تحریر کو کہا کم سے کم پانچ چھ سو روایات ہوں گی۔ سب کا حال کھل گیا کہ تین کانے کے سوا کچھ نہیں، آپ نے سب میں جن کر بانگی کو یہ تین عبارتیں پیش کیں جن میں وہی بین ید یہ اور عند اور توارث ڈھاک کے تین پات باقی آپ کی چھ سو یا چھ لاکھ ان سے بھی گری ہوں گی۔ افسوس یہ حضرات اپنی ہٹ اپنی سخن پزوری سے کچھ کہے جائیں۔ کیا اور کوئی مسلمان بھی اتنا انصاف کرنے والا نہ رہا کہ اگر ایک ذرا سی روایت کہیں پاتے کہ یہ اذان خطبہ داخل مسجد ہونا سنت ہے تو کس دن کے لیے اٹھا رکھتے۔ چار طرف دوڑے، ہاتھ پاؤں پھٹھٹھائے، مہینوں کتب خانے چھانے مگر ایک حرف نہ ملا۔ چھ سو سنائیں اور ایک آدھی چہارم نہ لائیں۔ خدا حیا دے، خدا حیا دے خدا حیا دے، ہزار بار کی رد کی ہوئی مہملات کی طرف کہاں تک توجہ ہو، لہذا یہاں بھی چار حرف پر ختم کریں۔

(۷۷) قولہ: کوئی عاقل یہ نہ کہے گا کہ: علی المنبر ضد علی باب المسجد کی نہیں۔

اقول: کیا آپ وہی مولوی عبدالغفار خان ہیں جنہوں نے رام پوری دوسری پر الجواب ہو الصواب لکھ کر مہر چپکائی ہے؟ کیا اس میں نہ تھا کہ علی بمعنی عند ہے؟ کیا اس میں نہ تھا کہ اذان منبر و دروازہ کے وسط میں تھی، لہذا عند المنبر و علی باب المسجد دونوں صحیح ہیں۔ کیا آپ اس کے لکھنے تک عاقل تھے، یا لایعقل۔

(۷۸) قولہ: مولانا صاحب نے بین ید یہ کے معنی اپنی طرف سے گھڑے کہ بین ید یہ کے معنی

سامنے کے ہیں۔

اقول: اولاً: آہا آج یہ راز کھلا کہ آیات قرآنیہ کے ارشاد فرمائے ہوئے معنی کو مولوی صاحب کیوں نہیں مانتے۔ شاید مولوی صاحب کو یہ خیال ہے کہ قرآن مجید جناب مولانا صاحب کا گڑھا ہوا ہے، جب تو اس کے ارشاد فرمائے ہوئے معنی کو مولانا صاحب کے گڑھے ہوئے بتاتے ہیں۔

(۸۰) ثانیاً: خیر قرآن مجید کو یوں سمجھے ہوں اس لیے کہ اشتغال فلسفہ کے سبب اس کے یک معنی

کا اتفاق نہ ہوتا ہو، مگر حق نما فیصلہ میں بین ید یہ کے معنی صحاح جوہری وقاموس ومختار الصحاح وتاج العروس وجمع البحار وغیرہا کتب معتمدہ لغت اور معالم التنزیل وتفسیر خازن وتفسیر ابوالسعود وجلالین وعنایۃ القاضی وانموذج جلیل وتفسیر کرنی وفتوحات الہیہ کتب تفسیر سے ثابت کیے تھے۔ کیا یہ تمام کتب ائمہ وعلما بھی آپ کے نزدیک مولانا صاحب ہی کی گڑھی ہوئی ہیں، مولوی صاحب آنکھوں پر ٹھیکری کی کوئی حد بھی ہو۔
(۸۱) یہ مخالف لغت ہے۔

اقول: اگر کوئی لغت غفار اللغات آپ نے گڑھا ہو (جس کے معنی لغت کا چھپانے مٹانے والا) تو اس کے مخالف ہو، مگر صحاح وقاموس ومختار وصریح وتاج ونہایہ وجمع وغیرہا کتب معتمدہ لغت کا ضرور موافق ہے۔

(۸۲) قولہ: مخالف محاورہ فقہا ہے۔

اقول: سچ کہنا لغت تو آپ نے رام پور کی غیاث اللغات سے جانا ہوگا، فقہا کا محاورہ کہاں سے معلوم فرمایا۔ وہ آپ کے رام پور میں کون سے تازہ فقہا ہوئے ہیں جنہوں نے قرآن مجید و حدیث صحیح و صحابہ و ائمہ مفسرین و شراح حدیث و ائمہ لغت سب کے محاورات کو منسوخ و رد کر کے اپنا نیا محاورہ گڑھا ہے۔
(۸۳) قولہ: بین ید یہ لفظ مرکب ہے۔

اقول: مولوی صاحب آپ کو علم کی بدہیات نظریات ہیں۔ آپ کیا جانیں کہ اجزائے ترکیبی کے معنی کچھ ہوتے ہیں اور محاورات میں مرکب کے معنی کچھ۔

(۸۴) قرآن مجید کا آپ کو شغل نہیں ورنہ تصنع علی عینی میں اپنی یہی منطق لے کر چلتے کہ علی عینی لفظ مرکب سے عمل کے معنی پر بلکہ فتوائے دوم کے طور پر کے اوپر چڑھ کر اور عینی کے معنی میری آنکھ تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تاکہ اے موسیٰ تو بنایا جائے میری آنکھ کے اوپر چڑھ کر حالاں کہ علی عینی کے صرف اتنے معنی ہیں کہ میرے سامنے۔ میرے پیش نظر۔ یوں ہی بین ید یہ کے ترکیبی معنی ہیں دونوں ہاتھوں کے بیچ میں جو حقیقۃً انسان کے سینہ و کمر کی حالت ہے جو آپ لے رہے ہیں۔ اور جو ہرگز نہ بنے گا جب تک مؤذن خطیب کی چھاتی پر نہ چڑھے بلکہ جب بھی بنا دشوار ہے۔ اور محاورہ میں اس کے معنی ہیں سامنے محاذی پیش رو۔

(۸۵) قولہ: معنی حقیقی بین ید یہ کے درمیان دونوں ہاتھوں کے ہوئے، جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو سجدہ گاہ بین ید یہ ہوتی ہے۔

اقول: زندہ باش کیا خوب سمجھے ہو کہ باقل کی روح پھڑک گئی ہوگی۔ سبحان اللہ مصلیٰ کے بین

یہ سیدہ گزرنا منع ہے یعنی جب مصلی سجدہ میں دونوں ہاتھ رکھے اس وقت سجدہ گاہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتی ہے، خاص اس درمیانی جگہ میں گزرنا منع ہے۔ کیوں کہ حقیقی معنی بنانا ہیں۔ سچ ہے: جبک الشیء یعمی ویصم۔

(۸۶) قولہ: امام محمد بین ید یہ کی تفسیر ساتھ سجدہ گاہ کے کرتے ہیں۔

اقول: اولاً: سجدہ گاہ آپ کو خوب یاد رہی، حق نما فیصلہ اور اب آپ پر تازہ نازل سلامۃ اللہ لابل السنہ دیکھیے وہ بتا دے گا کہ یہاں موضع سجود سے کیا مراد ہے، اور یہ کہ یہاں اس پر دلالت کیوں ہے اور یہ کہ وہی معنی بین ید یہ موضع سجود بلکہ اس سے بھی اقرب بلکہ اتصال حقیقی سے آٹھ ہزار برس کی راہ کے فاصلہ تک پھیلے ہوئے ہیں، مگر آپ سب صاحبوں کو دیدہ نادیدہ اور شنیدہ ناشنیدہ کی بیماری لگ گئی ہے، اس کا کیا علاج ہو۔

(۸۷) ثانیاً: آپ نے فتوائے دوم میں تو آیت کریمہ: ﴿وَجَعَلْنَا مَن بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سَدًا﴾ [سورۃ یسین: ۹] سے بین ید یہ کے معنی اتصال حقیقی کے لیے تھے، اب یہ آپ کی سجدہ گاہ تک کیوں کر پھیل گئے۔

(۸۸) ثالثاً: اس میں پچاس گز کے فاصلہ تک گنجائش رکھی تھی (دیکھو سلامۃ اللہ) اب آپ کی سجدہ گاہ تک کیوں کر سمٹ آئی۔

(۸۹) مولوی صاحب اصل بات وہی ہے جو حق نما فیصلہ اور سلامۃ اللہ میں ارشاد ہوئی کہ بین ید یہ کے معنی خاص صرف محاذی و پیش نظر کے ہیں، اور یہ باختلاف مقام مختلف ہوتا ہے، نمازی کو حکم ہے کہ اپنے موضع سجود پر نظر رکھے تو اس کے پیش نظر وہی شی ہوگی جو موضع سجود میں گزرے۔

(۹۰) قولہ: ظہیر یہ میں ہے: وهو موضع قدمہ الی موضع سجودہ۔ (۱)

اقول: ارے یہ آپ کی سجدہ گاہ پاؤں تک کیسے پھیل گئی؟ کیا جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو اس کے پاؤں بھی اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتے ہیں۔

(۹۱) قولہ: جب عمل معنی حقیقی پر ہو سکتا ہے، مجاز ساقط ہوتا ہے۔

اقول: اولاً: جبھی تو کہا تھا کہ آپ کے یہاں خطیب کی چھاتی کی خیر نہیں، کیوں کہ آپ اجزائے ترکیبی کے معنی لے رہے ہیں، یعنی خطیب کے ایک شانہ سے دوسرے تک جو فاصلہ ہے اس کے بیچ میں

مؤذن کھڑا ہو تو اگر اس نے خطیب کی چھاتی پر بھی پاؤں جمائے تو حقیقۃً بین یدیدہ نہ ہو جب تک کہ خطیب کے سینہ میں دو طاق کھدوا کر اس میں مؤذن کے پاؤں گلا نہ دیے جائیں، خیر اسے یہ کہیے گا کہ اس پر عمل ہو نہیں سکتا تو بہت اچھا خطیب کے کندھوں میں دونوں کا بین بند ہوائے کہ مؤذن ان میں پاؤں رکھ کر خطیب کے منہ پر کھڑا ہو کیوں کہ حقیقت پر عمل کرنا ہے۔

(۹۲) ثانیاً: آپ نہیں جانتے کہ حقیقت عرفیہ یہی محاذی و پیش رد ہے اور آپ کا اجزائے ترکیبی کی طرف دوڑنا محض نادانی و غلو۔

(۹۳) قولہ: جیسے بین یدیدہ کے معنی جناب مولانا نے گڑھے اسی طرح توارث کے جھٹ بنا لیے۔

اقول: بین یدیدہ کے معنی کا حال سن چکے۔ مسلمان ہو کر قرآن عظیم کے ارشاد کو گڑھت کہہ دیا۔ اب توارث کی بھی سنیے! مولوی صاحب سنت متوارثہ کے جب وہ معنی نہیں جو جناب کے خصم نے تحریر کیے تو کیا سنت متوارثہ اسے کہتے ہیں جس کی آمد کا پتا زمانہ رسالت و عہد خلافت میں نہ ہو بلکہ ان میں اس کا خلاف ہوا ہو؟۔ زہے ملائی۔

(۹۴) قولہ: اشتہار میں لکھتے ہیں متوارث وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کی میراث ہے۔ دیکھو کیسی مہمل عبارت ہے۔

اقول: مولوی صاحب مہمل کی کوئی دلیل بھی ہے۔ یا صرف اتنا کہ آئینہ میں اپنا ہی منہ سو جھتا ہے۔

(۹۵) قولہ: سب جانتے ہیں کہ: العلماء و رثة الانبیاء۔ علم میراث ہے۔

اقول: دیکھیے مولوی صاحب مہمل کی یہ صفت ہوتی ہے۔ کہیے اس جملہ کو رد میں کیا دخل ہوا بلکہ یہ تو اسی ارشاد اشتہار کی دلیل ہے کہ جب علم میراث انبیاء علیہم الصلاة و الثناء ہے تو متوارث مطلق وہی ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے موروث ہو، اور بعض بلکہ بہ فرض باطل کل کا ترک نافی توارث مذکور نہیں کہ موروث علم ہے اور علم و عمل میں فرق نہ کرنا جہل۔ شاید خلفائے راشدین کے ذکر پر چڑے ہوں کہ علم تو میراث انبیاء ہے، خلفائے راشدین کا نام کیوں لے دیا۔ تو اول تو آپ کا فقرہ علم میراث ہے، اس کی شامت نہیں کرتا۔ ثانیاً: خلفائے راشدین سے موروث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے موروث ہے، کہ ارشاد حدیث ہے: علیکم بستتی و سنة الخفاء الراشدین عضوا علیہا بالنواجذ (۱)۔

ثالثاً: جمعہ کی اذان اول آپ کے نزدیک متواتر ہے یا نہیں۔ اس کا توارث خلیفہ راشد سے ہے، یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ آپ اسی پرچہ میں امام عینی سے نقل کریں گے: بسندک جبری التوارث من زمن عثمان رضى الله تعالى عنه۔ بلکہ خود فتوائے دوم میں کہہ چکے ہیں۔ اذان ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اور اب تک اس کا توارث ہے۔
قولہ: مولانا عقل کے ناخن لواؤ۔

اقول: اذان من اللہ نے تو چون (۵۴) بار لے دیے تھے، کیا اتنی جلد پھر بڑھ گئے۔ ایسا ہے تو جناب اپنی عقل شریف کے لیے آٹھ دس لحم تراش نو کر رکھ لیں۔

قولہ: مجر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما گئے ہیں: حبك الشىء يعمى ويصم۔ (۱)
اقول: ارشاد حدیث قطعاً حق ہے جس کی واضح و کثیر و روشن مثالیں اذان من اللہ وغیرہ میں ثابت کر دیں اور ابھی آپ کے اختراع پر آیت پڑھ چکا ہوں: ﴿وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ [سورة الحج: ۴۶] اور ایک آپ ہی نہیں بلکہ رواج کے مارے مارے کے سارے مخالفین اندھے ہو رہے ہیں، حضرت شیخ مجدد الف ثانی آپ حضرات کے رواج رواج پکارنے کی تصویر اتار گئے کہ.....

اکثر علمائے ایں وقت رواج دہندہ ہائے بدعت اندو محو کنند ہائے سنت بدعتہائے پہن شدہ راتعامل خلق دانستہ بجاواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ می دہند و مردم را بدعت دلالت می نمایند۔

مگر آپ تو اپنی دھن میں پیران سلسلہ کو بھی بالائے طاق رکھ چکے ہیں۔
(۹۷) قولہ: ایسی محبت ابن اسحاق کی غالب ہو گئی ہے کہ اس کے قول کی وجہ سے ہر شی کی تاویل

ہے۔

اقول: اولاً: آپ کو قول و روایت میں تمیز نہیں۔ یا باطل پرستی کی حجت ایسی غالب آگئی کہ یعمی

ویصم۔

(۹۸) ثانیاً: تاویلات باطلہ مطرودہ ملعونہ تو وہ ہیں جو آپ سارے کے سارے ارشاد حدیث علی

باب المسجد میں بنا رہے ہیں۔

(۹۹) ارشاد فقہ: لا يؤذن في المسجد۔ میں دکھا رہے ہیں جن کو ہزار بار گھر تک پہنچا دیا مگر

أعوذ بالله من الخبأة الطلعة۔

(۱۰۰) ثالثاً: اہل حق کے حق بیانوں کو کہ آیات کثیرہ قرآن عظیم سے مؤید ہیں محبت ابن اسحاق سے تاویل ٹھہرانا وہی مثل ہے کہ زمر متنی بدائھا وانسلت۔ شاید (شاید نہیں بلکہ ضرور) آپ اللہ عزوجل کو بھی فرمائیں گے کہ ابن اسحاق کی محبت ایسی غالب ہو گئی تھی کہ جا بجا اس کی حدیث کی مؤید آیات مخالف لغت و مخالف محاورات قرآن عظیم میں بھردیں۔

رابعاً: توارث کے معنی کو تاویل کہنے کا حال ابھی کھلا جاتا ہے، غرض اہل حق کے کلام کو ناحق تاویل بتانا وہ جادو تھا کہ سر پر چڑھ کر بولا۔ اس کے مستحق یہی الفاظ تھے جو مولوی صاحب نے فرمائے کہ عقل کے ناخن لٹاؤ۔ نہ سمجھ کو دخل دیتے ہیں، نہ رجوع کتب مذہب کی طرف ہے، دیانت جائے، امانت جائے، مذہب جائے، کانوں کی روئی نکال کر آنکھیں مل کر ہوشیار ہو جائے مگر مولوی صاحب سے یہ غلطی ہوئی کہ آئینہ میں دیکھ کر انھیں آئینہ کے وصف سمجھے، مولوی صاحب یہ ساتوں آٹھوں صفتیں آپ ہی کی امہات سب سے ثمانیہ صفات ہیں جس کا حال اذان من اللہ، وقایۃ اہل السنۃ، سلامۃ اللہ، وحق نما فیصلہ اور اب اس نفی العار سے روشن وللہ الحمد۔

(۱۰۱) قولہ: ابن الہمام توارث کے معنی لکھتے ہیں۔

اقول: مولوی صاحب تعصب کی پٹی عناد کے ٹینٹ آدمی کو یعمی ویصم کر دیتے ہیں، تین بیسی اور ساٹھ متخالف نظر آتے ہیں۔

اولاً: اشتہار اہل حق میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابتدا کی تھی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کی میراث ہے آپ نے جو امام ابن الہمام سے نقل کی اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر انتہا کی کہ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لیا، صاحب شرع سے بات ایک ہی ہوئی، آپ نہیں جانتے کہ ایسی ترتیب میں جدھر سے چاہے شروع کیجیے، حاصل ایک ہی ہوتا ہے، اور ان تعبیروں میں تخالف سمجھنے والا حقیق نہیں مجنون کہلاتا ہے۔

(۱۰۲) ثانیاً: آپ اپنی ہی دیکھیے عبارت ابن الہمام نقل کر کے کہا: اسی طرح اذان خطبہ مسجد میں متواتر ہے، یعنی ہم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک اور اسی تحریر میں اوپر لکھ چکے ہیں کہ ”زمانہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی یومنا هذا، چلی آتی ہے“۔ دیکھیے آپ نے ایک بار ترتیب ادھر سے لی کہ کلام ابن الہمام ہے اور ایک بار اوپر سے جو اشتہار اہل حق میں ہے۔ دونوں کا حاصل اگر ایک نہ تھا تو اب اپنی کہیے کہ آپ نے توارث کے کون سے معنی جھٹلے بنا لیے یا پٹ گڑھ لیے۔ مولوی

صاحب! ایسی بدیہی باتوں میں کمال ڈھٹائی سے حق کی تکذیب کرنا اور اندھے عوام پر اندھیری ڈالنا کون سی دیانت، امانت، مولویت، انسانیت ہے، اللہ حیا دے۔

(۱۰۳) قولہ: اسی طرح اذان خطبہ مسجد میں متواتر ہے۔

اقول: چلیے ہاں یہ مسجد کے اندر آپ نے لی اپنے پہلوں سے، انھوں نے اپنے پہلوں سے، یہ دو چار پشتیں۔ سہی کیا اس سے توارث ہو جائے گا؟ اپنے ہی معنی توارث لیجیے کہ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لیا صاحب شرع سے۔ بس اس کی دلیل چاہیے، یہی ہمیشہ آپ سے مانگی اور نہ دی، نہ دو، نہ دے سکو۔ جب صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و سر داران جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کہ یہ اذان دروازہ مسجد پر ہوتی تھی تو فقط اپنا ناقص رواج دیکھ کر ٹھہرا لینا کہ زمانہ رسالت و زمانہ صحابہ سے یوں ہی ہے، نہ فقط بے دلیل بلکہ صریح خلاف دلیل ہے، اس ہٹ دھرمی کا علاج نہیں۔

(۱۰۴) شیخ مجدد صاحب کی نہ سنی کہ آپ ہی جیسے علما کو فرماتے ہیں:

اکثر علمائے ایں وقت رواج دہندہ ہائے بدعت اندو محو کنند ہائے سنت، بدعت ہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بہ جواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ می دہند و مردم را بدعت دلالت می نمایند الی قولہ نمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست۔ تعاملے کہ معتبرست ہماں ست کہ از صدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ (الی قولہ) و شک نیست کہ علم بہ تعامل کافہ انام و بعمل جمیع قری و بلدان از حیث بشر خارج ست۔

فرمائیے آپ سچے یا حضرت مجدد الف ثانی۔

(۱۰۵) قولہ: و اذا صعد الامام (الی قولہ) اور یہی سنت متواتر ہے۔

اقول: یہاں مولوی صاحب نے عینی و حمیدیہ کی دو عبارتیں نقل کیں جن میں وہی بین یدیہ ہے، پھر بارہ کتابوں کے نام گنائے، اور فرمایا: ان روایات سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اذان خطبہ زمانہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی یومنا ہذا، برابر مسجد میں ہوتی چلی آئی ہے۔

اقول: ان روایات اور وہ ایک سواسی (۱۸۰) جو آپ بتا رہے ہیں اور پانچ سو چھ سو جن کے زبانی

جمع خرچ آپ سنا رہے ہیں سب سے ثابت ہے کہ یہ اذان زمانہ اقدس سے منبر کے سامنے امام کے محاذی ہوتی چلی آرہی ہے۔ مگر یہ جو فرمایا کہ برابر مسجد میں ہوتی چلی آئی ہے، اسی کا ثبوت درکار ہے، یہ مسجد میں ان روایات کے کس لفظ کا ترجمہ ہے، یہی تقاضا اول روز سے آپ پر سوار ہے، آپ نہ اس کا جواب دیں نہ اپنی ہانک چھوڑیں، اس کا کس کے پاس علاج۔

(۱۰۶) ہاں ہاں شرم، حیا، دیانت، امانت، ایمان، انصاف رکھتے ہو۔ تو پانچ سو، چھ سو نہیں، پانچ چھ ہی۔ پانچ چھ نہیں ایک ہی روایت صحیحہ معتمدہ میں صاف صاف یہ مضمون دکھا دیجیے کہ یہ اذان زمانہ رسالت سے آج تک برابر جو ف مسجد کے اندر ہوتی چلی آئی ہے، اور جب یہ نہیں لاسکتے اور ہرگز ہرگز نہیں لاسکو گے، تو اللہ واحد قہار سے ڈرو اور سنت مصطفیٰ اصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وارنہ کرو۔

(۱۰۷) قولہ: اور یہی معمول یہاں سارے عالم کا ہے۔

اقول: اذان من اللہ ووقایۃ اہل السنۃ وحق نما فیصلہ و سلامۃ اللہ دیکھو اور کذب صریح سے توبہ کرو۔
قولہ: یہ مشتے نمونہ خروارہ ہے۔

اقول: بانگی کی تو یہ حالت تھی اس خرواری کی کیا بہتر کیفیت ہوگی۔

(۱۰۸) قولہ: ہم نے ثابت کیا ہے کہ اذان پنج وقتہ بھی مسجد میں مکروہ نہیں۔

اقول: اولاً: اب دل کی کہی یعنی ائمہ دین جو عام کتابوں میں برابر ارشاد فرما رہے ہیں کہ: لا یؤذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان دینا منع ہے۔ یکرہ أن یؤذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ یہ محض غلط و باطل ہے، مسجد میں کوئی اذان مکروہ نہیں۔ اب اپنے فتویٰ دوم میں اذنا ب تصدیقات سے ذنب اخیر کی ریز یاد کیجیے کہ تقلید کا جو اگر دن سے اتار کر الگ پھینک دیا۔ مبارک باشد۔

(۱۰۹) ثانیاً: آپ کو ابھی کتنے دن ہوئے کہ فتوائے دوم میں ایمان لا چکے ہیں۔ فقہ کی معتبر کتابوں میں اذان خطبہ کو اندر مسجد کے منع نہیں لکھا، اذان اول کی نسبت یہ حکم ہے۔ پھر فرمایا: فتاویٰ قاضی خاں اور خلاصہ اور خزائنہ المفتین وغیرہ اور عالم گیر یہ میں جو عبارت: لا یؤذن فی المسجد، ہے وہ اذانہائے پنج گانہ کی نسبت ہے۔ پھر کہا: قنیہ میں نسبت اذان پنج گانہ کی لکھا ہے۔ پھر کہا: فتح القدر کی عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ اذان اول بیرون مسجد۔

غرض اس وقت تک ایمان تھا کہ اذان پنج گانہ مسجد میں منع ہیں، مکروہ ہیں، اب کوئی نیا سر کر آ گیا کہ وہ حکم ائمہ سرے سے الگ تقلید کا جو فقط اتار کر نہ پھینکا بلکہ بھٹی میں ڈال کر پھونکا، بلکہ برادہ کرا کر پھانکا، لہذا انصاف۔ کیا یہی حق پرستی ہے۔

(۱۱۰) قولہ: چوں کہ ہمارے پاس یہ اشتہار آیا، دوسرے روز ہم نے اس کے مقابلہ میں اشتہار

لکھا۔

اقول: اللہ حیا دے۔ تو مقابلہ کا نام لیتے شرمایے۔ قطع نظر ان اوصاف جمیلہ بلکہ آپ کی امہات سب سے ثمانیہ کے جو ان سطور میں ظاہر فرمائیں، وہی مردود باتیں پیش کیں، دیوبندیوں کی تقلیدیں لیں، ائمہ

حنفیہ کی تقلید کو دشنام میں دیں۔

وہ اشتہار تو اس مضمون پر تھا کہ جناب مولوی سلامت اللہ صاحب نے تحریری فتوؤں کا فریب کھول دیا کہ نہ میں نے فتویٰ لکھا، نہ تصدیق کی، نہ حکم کیا، نہ مشورہ دیا، میری طرف ان کی نسبت محض افترا ہے جن کی حرکتوں نے یہ تصدیقیں میرے سر باندھیں، میں اللہ تعالیٰ سے ان کی فریاد کرتا ہوں، اس کا کیا جواب ہوا۔ پھر نام مقابلہ لیتے کچھ شرم چاہیے تھی۔ اللہ حیادے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۱۱۱) جناب مولوی عبدالغفار خان صاحب نے اذان ثانی جمعہ میں حدیث وفقہ کو پس پشت کیا اور اعلیٰ حضرت مجدد المائۃ الحاضرہ کی مخالفت فرمائی۔ جب دلیل طلب کی گئی دنیا بھر کا جغرافیہ پڑھنا شروع کیا کہ تمامی ملکوں میں امصار و قری میں ہندوستان، افغانستان، عربستان خراسان، فارستان، شام، یمن، روم، مصر، دیار، امریکہ، افریقہ سب جگہ یہی معمول بہا ہے، ضرور ہے کہ مولوی صاحب سب جگہ گھوم آئے یا ہر جگہ سے ٹیلی گرام منگوا لیے ہوں گے، مگر حقیقت امر دیکھیے تو مولوی صاحب کو ہندوستان ہی کی خبر نہیں، تا بہ دیگر بلاد چہ رسد۔ دہلی، لاہور، اکبر آباد، سہارن پور وغیرہا میں اذان منبر سے بہت فاصلہ پر بلند مکبرہ پر ہوتی ہے، اور مکبرہ کہ اول سے بنا حکماً خارج مسجد ہے جس کی تحقیق فتویٰ اول و سلامۃ اللہ میں ہے۔ مولوی صاحب کا جغرافیہ تو اسی قدر سے رد ہو گیا، اب اگر اس پر کہا جائے کہ زمانہ شوکت اسلام میں کہ اس قدر تعدد جمعہ کی کثرت نہ تھی کہ شہر میں بیس بیس جمعہ بلکہ اب رام پوری صاحبوں نے تو ایک ایک کوردہ، ایک ایک گونیا کو مصر جامع و مدینہ عظیمہ کر دیا اور ارشاد حدیث: لا جمعة ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر او مدینة عظيمة۔ کو خوب پیٹ بھر کر رد کر دیا۔ جب ایسا نہ تھا شہر میں ایک مسجد جامع بنتی جس میں باذن سلطان جمعہ ہوتا، ان سلطانی جامعوں میں غالباً یہ مکبرے بنے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک یہ اذان بیرون مسجد ہی ہوتی تھی، اور ان میں یہ مکبرے علمائے کرام ہی کی رائے سے بنتے تھے، ہاں جو مساجد شاہی جامع نہیں یا بعد کو عوام نے بنائیں یا عام مسجدوں میں جمعے کر لیے ان میں یہ مکبرے نہیں۔ عوام نے مکبروں کی حکمت نہ سمجھی اور ان کو داخل مسجد دیکھا اور نہ جانا کہ وہ زمین مسجد کے احاطہ میں ہو کر پھر بھی مثل حوض و چاہ قدیم ان امور میں خارج مسجد ہیں۔ نادانی سے اذان داخل مسجد سمجھ لیے اور عند المنبر میں عند کا فارسی میں نزدیک اردو میں پاس ترجمہ دیکھ کر اذان منبر سے متصل کر لی، اور جب یہ اذان داخل مسجد سمجھی باقی اذانوں کو اس پر قیاس کر کے جہاں منارہ نہیں ہر اذان مسجد میں دینے لگے، آج کل کے علمائے حسب ارشاد حضرت شیخ مجددیہ رواج دیکھ کر اسے تعامل جانا اور اس کے

جواز بلکہ استحسان پر فتویٰ دیا، بلکہ اسی کو سنت سمجھنے لگے۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم۔
 (۱۱۲) مولوی عبدالغفار خاں صاحب نے پھر اس اشتہار میں جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کو لپیٹا ہے، فرمائیے جب آپ کی دوبار تشہیر تصدیقات کو جناب موصوف صاف کذب و افترا بتا چکے، تو اس تیسرے کے صدق پر آپ نے کون سی برہان دی، جہاں وہ دو جھوٹ تھیں یہ تیسری کیوں نہیں۔ اگر کہیے، اس کے بعض بعض پرچوں پر جناب موصوف کی مہر بھی لگا کر بھیجی ہے تو جناب مہر سرفتہ بھی ملتی ہے، غصباً بھی ہاتھ آسکتی ہے، مولوی صاحب کے ہاتھ کی کونسی تحریر ہے، جب آپ کی ردکار روایوں سے وہ صراحۃً منکر ہو چکے اور ان کو بہتان و افترا بتا چکے تو حیا و غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے دستی خطوط عمائد کو بھجواتے۔ یا کم از کم دارالافتا میں حاضر کرتے ورنہ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ..... کے گواہ.....

(۱۱۳) بلکہ خدا انصاف دے و نظر نشان جناب موصوف یہ تحریر ہرگز ان کی نہیں ورنہ اس پر وہ اعتراض ہوں جو ایک جاہل نا فہم کی کاروائی پر جو ہمارے نزدیک جناب موصوف سے کمال مستبعد ہے۔ مثلاً: اولاً: اگر جناب موصوف اس اذان کا متصل منبر ہونا ہی سنت متوارثہ جانتے ہیں تو اپنے آپ کو بالکل بے علاقہ و بری ٹھہرا کر۔ ۳۵۔ سوالات کے جواب سے معافی مانگنے کے کیا معنی تھے۔
 (۱۱۴) ثانیاً: جب خلاف پر ہیں دعوت مناظرہ سے گریز کس لیے۔

(۱۱۵) اب آپ ان راہپوریوں کے ہم خیال ہیں تو وہ کون سے ناجائز و خلاف مراد الفاظ ان لوگوں نے آپ کی تحریرات و وسطری میں تو بڑھا لیے جس پر آپ اللہ تعالیٰ سے ان کی فریاد کرتے ہیں۔
 (۱۱۶) آپ نے لکھا تھا کہ جو امر متوارثہ ہے وہی حق ہے اور لکھا کہ اس عبارت کو لوگوں نے اپنی اپنی تحریروں پر لکھ کر شائع کیا، اور لکھا کہ اس مقدار پر تو بجز اللہ سبحانہ حضرت کو اس فقیر کے ساتھ اتفاق ہے، اور اب فرماتے ہیں: متوارثہ سے مراد وہ معنی ہیں جو فی الواقع محقق ہے، جس کا نمونہ اس تحریر میں دکھایا گیا، اگر اس تحریر سے مراد کوئی تحریر علمائے اہل حق ہے تو ضرور آپ کی یہ شکایت صحیح ہے، کہ دوسروں نے اسے اپنی تحریروں پر کیوں لکھ لیا اور یہ فرمانا حق ہے کہ اس مقدار پر حضرت کو آپ سے اتفاق ہے، لیکن اگر اس سے تحریر سوم غفار خانی مراد ہے تو حضرت کو اس پر کب اتفاق ہے، ایک کلیہ میں اتفاق جب کہ خاص مسئلہ دائرہ کے اس میں داخل ہونے نہ ہونے ہی پر نزاع ہو مسئلہ دائرہ میں کیا کام دے سکتا ہے، اور مناظرہ سے بچنے اور جواب سوالات سے معافی مانگنے کے لیے کیا عذر و حیلہ ہو سکتا ہے، اور پھر ان شائع کرنے والوں کی کیا خطا ہے، کہیے اب جناب موصوف کے لائق یہ ہے کہ ان کا کلام آپ کی طرح باطل پر حمل کیا جائے یا ہمارے مانند حق پر۔ واللہ الہادی ولہ الحمد فی العواقب و المبادی و علی

آلہ و صحبہ و ابنہ و حزبہ الی یوم التناذی آمین۔ والحمد للہ رب العلمین۔

نفی عار و اظہار اعتذار از جانب جناب عبد الغفار

اذان من اللہ میں چون (۵۴) سوال تھے، اور یہاں ایک سو سولہ (۱۱۶) جملہ ایک سو ستر (۱۷۰) اگرچہ جناب مولوی عبد الغفار خان صاحب نے نہ ان سے جواب دیا نہ قیامت تک ان سے دیں مگر ہم بہ مقتضائے دوستی ان کی جانب سے نفی عار و اقامت اعذار چاہتے ہیں، مولوی صاحب ان کاروائیوں میں بوجہ بے قصور یعنی معذور ہیں۔

اولاً: مولوی صاحب کو علوم دینیہ سے نہ اشتغال رہا نہ ان کی تکمیل فرمائی تو منشأً اغلاط تصور فہم ہے اور اس کا باعث تصور علم پھر مولوی صاحب کا کیا تصور۔

ثانیاً: شہرت اکثر نفوس کو بالطبع پسند ہے اور عالم کے لیے نافع و سود مند، اور مثل مشہور ہے۔ ان کا طرف مقابل بننے سے آدمی مشہور ہو جاتا ہے ہم سے بعض ثقافت نے جناب مولوی حافظ عنایت اللہ خاں صاحب کا قول بیان کیا کہ انہوں نے مولوی صاحب کی یہ تحریر سوم دیکھ کر فرمایا: اب عبد الغفار خان بھی مشہور ہونا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جواب سوالات ممکن نہیں، اور سکوت وجہ خمبول۔ ناچار ان اسباب کے اختیار پر مجبور۔

ثالثاً: وہابیہ لعنہم اللہ تعالیٰ اب گستاخیوں میں بے حد بڑھ گئے۔ اللہ (۱) و رسول کی جناب میں کھلے کھلے سب و شتم چھاپے۔ مولوی صاحب کو بھی غصہ آیا کہ ان کے مقابل کچھ لکھیں مگر عمر گزری کوئی سطر کسی بد مذہب کے مقابل نہ لکھی۔ ناچار اہل سنت پر وار کرنا چاہا نہ کسی مخالف کی غرض سے بلکہ اسی لیے کہ پہلے گھر میں سیکھ لیں پھر باہر نکلیں۔ اس نیت پر مولوی صاحب کی کارگزاری قابل شاباش ہے، اسی طرح اور بعض اعذار ہو سکتے ہیں۔

ع والعدر عند کرام الناس مقبول

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ أجمعین

آمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

مسئله اذان میں تصدیق اعظم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سلالہ دودمان غوثیت شاہزادہ سرکار بغداد اولاد امجاد حضور سیدالاسیاد

حضرت سیدنا مولانا فخر الملتہ والدین حضرت پیر سید ابراہیم صاحب

آفندی قادری جیلانی حموی بغدادی دامت برکاتہم العالیہ۔

جناب العالم الفاضل ، والبحر المتقاطر ، حضرة مولانا المولوي أحمد
رضا خان المحترم۔ أدام الله وجوده ظلاً و ذخراً للمسلمين آمين۔

بعد السلام التام عليكم۔ البادي لتحريره كثرة الأشواق هو أنه قد وصلني
منكم بهذا الأسبوع كتاب وخمسة اشتهارات وترجمة المضمون العربي الذي
قدمته بخدمتكم۔ جزاكم الله عنا وعن الإسلام خيراً كثيراً۔ وهذا ما هولنا من
حسن ألطافكم. أما الكتب التي عرفت ما أن نعطيها إلى المولوي عبد الكريم
المدرس والحافظ غلام رسول حسب الأمر أرسلناهم إلى المذكورين مع أحد
الخدام والأمل أنهم قريباً يجتهدون۔

وفي تعريف مادة الأذان إلى المسلمين والداعي لا يمكن أن أتأخر عن
هذه الخدمة الجليلة وتجديني قريباً أشرع في المقصود أقدمه بخدمتكم ، كونوا
من المسامحين ، ولقد أخذني العجب من هذه المسئلة التي هي من الفروع كيف
اشتدت إلى هذه الدرجة ، فهل يميزون مسلمو الهند بين الخبيث والطيب حيث
أن المعترضين دائماً يصرحون بتوهين خاتم الأنبياء والمرسلين ، وشبهوه بصفات
لا يمكن أن أحررها بيدي خوفاً من ترك الأدب مع ذات الرسالة۔ صلى الله تعالى
عليه وسلم۔ فهل في زعمهم أن المستحبات من السنن يلزم على العالم تأييده
أكثر من الفرض۔ تالله إنها المصيبة كبيرة وقعت في مسلمي الهند فما الذي طرأ
على عقولهم حتى جعلتهم إلى هذه الدرجة وسلموا لنا على أولادكم الأنجاب
الفضلاء وشرفوني بكل خدمة تليق بهذا المقام والله يحفظكم

والسلام، الداعي لكم بالخير - پیر سید ابراہیم القادری الرزاقی الحموی البغدادی
عفی عنہ۔

ترجمہ: جناب عالم فاضل و دریائے فیاض حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں محترم اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے وجود کو مسلمانوں کے لیے سایہ و ذخیرہ رکھے۔ آمین۔ آپ پر کامل سلام کے بعد اس تحریر کا سبب کثرت اشتیاق ہے اس ہفتہ میں آپ کی طرف سے مجھے ایک کتاب اور پانچ اشتہار اور اس عربی مضمون کا ترجمہ جو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر کیا تھا اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور اسلام کی جانب سے خیر اور کثیر جزائیں بخشے، آپ کے حسن الطاف سے ہماری یہی آرزو ہے، اور وہ کتابیں جن کو آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب مدرس و حافظ غلام رسول صاحب کے دینے کو کہا تھا وہ ہم نے حسب الحکم ایک خادم کے ہاتھ ان صاحبوں کو بھیج دیں امید کہ وہ عنقریب مسئلہ اذان مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کریں گے اور یہ دعا گو تو اس عظیم خدمت سے تاخیر کر سکتا ہی نہیں، آپ عنقریب دیکھیں گے کہ میں نے شروع کر دیا اور آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، معافی چاہتا ہوں اور مجھے سخت تعجب نے لیا، کہ یہ فرعی مسئلہ اس درجہ کیوں سخت ہو گیا۔

کیا ہندوستان کے مسلمانوں کو خبیث اور پاکیزہ کی تمیز نہ رہی کہ وہ جو معترضین ہیں وہ تو ہمیشہ حضور خاتم النبیین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی صاف توہین کیا کرتے ہیں، اور حضور کو ایسی تشبیہیں دیتے ہیں جن کو میں اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا کہ بارگاہ رسالت میں کہیں بے ادبی نہ ہو جائے، تو کیا انہیں (یعنی شاید اس خیال سے انہوں نے اس فرعی مسئلہ میں نزاع شروع کر دی کہ عالم اس میں مشغول ہو کر ان کے کفر و توہین کا پیچھا چھوڑ دے گا، یہ ان کی خام خیالی ہے) یہ گمان ہے کہ محبوب سنتوں کی تائید عالم پر تائید فرض سے زیادہ ہے، خدا کی قسم وہ سخت مصیبت تھی کہ مسلمانان ہند پر پڑی ان کی عقلوں کو کیا ہوا کہ انہیں اس درجہ پر کر دیا اور اپنے نجیب و فاضل صاحب زادوں کو ہمارا سلام کہیے اور یہاں کے لائق جو خدمت ہو مجھے اس سے مشرف کیجیے اور اللہ تعالیٰ آپ کا نگہ بان ہو۔ والسلام۔

آپ کا خیر خواہ

پیر سید ابراہیم القادری
الرزاقی الحموی البغدادی عفی عنہ

رسالہ
مقتل اکذب واجہل

(۱۳۳۲ھ)

مولوی عبدالغفار خاں صاحب رام پوری کی پانچویں تحریر کا رد

مولوی صاحب کی یہ تحریر پہلی تحریروں سے بھی اکذب واجہل ہے

لہذا رد کا نام بھی یہی ہوا



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله القهار، على كل متعصب كفار، الذي يخاف يوم الحساب، يتلاعب بالسنة والكتاب، ويفتري على سيد المرسلين، صلى الله تعالى عليه وعليهم وعلى آله وصحبه وابنه وحزبه أجمعين، والذين يسمون السنة بدعة، ويكابرون الحق، ويمرون على الباطل المبين، اولئك هم الفجار حقاً، ولهم عذاب مهين، الا من تاب وامن وعمل بسنة المصطفى الأمين، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه إلى يوم الدين آمين:

مولوی عبدالغفار خاں صاحب

آپ کی تراشیدہ عبارتوں سے صرف دو عبارتیں دکھانے پر آپ کو سو روپے کا اشتہار، اور یکم ذی قعدہ تک مہلت تھی، ۱۵ ارتک آپ کی صدائے برنخاست۔ اب بولے تو وہ کہ سکوت سے لاکھ درجہ بدتر ادعا کیا، اور مؤکد خلف شدید کہ قسم ہے عیش رسول۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کی کہ ہم نے جو روایات نقل کی ہیں، وہ کتابیں سرکاری کتب خانہ میں موجود ہیں، ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لیں، ایک حرف کا تفاوت نہ پائیں گے۔

یہ تحریر آپ تو یہاں بھیجتے شرمائے مگر بازار میں ایک صاحب کو ملی وہ اٹھالائے، کہ یہاں جلسہ مدرسہ اہل سنت کی اخیر تاریخ تھی، آپ ہی کے شہر، آپ ہی کی جماعت کے سرتاج جناب فضائل نصاب، حامی سنت حضرت مولانا مولوی ظہورالحسین صاحب فاروقی جلسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے، آپ کی تحریر حضرت ممدوح کو دکھائی، اور دین الہی پر آپ کی جراتوں کا نمونہ بتایا، اور تصحیح نقل کے متعلق سات سوال لکھ کر دیے، اور گزارش کی کہ حضرت بذات خود مولوی صاحب سے تصحیح نقل لینے کی تکلیف فرمائیں، حضرت نے بکمال للہیت جو ایک سنی فاضل کی شان ہے وعدہ فرمایا، کہ میں کل ہی ان کو کتب خانے لے جاؤں گا، اور ان ساتوں سوالوں کے جواب لوں گا، آج حضرت موصوف کا نامی نامہ بنام اعلیٰ حضرت مدظلہ آیا جس کی بعینہ نقل یہ ہے:

نقل گرامی نامہ حضرت مولوی محمد ظہور حسین صاحب بنام اعلیٰ حضرت مدظلہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامی سنت، حامی بدعت، حضرت من مدظلہم العالی علی روس المستر شہین

بعد سلام مسنون! رام پور آ کر فقیر کو پیش ہو گئی اس وجہ سے مولوی عبدالغفار سے میں خود نہ مل سکا، البتہ یعقوب بخاری، اور میاں حسنین رضا خاں طول عمرہ کو یہی پرچہ دے کر مولوی صاحب موصوف کے پاس بھیجا گیا، جواب دیا کہ ہم اشتہار ہذا میں اس کا جواب شائع کر چکے، اب تحریر جواب کی حاجت نہیں، صرف زبانی اتنا بولے کہ جنگ مولوی غفران صاحب کا ہے، اس میں ”صلاة مسعودی“ کی فقط اتنی عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے، اشتہار ملفوف کر کے بھیجا جاتا ہے، اب فقیر کو بفضلہ تعالیٰ و بحرمۃ حبیبہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صحت ہے۔ العبد محمد ظہور الحسین عنہ

مولوی صاحب اللہ اپنی حالت پر رحم کیجیے، آپ کے اس اشتہار پر ہمارے سوالات یہ تھے:

(۱) وہ کون سی کتاب ہے جس میں ”صلاة مسعودی“ کے حوالہ سے یہ عبارت صفحہ ۷۱ اولیٰ نقل کی ہے۔
(۲) اس کا مصنف کون ہے؟ اور کسی نے کبھی اس کتاب کا کہیں حوالہ دیا ہے، اس وقت اس سوال میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ اگر وہ کوئی کتاب نہیں بلکہ کسی قلبی کتاب کے حاشیہ پر کسی نے کچھ لکھ دیا ہے، تو وہاں ناقل نے اپنا نام بھی لکھا ہے، یا ایک گم نام کتابت ہے، آپ اگر اسے زید یا عمرو کی بتائیں، تو اس بتانے پر کوئی دلیل شرعی ہے، یا نری آپ کی زبان۔

(۳) تصحیح نقل جس کتاب سے دکھائی جائے، آیا اس میں سے ”صلاة مسعودی“ کے حوالہ سے بعینہ یہی اور اتنی ہی عبارت لکھی ہے، جو صفحہ ۷۱ پر نقل کی ہے، یا کم و بیش ہے؟
(۴) کم و بیش ہے تو وہ پوری عبارت کیا ہے؟

(۵) اس عبارت میں بیرون مسجد کا لفظ صاف صاف موجود ہے یا نہیں؟

(۶) اس عبارت میں اس مضمون کا حوالہ فتاویٰ خانہ پر دیا یا نہیں؟

(۷) فتاویٰ خانہ میں مہذ نہ ہے یا منبر؟ [۲۷/۲۷۱ قعدہ ۱۳۳۲ھ]

مولوی عبدالغفار خاں صاحب کا فرار اور ان پر ضربات کا شمار

(۱) مولوی صاحب! آپ ایمان سے کہتے ہیں کہ ان سوالات کے جواب آپ کے اشتہار ہذا یا

اشتہار ذلک یا کسی میں ہیں؟۔

(۲) اگر ایسا تھا اور اب حاجت نہ رہی تھی، تو آپ نے اسی اشتہار میں یہ دعوت کا بے پردی کہ کتب خانہ میں ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لیں، اور فرمایا: جو صاحب چاہیں دیکھ لیں۔

(۳) اسی دعوت کا ایفا تو آپ سے چاہا تھا، اور وہ بھی ان فاضل جلیل کی معرفت، جو خود آپ کی جماعت کے سرتاج ہیں، کہ آپ اپنا اندرونی درد ان سے گزارش کرتے اتنا نہ شرمائیں گے، انہوں نے اپنے دو طالب علم بھیجے، آپ سچے تھے تو ”آزرا کہ حساب پاک از محاسبہ چہ باک“ کیوں خود ہی دعوت دے کر منکر ہو گئے، فرار مبارک۔ مولوی صاحب! کیا آپ سمجھتے ہیں، کہ عبارتیں جھوٹی گڑھ کر، مسلمانوں کو دھوکے دے کر آپ کا پیچھا چھوٹ جائے گا؟۔ نہیں نہیں ہم تابخانہ پہنچا کر چھوڑیں گے، اور یہ دوسرا مطالبہ پہلے سے کرا کریں گے۔

اب پھر آپ کو از سر نو دس دن کی مہلت ہے:

اول تو اسی پر خیر گزرتی کہ آپ تنہائی میں حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب کے آگے اپنی دغا کھول دیتے۔ وہ نفرین ملامت کر کے آپ کو توبہ یا اس کا مادہ نہ دیکھتے تو کم از کم سکوت کی ہدایت فرماتے۔ اب یوں ہے کہ بہ فور وصول دس دن کے اندر کی کوئی تاریخ معین کر کے مجھ کو اطلاع دیجیے کہ بعض معززین و اہل علم یہاں سے جائیں اور ادھر پہلی بھیت کے بعض معزز رؤسا بہت مشتاق ہیں، وہ بھی آئیں اس جماعت کے ساتھ، حضرت موصوف کے ہمراہ رکاب کتب خانہ جائیں اور کتابیں دکھائیے، اور ساتوں سوالوں کے جواب حضرت مدوح و جماعت موصوف کے سامنے ایمان ایمان سے لکھ کر دستخط کیجیے۔ دیکھیے تو دین مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاۃ و الثنا۔ میں مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے، اپنا صریح جھوٹ پالنے کے لیے عبارتیں دل سے تراشنے والے، عیش مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاۃ و الثنا۔ کی جھوٹی قسموں کے پھنکے اڑانے والے، کیسے کیسا ذلیل ہوتے ہیں، مگر ہم کہہ دیتے ہیں کہ نہ آپ تاریخ معین کریں گے، نہ جماعت کے ساتھ کتب خانہ جائیں گے، نہ ہرگز ہرگز کتاب دکھائیں گے، دنیا میں کہیں پتا ہو تو منہ سامنے لائیے، نری جھوٹی گڑھت کسی گھر سے سچی کر دکھائیے۔

(۴) مولوی صاحب اپنی عاقبت کا حال کھولتے ہیں:

فرماتے ہیں: ہم کو کیا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے کہ اپنی طرف سے روایات گڑھیں۔ جی اگر آپ سچے ہیں تو اپنی دنیا کیوں خراب کریں۔ تمام میں تھڑی تھڑی ہو رہی ہے کہ جھوٹی عبارتیں گڑھ لیں۔ سچے ہوتے تو ثبوت نہ دیتے۔ یوں نہ دیتے، تو روپوں پر تو دیتے۔ یوں بھی نہ دیتے تو اپنے مخالف کے جھوٹا کرنے کو تو دیتے۔ اوروں کو نہ دیتے، تو خاص اپنی جماعت کے سرتاج فاضل ممتاز کو تو دیتے۔ لیکن آپ تو

ہر پہلو پر دم چراتے، جان بچاتے ہیں۔ تو روشن ہو گیا کہ عبارتیں آپ کی گڑھت ہیں، اور آپ خود بتا چکے کہ اپنی طرف سے روایات گڑھنا، اپنی عاقبت خراب کرنا ہے، پھر عیش مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاة والثنا۔ کی جھوٹی قسمیں کھا کر کیوں اپنی خراب عاقبت کو خراب کر کیجیے۔

(۵) مولوی صاحب اپنا نولکھا جھوٹ کھولتے اور اذان اندرون مسجد پر آخری بولتے ہیں:

فرماتے ہیں: اگر ہم کو گڑھنا ہوتا تو چھ ماہ تک کیوں کتب خانہ جاتے، اور محنت اٹھاتے۔ جی یہی تو مصیبت تھی، جب چھ مہینے خاک چھانی اور مسجد کے اندر اذان کی آدھی چہارم روایت نہ پائی، تو مرتا کیا نہ کرتا، ناچار گڑھنے کی ٹھہرائی۔ غنیمت ہے کہ آپ نے روایت ڈھونڈھنے کے لیے چھ مہینے تک کتب خانہ کی دوڑ قبول دی۔

کیا مسلمان اب بھی نہ سمجھیں گے کہ مسجد کے اندر اذان ہونا ایسا ہی بے ثبوت و بے اصل ہے کہ ریاست کا کتب خانہ (جس میں صد ہا نادر کتابیں ہیں) چھ مہینے چھانا، اور ایک روایت نہ نکال سکے۔ ناچار جھوٹ گڑھت پر اوقات رہی۔ بجز تعالیٰ یہاں خود آپ کے منہ سے آپ کے اس ہزاروں جھوٹ کے مجموعہ مرکب ہفت ہزاری کذب بلکہ لکھا جھوٹ کا پردہ کھل گیا، جو آپ نے ”آثار المبتدعین“ صفحہ (۴۳) پر فرمایا: کہ کتب معتبرہ فقہیہ میں ہزاروں دلیلیں اذان خطبہ کی مسجد میں ہونے کی موجود ہیں۔ بھلا متواتر مسئلہ جس کی ہزاروں سندیں کتابوں میں بھری ہوں، کیا اس کے لیے چھ مہینے کتب خانہ چھانا، دانتوں پسینے لانے کی مصیبت جھیلنا، اور پھر پچھلا نتیجہ یہ دینا ہوتا ہے، جس پر ایک ہزار ضرب کامل تو ہو چکی ہیں، اور کیا جانے آپ کی اور کتنی ہیں۔

(۶) حدیث پر مولوی صاحب کا تازہ افترا

مولوی صاحب نے عیش مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاة والثنا۔ کی قسم کھائی ہے کہ بے افترا نوالہ نہ توڑیں گے، عادت جو پڑ گئی ہے، بے واسطے افترا پھنٹاتے ہیں۔ آثار المبتدعین میں یہ حدیث گڑھی تھی کہ ”اول من قاس إبليس“۔ یہاں بولے: مولانا صاحب نے حدیث: ”ظنوا المؤمنین خيراً“ کو چھوڑ دیا۔ مولوی صاحب حدیث کیا جانیں۔ جاہلوں سے سنی سنائی پر گزر رہے۔ ثبوت تو دیجیے کہ یہ حدیث کے لفظ ہیں۔

(۷) صلاة مسعودی میں جدید تحریف:

فرماتے ہیں: صلاة مسعودی میں لکھا ہے کہ:

”مسئلہ سنت این است کہ مؤذن در بانگ نماز واقامت در مسجد باشد“

اس روایت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اذان خطبہ اور اقامت دونوں کا مسجد میں کہنا سنت ہے، مسلمانو! صلاۃ مسعودی کا قلمی نسخہ (۶۸) برس کا لکھا ہوا یہاں موجود ہے، عبارت یوں ہے: ”مسئلہ سنت این ست کہ مؤذن در میان بانگ نماز و اقامت در مسجد باشد“۔ یہاں ذکر اس کا ہے کہ جو وقت اذان و اقامت کے درمیان ہے، یعنی اذان دینے کے بعد سے تکبیر کہنے تک مؤذن یہ وقت کہاں گزارے، اس کو بتایا کہ سنت یہ کہ مسجد میں گزارے۔ یہ نہ کرے کہ اذان دے کر مثلاً گھر کو چلا جائے، پھر آ کر تکبیر کہے۔

مولوی صاحب نے ”میاں“ کا لفظ کتر لیا، اور ٹھہرا دیا کہ مسجد ہی میں اذان ہونا سنت ہے، اذان و اقامت کی ایک جگہ ہے، حالانکہ ہدایہ و تمام شروح ہدایہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ شرعاً اذان و اقامت کے مکان مختلف ہیں، صلاۃ مسعودی کا یہ مقام حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب کو دکھایا کہ مولوی صاحب کی چالاکی و تحریف ملاحظہ ہو، جناب ممدوح نے تعجب کیا، اور فرمایا: کہ اس عبارت کو ان کے مطلب سے کیا علاقہ۔

(۸) اگر بالفرض ”میاں“ کا لفظ مولوی صاحب کی دیانت نے نہ کترا ہو بلکہ بمبئی کے نسخے میں ساقط ہوا ہو تو مولوی صاحب اسی اشتہار میں تو فرما چکے ہیں کہ: ”اس نسخہ میں جا بجا عبارتیں رہی ہوئی ہیں، ناقص ہیں، مضمون خبط ہے“

پھر ایسے نسخے کے بھروسے عبارت نقل کرنا اور حکم لگانا کہ اس روایت سے صاف ظاہر ہو گیا، کیا بددیانتی نہیں؟۔ جب آپ کو اس کی یہ ردی حالت معلوم تھی تو اس پر اعتماد میں جو کچھ تحریف و افتراء واقع ہو سب آپ کے سر ہے، کہ آپ جان بوجھ کر ایسے غلط کے متبع ہوئے، اس کی نظیر یہ ہے کہ بے ہوشی میں طلاق منہ سے نکلے تو نہ ہوگی، لیکن شراب پی اور اسکی بے ہوشی میں نکلی پڑ جائے گی، کہ یہ تو اس حالت کا جان کر مرتکب ہوا، تو جو کچھ اس سے صادر ہو سب اوڑھ لیا۔

(۹) مولوی صاحب کی اجتہاد دانی روز نئے حکم بدلتی ہے۔

مولوی صاحب دوسری تحریر میں ایمان لائے تھے کہ: اذان پنج گانہ مسجد میں منع ہے، ائمہ کرام نے اسے منع فرمایا ہے، چوتھی میں یہ سرکلر آیا کہ وہ بھی منع نہیں، ہاں خلاف اولیٰ ہے، اب پانچویں میں اس عبارت ساختہ صلاۃ مسعودی سے ٹھہرا دیا کہ خلاف اولیٰ کیسی سنت ہے۔

(۱۰) ترجمہ میں خیانت کا پیوند لگا گئے۔

ہزار ضرب اتوی نے تو مولوی صاحب کے ستاسی ترجمے دکھائے، جن میں انہوں نے اپنی

گڑھت کے پیوند لگائے، اس بے چارے اشتہار میں فقہ کی یہ ایک ہی عبارت دکھائی تھی، اس میں بھی اپنی لت سے چو کے، صلاة مسعودی میں فقہ کی یہ عبارت عام اذانوں کے بارے میں ہے، مولوی صاحب چرچے کہ اب تو ممانعت ائمہ کی پوری تکذیب اور اجماع مسلمین کی پوری مخالفت ہوئی جاتی ہے، کہ ہر اذان مسجد میں دینا سنت ہے، جھٹ پیوند لگا دیا کہ اذان خطبہ۔ کیوں مولوی صاحب عبارت میں اذان خطبہ کی تخصیص کہاں ہے۔

(۱۱) ڈھٹائی کا اقرار اور ہڈیانوں کے انبار:

فتح القدر کی عبارت کو جو غلط بتایا اور ادعا کیا کہ صحیح یوں ہے، اس پر پچاس روپے کا اشتہار دیا کہ کسی نسخے میں اپنی گڑھی دکھا دیں، اس کا جواب فرماتے ہیں: ہم نے کب کہا ہے کہ فتح القدر میں جو یہاں نسخے ہیں اس میں یہ عبارت ہے۔ یہ صاف اقرار ہے کہ کسی نسخے میں آپ کی تراشیدہ عبارت نہیں، محض ڈھٹائی سے گڑھی لی، یا شاید قادیانی کی سی کوئی وحی اتری۔

(۱۲) عبارت فتح القدر کو جیسا آپ سمجھے اور آثار المبتدعین کے صفحہ (۱۱۲) پر جو ستیاناسی معنی اُگلے، ان کا پورا لطف تو ”مقتل کذب و کید“ کے حصہ دوم میں دیکھیے، جو آپ کی جہالات سے باحث ہے، مطلب کی ہوا بھی نہ لگی اور اندھا دھند بکنا شروع کر دیا۔ یہاں اسی قدر سہی کہ فتح القدر میں فرمایا: ”هذا صورة قياس علة الحكم في الأصل كذا شرطاً للصلاة“ (۱)

آپ ترجمہ فرماتے ہیں: یہ صورت قیاس علت حکم کی ہے اصل شرط ہونے میں واسطے صلاة کے۔ مہربانی فرما کر ذرا عبارت فتح اور اپنے ہڈیانوں کی ترکیب بتا کر تطبیق دکھائیے۔

(۱۳) جانے دو اپنے ہڈیان کا مطلب ہی کہہ دو، وہ کہ انسان کے کہنے کا ہو۔ ایسی کج فہمی، بد عقلی پر عبارات ائمہ کی بحث اور مسائل شرعیہ میں دخل۔ واللہ العظیم اگر اول سے ایسا جانا ہوتا، تو ہرگز آپ سے خطاب کرنا نہ تھا۔ حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب کے سامنے بھی یہ ہڈیان شریف پیش ہوا، مولانا بھی کچھ مطلب نہ کہہ سکے، کہیں تو جب کہ قائل نے خود کچھ مطلب رکھا ہو۔ یہ قدیمہ جدیدہ افق المبین نہیں جسے مولانا سمجھ لیں گے، یہ غفار خانی کلام ہے جس کے سمجھنے کو دماغ میں ڈھائی پاؤ جنون درکار۔

اب ہم دنیا بھر کے علماء و دقاتق فہم حضرات کو اعلان دیتے ہیں، اگر غفار خانی جملوں کی ترکیب اور

مطلب کہہ کر عبادت فتح سے تطبیق کر دکھائیں تو ہم ان کو ملک العلماء کہیں گے۔

(۱۴) اور طرفہ سنئے! امام ابن الہمام تو قیاس ہدایہ پر اعتراض فرما کر قیاس کافی کی طرف رجوع کر رہے ہیں، آپ اسے جواب ٹھہرا رہے ہیں۔

(۱۵) جواب بھی ایک نہیں۔

(۱۶) وہ بھی کس سے خود اسی اعتراض سے۔ اعتراض یہ تھا کہ اذان خطبہ کب شرط نماز ہے، جواب یہ ہوا کہ: اذان خطبہ شرط صلاۃ جمعہ ہی نہیں۔

(۱۷) اُس سے کافی کی طرف عدول، اس کی طرف سے دوسرا جواب ہے کہ ”دوسرا حمل یہ نکالا پس اولیٰ جواب اعتراض میں تشبیہ جامع ہے جس کو صاحب کافی نے معین کیا“،

سچ ہے: ع آدمی آدمی حواس سے ہے

(۱۸) جامع کہ اصطلاح اصول ہے، اسے چار جگہ تشبیہ جامع کہنا عجب لطیفہ ہے، علت جامع کو

تشبیہ آج ہی سنا ہے (۱) اور یہ تو ہزار ضرب اقویٰ میں معروض ہو چکا کہ ایسا تھا تو ”فی المسجد“ کو ”ای: فی حدودہ“ سے تفسیر کرنا آپ کی سی حماقت ہو جائے گا۔

(۱۹) طرفہ جہالتیں یہ کہ یہاں کراہت اذان کا کیا موقع ہے، کچھ بھی نہیں، اس لیے کہ مطلب کے ساتھ اس کی علت کا بیان بالکل بے موقع ہے۔

(۲۰) اور ماسبق ولاحق سے کیا مناسبت ہے۔ جی بالکل مباہنت کہ دلیل و دعویٰ نرے اجنبی

ہوتے ہیں۔

(۲۱) اور ”فالاولیٰ ما عینہ الکافی جامعاً“ کے کیا معنی ہوں گے، یہ کہ ”آپ را عقل نباشد“

ادنیٰ سمجھ والا دیکھ رہا ہے کہ آپ کو مطلب کی ہوا تک نہ لگی، اور ہذیان میں بڑا رہے ہیں۔

(۲۲) اس پر یہ غرہ کہ جن کے قلوب فیضان انوار نبوت سے روشن ہیں، وہ جان سکتے ہیں۔

استغفر اللہ! یہ انوار نبوت کی شدید توہین ہے، کہ ان کے فیضان سے بھلا چنگا آدمی صورت کا ہیولی پاگل ہو جاتا ہے، آپ تو اس درجہ نابینا اور انکھیاروں کو کہیں ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ﴾ (۱)

(۲۳) انہیں کج فہمیوں کی بنا پر معترض ہوئے کہ.... ”فالاولیٰ ما عینہ الکافی جامعاً“

حضرت مولانا ہضم کر گئے۔

اس اشتہار میں بھی اسے قطع برید قرار دیا ہے، مولوی صاحب منہ چڑانے سے اپنا ہی منہ بگڑتا ہے۔ ع۔ اوگمان بروہ کہ من کردم چواو
 ذرا کسی طالب علم سے قطع و برید کے معنی پہلے سیکھ لو، آپ کو قطع و برید میں مشق ہے مگر اس کے معنی نہیں سمجھتے۔

(۲۴) حق عبارت کی تکذیب پر دلیل کیا آپ ہی ہے، کہ فتح میں بحوالہ کافی لکھا ہے، اور کافی میں ”فصار كالأذان“ تو ”لکراہۃ الأذان“ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے، دا کو مان کر آٹھ دس برس مدرسہ اہل سنت منظر اسلام میں آ کر طالب علمی کر لیجیے، اس کے بعد آپ کو خود کھل جائے گا کہ یہ جو کچھ فرما رہے ہو سب ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ﴾ [سورة النور: ۴۰] تھا، فتح القدر کے مطلب اور آپ کی بد فہمی نا فہمی کی تشریح حصہ دوم مقتل کذب سے لیجیے، اس مختصر میں آپ کو یونہی اندھیرے میں رکھنا مناسب کہ آپ کو کھلے تو کہ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ﴾ (۱)

پھر بھی اتنا سکھا ہی دوں کہ ”فتح“ نے ”کافی“ کا جامع بیان فرمایا ہے؟۔ یا کافی کی عبارت نقل کی ہے، ”جامع ہو ذکر اللہ فی المسجد“ ہے، یا ”فصار كالأذان“ بھی جامع میں گھسا ہوا ہے۔ اللہ جن کو اتنی بھی تمیز نہ ہو وہ مباحث علمیہ کلمات ائمہ کو اپنی تکلیف سے معاف کیوں نہ رکھیں۔

(۲۵) انھیں اوندھی سمجھوں، نا فہمیوں، ہذیانوں پر ان کے اس چھلکے کی بنا ہے کہ مولانا نے یہاں کئی غلطیاں کیں۔ ایک تو خیانت کہ عبارت اول کی کانٹ لی۔ خیر آپ کی یہ جہالت۔ تو نمبر پا چکی۔

مولوی صاحب اول کا جملہ کاٹ لینا وہ ہوتا ہے، جو آپ نے عبارت شیخ کی ابتدا سے ”وقال الشيخ“ کتر لیا۔ دوسرے ذکر خطبہ کا ہے، ضمیر اذان کی طرف پھیر دی۔ یہ اول تو خود اپنے خصم پر افترا ہے، فتوایے مبارکہ مطبوعہ تحفہ میں عبارت فتح لکھ کر صرف ترجمہ فرما دیا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، مسجد میں ضمیر کی جگہ ضمیر ہی ہے، آپ کو پھیرنا کیسے محسوس ہوا۔

(۲۶) ثانیاً: عقل کی پڑیا! جامع مقیس و مقیس علیہ میں یکساں ہوتا ہے، ورنہ جامع نہ ہو، اور فی حدودہ سے تفسیر بنظر اذان ہی ہے، خطبہ تو خود جو ف مسجد میں ہے۔ ولکن المولوي صاحب لا يفهمون ولا يعقلون شيئاً ولا يهتدون ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ﴾ (۲)

(۲۷) تیسرے یہ کہ کافی کی عبارت نہ دیکھی۔ یہ رہنما بالغیب اپنے خصم پر افترا ہے۔
 (۲۸) چوتھے ماسبق ولاحق کا لحاظ نہ کیا، جب تو تعلیل کو معلل سے مربوط فرمادیا، آپ نے لحاظ کیا، لہذا دعوے سے دلیل کو بے گانہ ٹھہرا دیا۔

(۲۹) پانچویں یہ غور نہ کیا کہ مسئلہ اذان سے بحث ہے یا خطبہ سے؟۔ جی تو ”ای فسی حدودہ“ فرمایا، اس لیے کہ مولوی صاحب کے دھرم میں خطبہ جو ف مسجد میں منع ہے۔

(۳۰) چھٹے اگر جان کر یہ کارروائی کی تو بڑی بات ہے، ہرگز مناسب اہل علم نہیں کہ غلط عبارت بنا کر بہکائے، مولوی صاحب آپ کی باتوں پر اس دست بریدہ کی حالت یاد آتی ہے جس نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں سے آپ تو زیور چرایا، اور تلاش کرنے والوں کے ساتھ خود گھسٹتا اور چرانے والے کو کوستا جاتا: ”اللہم علیک بمن بیت اهل هذا البيت الصالح“ (۱)

(۳۱) آپ کی شدید جہالت مان لیں کہ عبارت یوں غلط ہے، مگر جب آپ خود مقرر ہیں کہ تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں یوں ہی ہے، اور آپ کی تراشیدہ کسی نسخہ میں نہیں، تو یہ آپ کے خصم کا عبارت بنا لینا ہوا، مگر افترا علی الخصم تو آپ کے گھر حلال ہے، خصم کی کیا حقیقت، جب واحد قہار اور اس کے حبیب مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراؤں کی بوچھاڑ ہے۔

(۳۲) بنا کر بہکائے کہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ مولوی صاحب چمگاڈر آفتاب کو دیکھ نہیں سکتا، مگر انکار بھی نہیں کر سکتا، منکر آفتاب کو کیا کہا جائے۔ ہاں وہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: إذا لم تستحي فاصنع ما شئت۔

ع: بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

افترا، عناد، جہالت، کذب، تناقض:

جن میں اکثر کے رد ”اذان من اللہ“ و ”نفسی العار“ اور ”ہزار ضرب اتوی“ میں ہو چکے، لہذا

شمار و اشعار بس۔

(۳۳) ابن اسحاق کی تدلیس کا راگ عناد۔

(۳۴) تضعیف کا گیت عناد۔

(۳۵ تا ۳۸) ابن الہمام و حلبی نے فرمایا کہ: ابن اسحاق مدلس ہے، اس کی حدیث عنعنہ جب

تک مؤید نہ ہو معتبر نہیں۔ دونوں پرافتر اور ”انٹی العار“ نے کشف جہالت کر دیا تھا، پھر وہی دونوں عناد۔
(۳۹، ۴۰) ”تمام سلف و خلف“

کذب بھی، عناد بھی، اور اس کے ساتھ
”تمام جمہور فقہائے حنفیہ“

کتنے مزہ کا ہے ”تمام“ بھی، اور ”جمہور“ بھی۔ اور بعض فقہائے حنفیہ کہ علاوہ جمہور رہے، شاید
تمام سلف و خلف سے خارج ہیں۔

(۴۱) ”حریم شریفین کا جواب کتنی بار سن چکے“۔ عناد۔

(۴۲، ۴۳) ”جمع بلاد اسلام“۔ کذب بھی عناد بھی، اور جس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی پہلی حدیث سے جو نقل کی ”خبر غائب“۔

(۴۴، ۴۵) ”حضور کے زمانہ سے برابر جاری ہے“، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرافتر بھی عناد،
بھی۔

(۴۶) ”کسی نے بہت تعرض نہ کیا“۔

یعنی تھوڑا تعرض کیا، دن دہاڑے جھوٹ۔

(۴۷) ”کہنے والوں نے کہہ دیا تھا“

ع: دے از مفتری نتواں برآمد

دس برس سے تحفہ حنفیہ شائع ہوا، کسی نے چوں نہیں کی۔

(۴۸) ”پہلی بھیت تشریف لے گئے، وہاں اس بدعت کو رواج دینا چاہا“۔

جھوٹ بلکہ فتویٰ دریافت ہوا، جواب فرمایا، اہل سنت نے قبول کیا، اجرا کیا، کئی جمعہ تک سب
متفق رہے۔ پھر بعض وہابیہ نے شیطنیت مذہبی کا بخار اس پیرایہ میں نکالنا چاہا، اور بعض حاسد معاند موافق
ہو لیے۔ آپ اور دیوبندی اور آس پاس کے، اور بعض حاسد برسوں سے آتش حسد میں بھن رہے تھے، کچھ
بس نہ چلتا تھا، اس مسئلہ میں عوام جہال کا ملی غول ساتھ ہوتا دیکھ کر پھوٹ پڑے۔ سارے طوفان بے
تمیزی کی حقیقت اتنی ہے ورنہ دس برس سے کس کھو میں الوپ تھے، کہ بدعت دیکھ کر دم سادھے
رہے، واحد قہار کے وجہ کریم کو حمد کہ ان متفقہ کوششوں پر بھی ایک دلیل کا بال بازانہ کر سکے، ایک اعتراض کا
جواب نہ دے سکے، سو سو کھائیں اور وہی مردودات سامنے لائیں، کچھ نہ بنے تو عبارتیں گڑھیں، قطع و برید
کریں، جھوٹے ترجمے تراشیں، میں آپ ہی کو نہیں کہتا سبھی ان جملہ امراض میں گرفتار ہیں، اس کی فہرست

بھی انشا اللہ تعالیٰ ایک اشتہار میں دکھادینے کا ارادہ ہے، ولہ الحمد وبہ التوفیق۔
(۴۹) رہاسنت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بدعت
کہنا، اس کا جواب یہاں کیا ہو سکتا ہے، معافی نہ ہوئی تو حشر میں کھلے گا۔

(۵۰) رسالہ سوالات قاہرہ کی نسبت فرماتے ہیں:
”ہم کو اس سے غرض نہ تھی، کچھ تعرض نہ کیا، نہ جواب لکھا۔“
اور آثار المبتدعین میں وہ کس منہ سے کہا تھا کہ اس تحریر میں ہم نے ردان اعتراضوں کا بھی کر دیا
جن کا نام مولانا نے سوالات قاہرہ رکھا ہے، وہ چون ہیں“ زہے تناقص۔

(۵۱) ”جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ ہوا۔“
مولوی صاحب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراؤں کی کوئی حد بھی ہے، یا غذا بنا لیتے
ہو، تو بہ کیجیے تو بہ، ورنہ مرتے وقت ایمان سلب ہونے کا قوی اندیشہ ہے، والعیاذ باللہ، اور امام جوینی کے
نزدیک تو فی الحال کفر ہے۔

(۵۲ و ۵۳) اول سے اپنا سکوت بتا کر اپنے اشتہار سوم کو کہا:
”اس وقت ایک اشتہار شائع کیا۔“

یہ وہی کذب ہے جس سے اس اشتہار کی ابتدا ہے، ”نفی العار“ نے حال کھول دیا تھا، مگر عناد کا کیا
علاج۔

(کذب جامع) ”اشتہار کے جواب میں مولانا صاحب نے ”نفی العار“ شائع کیا، روایات کا
جواب نداد۔“

مولوی صاحب شاید آپ نے تمام جہاں کو اندھا سمجھ لیا ہے، اف ری حیا! کہ جیتی نکھیوں کے
پھنکے پر پھنکے لگائے اور آنکھ نہ جھپکائے۔ ”نفی العار“ موجود ہے، آنکھیں کسی سے قرض مانگ کر اپنے
اشتہار کی روایات سے اپنے استدلالوں کے رد گینے۔

(۶۷ تا ۷۴) تقریب التہذیب صفحہ ۱۱، ۱۲ پر ۱۴ رد۔

(۷۸ تا ۷۹) ابن الہمام و حلبی در بارہ تالیس صفحہ ۱۴، ۱۵ پر ۴ رد۔

(۷۲ تا ۷۳) ابن الہمام و حلبی و حدیث در بارہ قدریہ سے استناد، صفحہ ۱۵ پر ۳ رد۔

(۷۵ تا ۸۲) ابن خلکان صفحہ ۱۵ پر ۲ رد بلکہ صفحہ ۱۶ پر ۶ رد کی یاد دہانی جملہ ۸ رد۔

(۸۳ تا ۸۹) مبسوط وغیرہ صفحہ ۱۶ تا ۱۸ پر ۷ رد۔

(۹۲ تا ۹۰) صراح قاموس تاج العروس، صفحہ ۱۸ پر ۳ رد۔

(۹۶ تا ۹۳) حمید یہ وحدیث والہدایہ سے استناد صفحہ ۱۸ پر ۴ رد۔

(۹۷) ظہیر یہ صفحہ ۱۹ پر ایک رد

(۹۸ و ۹۹) منار صفحہ ۱۸ پر ۴ رد۔

(۱۰۰ تا ۱۰۳) ابن البہمام توارث ۴ رد۔

(۱۰۴ تا ۱۱۱) یعنی وحمید یہ صفحہ ۲۲ و ۲۳ پر ۳ رد۔ اور مبسوط وغیرہ کے ساتھ صفحہ ۱۶ تا ۱۸ پر ۵ رد۔

کل ۱۸ عبارات و روایات منقول اشتہار سے استدلال پر مجموع اٹھاون رد تھے، آپ آنکھوں پر

ٹھکی رکھ کر سب ہضم فرما گئے کہ روایات کا جواب ندارد، خدا حیا دے۔

(۱۱۲) ”بڑے الفاظ معائب کا بازار گرم، سوداگری محلہ میں سوا اس کے اور کیا ہے، ہم سے

گالیاں دینا آتا نہیں۔“

یہ اپنے خصم پر افترا ہے، مولوی صاحب آپ کو کیا گالی دی، ہاں آپ نے افترا

کذب، عناد، وجہالت وغیرہ کمالات دکھائے، نجو خاں کے گھیر میں ان کے سوا کیا تھا، وہ گنادیئے گئے اگر

افترا کو افترا، کذب کو کذب، عناد کو عناد، جہالت کو جہالت کہنا گالی ہے، تو آپ کے نزدیک کلام مجید معاذ

اللہ گالیوں سے بھرا پڑا ہے۔

(۱۱۳) اپنی ”آثار المبتدعین“ دیکھیے، آپ کے ابلیس مبتدع مفتری بے ایمان کیا کچھ کہہ

چکے۔ اور آپ کے حمایتی دشمن خدا و رسول، دشمن محبوب رب المشرقیین، کیا کیا لکھ گئے، وہ آپ کو برانہ لگا،

وہ خود اس اشتہار ناپاک میں محض بے ایمانی سے جو کہا وہ آگے آتا ہے، ہاں فرق یہ ہے کہ آپ اور آپ کے

حمایتیوں نے جو لکھا محض ناحق و ملعون تھا، اور ہم نے اس سے ہزار ہا درجہ ہلکا جو کچھ بیان حالت کو لکھا یقیناً

حق ہے، شاید آپ کی شریعت میں یہ مسئلہ ہو کہ حق کہا جائے تو گالی ہے، اور ناحق بکا جائے تو شیر مادر۔

(۱۱۴) ”ہم سے ضلع جگت بولنا نہیں آتا۔“

یہ بھی افترا ہے، آپ کے ساتھ کیا ضلع جگت بولا گیا ہے، یہ کہ دہقانیوں سے اردوئے معلیٰ کا

مقابلہ ہو نہیں سکتا، لہذا انگور کھٹے۔ آس پاس کے اور بعض دہقانی بھی اپنی گنور و زبان کا عیب یوں ہی

ڈھا تکتے ہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ جن شیاطین نے اللہ عز جلالہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سڑی

سڑی گالیاں چھاپیں ان اشقیاء کو برا کہا، اور ان سنی مسلمان بننے والوں کی تہذیب میں آگ لگی بلکہ وہ خبیثاً تو

اللہ و رسول۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کو کھلی کھلی گالیاں دیں اور انہیں کوئی پہلو دار لفظ کہا اور ان سنی

نماؤں کی تہذیب کو دھکا لگا، اور ان کے بابا جان کو کوئی آدھا حرف کہے تو دیکھیے کیسے جامہ سے باہر ہوتے ہیں، تہذیب و ہندیب سب بالائے طاق رہتی ہے۔ یہ حال ہے ان کے دلوں میں اللہ و رسول۔ جل جلالہ کی تعظیم و ایمان کا۔

(۱۱۵) ”ہم نے جن کتب سے استناد پکڑا ہے، جن کو مولانا صاحب نام معتبر اور مجہول کہتے ہیں، قرآن شریف صحاح ستہ، کتب فقہ معروفہ متداولہ ہیں۔“

سورہ لوی صاحب دیکھیے آپ نے تو ”آثار الہبتدعین صفحہ ۷۵“ میں کھلی ہوئی بے ایمانی، جیتی مکھی نگنا، صریح بے ایمانی سے کہا تھا، یہاں یہ اپنے خصم پر افترا اپنا دیکھیے، کہ جیتی مکھی کے ساتھ ایمان نکل جانا ہے، خدا کو ایک اور قیامت کو حق جانتے ہو تو بتاؤ کہ آپ کے خصم نے معاذ اللہ معاذ اللہ کہاں قرآن عظیم کونا معتبر و مجہول کہا ہے۔

(۱۱۶) کہاں صحاح ستہ کونا معتبر و مجہول کہا ہے۔

(۱۱۷) کنز، ہدایہ، فتح القدیر وغیرہ شرح مسکین کے سوا تیرہ نام جو آپ نے یہاں گنائے کہاں ان کونا معتبر و مجہول کہا ہے، سچ فرمایا قرآن عظیم نے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَاذِبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (۱)

اشتہار غرہ ذی القعدہ جس سے آپ سو روپے کے اشتہاری ہیں، اور ڈھائی گنا مدت مہلت گزر جانے پر اس اشتہار جدید میں یہ ناپاکیاں آپ کی زبان پر جاری ہیں، اس میں یہ لفظ تھے: ”نام معتبر و مجہول کتابوں سے بھرتی بھردی“

کسی ادنیٰ اردو زبان داں سے پوچھ دیکھیے، کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جتنی کتابوں کا نام ”آثار الہبتدعین“ میں لیا سب نام معتبر و مجہول ہیں، بلکہ یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کو یہ شدید دھوکا دیا کہ سو کتابوں سے سند دی، حالاں کہ اس کی ناگفتنی حالت یہ ہے۔ اس کے بعد آپ کی دس جہالتیں گنائیں جن میں چھٹی جہالت یہ ہے کہ: نام معتبر و مجہول کتابوں سے بھرتی بھردی، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سو کا بھرت پورا کرنے کو بھرتی میں نام معتبر و مجہول کتابیں بھردیں، نہ یہ کہ سو کی سوسب نام معتبر و مجہول ہیں۔

عقل مند خاں بھرتی ”حشو“ کو کہتے ہیں، ”حشو“ شی پر زیادت ہوتا ہے، نہ کہ تمام شی ”حشو“ ہو، اب جاڑے کا موسم آتا ہے، رضائی لحاف بھرواؤ، تو دیکھ لینا کہ بھرتی روئی ہے، نہ کہ ابرہ اور استر، کچھ

نہیں، نری روئی ہے۔ یا شاید آپ نری روئی ہی اوڑھا کرتے ہوں۔

رسالہ ”مقتل کذب و کید“ آپ پر پہنچ گیا، جس کی رسید میں آپ نے برخلاف حکم قرآن و تصریح ائمہ اسلامی ماہ و سال و تاریخ کو پس پشت ڈال کر سب انگریزی اختیار کیے ہیں، ہم اس رسید کو یہاں نقل کر دیں کہ اہل علم و اہل ذوق اس کی انوکھی طرز تحریر و بلاغت بے نظیر سے بھی مستفید ہوں، اور مسلمانوں کو یہ بھی معلوم رہے کہ ہزار ضرب آپ پر کب سے نازل ہیں، اور آپ میں دم نہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

میں کہ محمد عبدالغفار خان ولد مولوی محمد خان قوم پٹھان ساکن شہر راجپور محلہ گھیرنجو خان، کتاب مرسلہ مولوی احمد رضا خان معدن کذب و افتراء، مخزن جو رو جفا، مسمی ”مقتل کذب“ پہنچی معرفت شفیق احمد بتاریخ ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء بقلم خود (۱)۔

علماء علمی کتب کی رسید یوں لکھا کرتے ہیں۔ علما کو جانے دیجیے کوئی سمجھ وال کا یست بھی اس سے اچھی لکھتا، اور اوپر عنوان تو لکھا مگر یہ الفاظ کیوں چھوڑ دیے کہ.....

”بجالت علت نفس و زوال عقل بے طوع و رغبت بحجر و اکراہ اقرار فاسد غیر شرعی کرتا ہوں، اور لکھے دیتا ہوں“۔

اور انہیں یہ کیوں نہ لکھا کہ.....

”لہذا یہ چند کلمے بطور رسید لکھ دیے کہ سند نہ ہو، اور عند الحاجة کام نہ آوے“

ہاں کتاب کی صفت ”مرسلہ“ یہ ضرور کاہستھوں کی سی ہے، کہ بیخ مقبولہ فریقین، اور بقلم خود تو دیکھیے کیا موقع سے ہے، خدا جانے اکتوبر نے بقلم خود لکھا۔ یا۔ ۱۹۱۳ء نے۔

خیر یہاں یہ گزارش منظور ہے کہ ”مقتل کذب و کید“ تک آپ کی رسائی ہوگئی، جس کا خلاصہ یہ اشتہار یکم ذی القعدہ تھا، اس کے صفحہ ۱۰ پر اپنے کمالات کی اقسام میں دیکھیے!

”قسم ۷ نامعتبر و مجہولات سے بھرتی بھردی، مثلاً برہنہ، رحمانیہ، زادالتقویٰ، نقشبندیہ، نور المسلمین۔ اور ان سے دونی اور ہیں“

ان کو نامعتبر و مجہول کہا۔ یا خاک بدہن افتراء، معاذ اللہ! قرآن عظیم و صحاح ستہ و کتب معتدہ فقہ

کو۔

(۱) یہ تاریخ ہم مسلمانوں کے یہاں ۲۷ رذی قعدہ ۱۳۳۲ھ تھی، رسالہ ۲۵ کو چھپ کر شائع

ہوا، ۲۷ کو مولوی صاحب پر پہنچ گیا۔ ۱۲۔

(۱۱۸) ہاں اس میں جو آپ نے ”شرح ملا مسکین“ گنی وہ ضرور مجہول کتاب ہے، آپ تو بہت بچا بچا کر یہ ۱۳ نام انتخابی لائے تھے، مگر جہالت بھی پیچھا چھوڑے، اس نے منجملہ مجاہیل ایک نام گنوا ہی دیا، شرح اشباہ محقق ہبۃ اللہ بعلی۔ پھر رد المحتار میں شیخ صالح جنینی سے ان کتابوں کے بیان میں جن سے فتویٰ دینا جائز نہیں، شرح ملا مسکین و جامع الرموز کو گنا اور اس کی وجہ مصنفوں کا مجہول ہونا لکھا، کہ ”اول لعدم الإطلاع علی حال مؤلفیہا کشرح الكنز للملا مسکین و شرح النقایۃ للقمہستانی“

(۱۱۹) ذرا اپنی فہرست ٹولنا، اس میں دوسری مجہول و نامعتبر ”جامع الرموز“ تو نہیں۔

(۱۲۰) فہرست کیوں ٹولیے، اپنی ”آثار المبتدعین“ ہی دیکھیے کہ اسی جامع الرموز کی ایک نقل

محممل بے سود کے بھروسے، ممانعت اذان فی المسجد میں تصریحات اکا براءتہ کو باطل کیا ہے۔

(۱۲۱) صلاة مسعودی کے جھوٹے حوالے کا عذر کیا معقول ہے کہ ”صلاة مسعودی“ اس وقت

جب ہم نے رسالہ لکھا تھا، ہم کو نہیں ملی تھی، ہم نے جنگ مولوی غفران سے نقل کی تھی، ہم پر کوئی الزام نہیں، ہم نے جہاں سے نقل کیا اس میں یہ عبارت موجود ہے۔

اول تو یہ بھی صریح جھوٹ ہے، سچے تھے تو کیوں دکھانے سے فرار کی، اور بفرض غلط اگر ہوتا بھی تو

جنگ کی کیا سند، یوں اپنی جنگ میں آپ جسے چاہیں مستند ٹھہرائیں۔

(۱۲۲) آپ نے تو لکھا ہے: ”استثنا دیکھیے: اذان در مسجد مکروہ است مگر اذان بر منبر ۱۲، صلاة

مسعودی“۔ تو آپ پر صلاة مسعودی میں دکھانا لازم ورنہ آپ پر الزام قائم۔

(۱۲۳) اسقاط واسطہ کا الزام کاتب کے سر ڈھالتے ہیں کہ..

”غایۃ الامر کاتب کے سہو سے رسالہ میں جنگ کا حوالہ نقل سے رہ گیا، یہ بھی سیاہ عجز کے وقت کا

سپید جھوٹ ہے، وہ تو قسم کھائی ہے کہ بے جھوٹ کے ایک قدم نہ چلیں گے، یاد ہو جب آپ کو یہاں سے مطالبہ تصحیح نقل کا خط گیا ہے، تو آپ نے کیا جواب لکھا یہ کہ....

”جناب جامعیت انتساب مولوی حامد رضا خاں صاحب دام مجد کم بعد سلام مسنون مدعا نگار

صلاة مسعودی کی تصحیح جو طلب ہے اس سے اگر رجوع مقصود ہے تو فہو المراد (۱) عبارت کی صحت کیا، کتاب پیش کرنے میں مجھے تامل نہیں“

کہیے آپ تو کتاب پیش کرنے کو موجود تھے، اب وہ کتاب آپ کی جنگ نے اڑادی، اور جنگ کا

نام کاتب نے اڑادیا، غرض قصور معاف:

عیار ہو مکار ہو جو آج ہو تم ہو بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

(۱۲۴) اور اس ظلم کو دیکھیے کہ...

”جو صحیح نقل کرے وہ اپنے مذہب سے رجوع کرے، ورنہ مطالبہ صحت کا اختیار نہیں“
جھوٹی نقلوں والے مطالبہ کے وقت بیان بچانے کو ایسی ہی الٹیاں گاتے ہیں۔

(۱۲۵) لطف یہ کہ...

”صحت کیا کتاب پیش کرنے میں تا مل نہیں“

گویا صحت بے کتاب پیش کیے ہو جاتی،

غرض: خدا عقل دے، حیا دے، ایمان دے، آمین۔

مسئلہ ثنویب کا خلاصہ

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

رضوی دارالافتاء، محلہ چودھری سراے، بدایوں

عارف باللہ، عالم حق آگاہ، حضور تاجدار اہل سنت حضرت سیدنا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے پناہ خوبیوں اور ان گنت کمالات کے حامل تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات میں وہ تمام امتیازات اور خصوصیات جمع تھیں جو ہم عصر علمائے کرام میں کسی کو ممتاز کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مفتی اعظم، کے منصب بلند پر فائز تھے۔ آپ کے زمانہ اقدس میں جس قدر علمائے کرام اور فضلاء عظام تھے، سب نے آپ کی ذات پر اعتماد اور مکمل طور پر بھروسہ کیا۔ حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مصنف قانون شریعت سے کون واقف نہیں؟ آپ کی شخصیت علمی بصیرت اور وسعت معلومات کے حوالے سے محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایک دانشور اور مفکر و محقق تھے ہر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ مگر جب کبھی آپ سرکار مفتی اعظم کا تذکرہ جمیل فرماتے تو جبین سعادت پر نیاز مندی کے آثار نمودار ہو جاتے تھے اور رخ زیا پر ایسی تابانی کھل اٹھتی تھی کہ دیکھنے والی نگاہیں تاڑ لیتی تھیں کہ یہ تاب و توانائی کسی سچی عقیدت اور اعتراف حقیقت کا ثمرہ و نتیجہ ہے، میرے سامنے حضرت نے بارہا یہ فرمایا۔

میں سرکار مفتی اعظم کی ذات بابرکت پر اس قدر اعتماد رکھتا ہوں کہ ان کے فتاویٰ اور ان کی موید تحریرات پر آنکھیں بند کر کے تصدیق کر دیتا ہوں اور دستخط بھی۔

یہ سچ ہے کہ سرکار مفتی اعظم کو وراثت میں جہاں اور کمالات ملے تھے ان میں تفقہ فی الدین اور حکمت بالغہ بھی تھی۔ فتویٰ نویسی تو آپ کے خاندان کی روایت اور طرہ امتیاز رہی ہے۔ آپ کے فتاویٰ میں دلائل و براہین کے ایسے آفتاب و ماہتاب تیرتے نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے فتاویٰ شب و بجور میں تابندہ ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں اور فکری شبستانوں میں چاندنی بکھیر رہے ہیں۔

القول العجیب ایک عظیم تصنیف:

القول العجیب فی جواز الثنویب سرکار مفتی اعظم کے کل فتوؤں کا مجموعہ ہے جو صرف صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ہلے مکتبہ المصطفیٰ رام پور سے چھپی۔ پھر رضا اکڈمی، بمبئی سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب مختصر سہی مگر

معنویت اور جامعیت کے اعتبار سے بہت زیادہ عظیم ہے۔ یہ ایک خاموش سمندر ہے جو گہرائی کا پتہ دے رہا ہے۔ کتابت، طباعت اور سرورق کی خوبصورتی و رعنائی مضامین کی عظمت کی نشاندہی کر رہی ہے۔ ہندوستان کی بہت سی مسجدوں میں صلاۃ کبھی جاتی ہے۔ یعنی اذان کے کچھ دیر بعد، جماعت سے کچھ دیر پہلے لوگوں کو مزید ہوشیار کرنے اور شرکت جماعت کے لیے غفلت سے بیدار کرنے کی خاطر بہ آواز بلند کہا جاتا ہے: الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلاۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ اور اسی طرح کے کلمات۔ اسی کو تعویب کہتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو خلافت شریعت ہو، مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یاران نکتہ چیں نے صاف ستھرے اور پاکیزہ الفاظ پر بھی اپنے اعتراضات جوڑ دیے کہ یہ بریلویت ہے، بدعت سیئہ ہے، ناجائز ہے اور اس سے اذان کی اہمیت کم ہو رہی ہے۔ اس کرب و اضطراب کا اندازہ ان استفتوں سے ہوتا ہے جو مختلف مقامات سے حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں بھیجے گئے۔ انہیں استفتوں اور فتوؤں کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا ہے تاکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ سرکار مفتی اعظم علم و شعور اور فکر و نظر کی کس بلندی پر فائز تھے؟ یہ استفتے مختلف مقامات سے مختلف تاریخوں میں بھیجے گئے تھے۔

- (۱) پہلا استفتا ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ محلہ اعظم نگر شہر بریلی سے آیا تھا۔
- (۲) دوسرا استفتا شوال المکرم میں آیا تھا۔
- (۳) شوال المکرم ۱۳۸۵ھ محلہ جسولی سے آیا تھا اور سائل جناب عبدالحمید صاحب تھے۔
- (۴) ذی القعدہ ۱۳۸۵ھ محلہ کٹکویاں پرانا شہر بریلی سے آیا تھا اور اس کے سائل جناب منشی عبدالعزیز تھے۔

- (۵) ربیع الاول ۱۳۸۵ھ محلہ شاہ دانا بریلی سے آیا تھا اور اس کے سائل عبدالواحد صاحب تھے۔ ان استفتاؤں سے مندرجہ ذیل سوالات اخذ کیے گئے ہیں۔

- (۱) صلاۃ کہنا کیسا ہے؟
- (۲) کیا صلاۃ بدعت سیئہ ہے؟
- (۳) احادیث سے صلاۃ کا ثبوت دیا جائے۔
- (۴) اس حدیث کا کیا جواب ہے جس میں صلاۃ کو بدعت سیئہ کہا گیا ہے؟
- (۵) اگر فتنہ کا قوی اندیشہ ہو تو صلاۃ کا ترک اولیٰ ہے یا نہیں؟

قارئین انہیں سوالوں کو ذہن میں محفوظ کر لیں پھر ان کے تناظر میں فتاویٰ پر غور کریں مگر ان فتاویٰ کے مطالعہ سے قبل، صلاۃ کا تعارف، طریقہ کار اور پس منظر کا مطالعہ کرتے چلیں تاکہ فتوؤں کے مطالعہ اور تجزیہ میں آسانی پیدا ہو۔

صلاة کا تعارف، طریقہ کار اور پس منظر:

اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ اعلان کو فقہ کی اصطلاح میں تہویب کا نام دیا گیا ہے اور اسی کو ہندوستانی عرف میں صلاة کہا جاتا ہے۔ کن الفاظ کے ساتھ صلاة کہی جائے اس کے لیے کچھ مخصوص الفاظ موضوع نہیں بل کہ یہ عرف و رواج پر مبنی ہے۔ البتہ اب تک مندرجہ ذیل الفاظ طیبہ کے ساتھ صلاة کہی جاتی رہی ہے

(۱) الصلوة خیر من النوم (۲) قد قامت الصلوة (۳) حی علی الصلوة حی علی الفلاح
(۴) قوموا للصلوة (۵) الصلوة الصلوة یا مصلین (۶) الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ

تہویب بذات خود انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، کیوں کہ معین کو جب عام طور پر یہ احساس ہو جاتا ہے کہ مدعو حضرات کسی اور کام میں مصروف ہیں یا وہ لا پرواہ ہو گئے ہیں یا کسی اور وجہ سے سستی یا غفلت ان میں در آئی ہے تو انہیں بطور تنبیہ دوبارہ بلایا جاتا ہے اور آواز لگائی جاتی ہے۔ اور اس قسم کے مکرر بلاؤں سماجی و معاشرتی تقاضوں کے پیش نظر کوئی عجیب اور قابل اعتراض نہیں۔ مشاہدات و تجربات اس بات پر شاہد ہیں کہ عام طور پر اذان کے سنتے ہی مسجدوں میں آنا اور نماز کے لیے تیار ہونا نادر ہے۔ خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ ایسی صورت میں اگر نمازیوں کو بلانے کے لیے دوبارہ اعلان کیا جائے یا لوگوں کو تنبیہ کی جائے تو اس پر اعتراض کرنے یا ناک بھوں چڑھانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ مسئلہ تہویب کو انسانی فطرت، سماجی اور معاشرتی تقاضوں کے تناظر میں دیکھا جائے کہ آیا تہویب کی ضرورت و افادیت ہے یا نہیں؟ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو اس طرح ارشاد فرمایا: پڑھیے اور کمال علم و فن کا اندازہ لگائیے۔۔۔۔۔

جب لوگوں میں ایسی غفلت طاری ہوگئی کہ انہیں اعلان بعد اعلان اور دوبارہ تنبیہ کی حاجت ہوئی، اذان سن کر نماز کے لیے تیار ہو جانا اور مسجد میں اذان کے ساتھ آ جانا بہت نادر ہو گیا تو متاخرین علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تہویب کو جائز و مستحسن قرار دیا۔ القول العجیب فی جواز التہویب ():

نادر کی یہ صورت متاخرین علمائے کرام کے زمانہ اقدس میں تھی لیکن آج کے دور میں یہ نادر کتنا زیادہ ہو گیا ہے، اس کا احساس شاید ہر ذی شعور کو ہے۔ اس کے باوجود مسئلہ تہویب پر اعتراض یقیناً حیرت انگیز ہے اور معنی خیز بھی؟ مذکورہ بالا محمولہ عبارت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرکار مفتی اعظم کے فتاویٰ میں صرف علمی نکات اور فکری دقائق ہی نہیں پائے جاتے ہیں بل کہ سماجی، معاشرتی اور انسانی فطرت کی صحیح تصویر کشی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ وہ خوبی و کمال ہے جو کسی تحریر کو سائنٹیفک قرار دیتا ہے اور روح عصر کی جھلک کو پیش کرتا ہے۔ اب ذرا ان سوالوں کی طرف توجہ مرکوز کرتے ہیں جو استفتا کی تحریروں سے اخذ کیے گئے ہیں مثلاً۔۔۔۔۔

(۱) صلاة کہنا کیسا ہے؟

یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اب تک کی تحریروں سے ضمناً واضح ہو چکا ہے۔ اب مزید اس کی توضیح کی ضرورت نہیں، مگر چونکہ یہ فتویٰ کی زبان ہے جس میں جواب صراحتاً دیا جاتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم نے بھی اس سوال کا جواب دیا ہے۔ مگر ایسا جواب دیا جس میں فقہ کی معتبر کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ جس سے جواب نہ صرف تشفی بخش ہے بل کہ دندان شکن اور فیصلہ کن بھی۔ آپ فرماتے ہیں۔۔۔

تثویب ضرور جائز و مندوب و مستحسن ہے ص ۱۴ :

اسی طرح کفایہ و بنایہ شرح ہدایہ و مختصر وقایہ و نہایہ و نقایہ و شرح النقاہ و فتاویٰ سراجیہ و فتح باب العنایہ و غنیۃ شرح منیہ و فتاویٰ عالمگیری و فتاویٰ حجتہ و مدارج النبوت و شرح سفر السعادتہ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ و اشعۃ اللمعات و طحاوی و نور الایضاح و مراتی الفلاح و فتاویٰ امام فقیہ النفس فتاویٰ قاضی سنان و جامع الرموز و کنز الدقائق و تبیین الحقائق و بحر الرائق و ملتقى الابحار و مجمع الانهر و غیر ہا میں ہے۔ ہمارے شہر میں ثویب ان الفاظ طیبہ سے جاری ہے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ص ۱۶ :

ذرا غور فرمائیں۔ ثویب کے تعلق سے محولہ کتابوں کی یہ کثرت اور مسائل و جزئیات پر یہ استحضار اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ وسعت علم اور تعمق فکر کا ایک ایسا سیل رواں ہے جو رکنے کا نام نہیں لیتا بل کہ بہتا ہی چلا جا رہا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کا یہ فیضان ہے جو آپ کی شخصیت اور ذات اقدس سے جاری ہے اور متلاشیان حق و صداقت کے لیے سنگ میل ثابت ہو رہا ہے۔

(۲) کیا صلاۃ بدعت سیئہ ہے؟

یہ سوال ایسا معنی خیز ہے جو معترضین کی ذہنیت اور تعصب و تنگ نظری کا پتہ دے رہا ہے۔ ذرا سوچئے ہر نئی چیز کو بدعت سیئہ کہہ دینا کیا انصاف و دیانت اور راست فکری سے میل کھاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ معترض اس بات کو کیوں نہیں سمجھتا کہ کسی شے کا بدعت ہونا اور چیز ہے اور بدعت سیئہ ہونا دوسری چیز ہے اور مستحب و مستحسن ہونا ایک الگ معاملہ ہے۔ ثویب ایک امر مستحسن ہے جس پر دلائل پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب ذرا انداز جواب او رطرز تردید ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں

کسی امر کے جواز و استحسان کے لیے یہ کیا ضرور ہے کہ وہ زمانہ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا کم از کم تابعین کے زمانہ میں پایا جاتا ہو؟ کیا مدارس جس ہیئت سے آج کل رائج ہیں بایں ہیئت قرون ثلاثہ میں سے کسی قرن میں رائج تھے؟ یا تینوں پاک عہدوں میں سے کسی عہد میں کوئی ایک مدرسہ بھی اس ہیئت میں تھا؟ (القول العجیب فی جواز الثویب، ص ۱۵)

سرکار مفتی اعظم کی یہ عبارت ایسی ہے جو مخالفین کے دل و دماغ پر چوٹ کرتی ہے اور ان کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھتی ہے مخالفین لاکھ جتن کریں مگر اس کاری ضرب سے جان بر نہیں ہو سکتے۔ سچ ہے۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
 کے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے
 (۳) صلاة احادیث کے تناظر میں:

اگر تحقیقی تناظر میں آپ دیکھیں تو تھویب یعنی صلاة ہر دور میں کسی نہ کسی نوعیت میں ضرور کہی جاتی رہی ہے مطلقاً
 تھویب کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی صاحب رضوی نے القول العجیب فی جواز التھویب
 کے ابتدائیہ میں اس تعلق سے اچھی بحث کی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔
 (۴) مثلاً زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت فجر اذان کے بعد حجرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتے اور
 عرض کرتے الصلوٰۃ خیر من النوم، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا یا احسن ہذا یا بلال اجعلہ فی اذانک۔ (کنز العمال
 حدیث ۹۰۷۴، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) کیا ہی اچھا ہے یہ۔ اے بلال! تم اس کو اپنی اذان میں شامل
 کر لو۔ (القول العجیب فی جواز التھویب، ص ۴-۵)

تھویب کے یہ الفاظ اذان میں شامل کر لیے گئے اور اب تک شامل ہیں۔ اگرچہ یہ تھویب داخلی ہے یعنی
 اذان میں شامل ہے۔ اب رہی بات تھویب کے ان الفاظ کی جو اذان میں شامل نہیں تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ
 الصلوٰۃ خیر من النوم کو اذان میں شامل کر لینے کے بعد بھی حضرت بلال دروازہ اقدس پر حاضر ہوتے اور ان
 الفاظ میں تھویب فرماتے، الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔

ان بلا لا کان یحضر باب الحجرة النبویة بعد الاذان و یقول الصلوٰۃ، الصلوٰۃ،
 بے شک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شانہ نبوت کے دروازہ پر حاضر ہوتے اور کہتے
 الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ۔

(۵) صحابہ کرام کے زمانہ کے حوالہ سے:
 یہ تھویب صرف زمانہ اقدس سے مخصوص نہ تھی بل کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی کہی جاتی تھی اور اس
 کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر تھے۔ جیسا کہ علامہ سید شاہد علی رضوی، حاشیہ کنز الدقائق
 کے حوالہ سے لکھتے ہیں

ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصب زید بن ثابت لا اعلامہ باوقات الصلوٰۃ و
 حضور الجماعة،

بے شک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت کو نمازوں کے اوقات اور جماعت
 میں حاضر ہونے کی اطلاع دینے کے لیے مقرر کیا تھا۔

زمانہ اقدس و صحابہ و تابعین کے بعد بھی تھویب جاری رہی اور سو سال گزر جانے کے باوجود مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں تھویب جاری رہی جیسا کہ حضرت علامہ سید اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم محترم کے ایک فتویٰ سے واضح ہوتا ہے

ان تاریخی شواہد کے باوجود اگر کوئی تھویب کو بدعت سیئہ کا نام دے تو اس کے عقل و شعور پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم نے انہیں تاریخی شواہد اور بلاد اسلامیہ کے معمولات اور علمائے متاخرین کے اظہار پسندیدگی کو یوں مختصر مگر جامع انداز میں بطور دلیل پیش فرمادیا کہ

ما راہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن -

(موطأ امام محمد ص ۱۴۴، رضا اکیڈمی، ممبئی)

کہ جس امر کو مسلمان حسن جانیں وہ عند اللہ بھی حسن ہے۔

یہ ایک ایسی دلیل ہے جو بہت سے شکوک و شبہات کا ازالہ کرتی ہے اور تھویب کو بھی حسن قرار دیتی ہے۔ یہی جامعیت اور دلیل کی معنویت حضور مفتی اعظم کے فتاویٰ کا کہاں ہے اور امتیازی شناخت بھی۔ جو ہر فتویٰ میں بطور علامت پائی جاتی ہے۔

() اس حدیث کا کیا جواب ہے جس میں تھویب کو بدعت کہا گیا:

سائل نے اپنے استفتا میں سنن ابوداؤد کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی:

عن مجاهد قال كنت مع ابن عمر ثوب رجل في الظهر والعصر قال اخرج

بنافان هذه بدعة۔ (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۹۷ دارالاشاعت، کلکتہ)

حضرت مجاہد سے روایت ہے میں ابن عمر کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر اور عصر میں تھویب کہی۔ انھوں

ں نے کہا میرے پاس سے نکل جاوے شک یہ بدعت ہے۔

اولاً اس میں لفظ بدعت ہے بدعت سیئہ نہیں۔

ثانیاً سرکار مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

بالفرض اگر تسلیم کر لیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تھویب کو بدعت سیئہ فرمایا تو اس

وقت چوں کہ حاجت نہ تھی اس لیے وہ بے ضرورت کام تھا اور لوگوں کو خواہ مخواہ اس کا عادی بنا دینا اور ایسے لوگوں کو

جو غافل نہیں ہیں۔ اذان کے بعد سے اس وقت تک ان کا غافل کر دینا اس کا انجام تھا۔

(القول العجیب فی جواز التھویب: ص ۱۸)

سرکار مفتی اعظم کی عبارت محولہ میں لفظ بالفرض اگر اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ حضرت ابن عمر نے

اسے بدعت سیئہ نہیں فرمایا۔ تھویب کی ضرورت نہ ہونے کے سبب تھویب سے منع فرمایا۔ اس سے مخالفین کو

کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے اور نہ ہمیں کوئی نقصان۔

() اگر خوف فتنہ ہو تو صلاة کا ترک اولیٰ ہے یا نہیں؟

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے اس سوال کا جواب بھی بہت ہی مختصر انداز میں دیا ہے۔ آپ فرماتے

ہیں۔

جو لوگ صلاة کہنے سے روکتے ہیں، مسجد میں جھگڑتے اور اس لیے جماعت چھوڑتے ہیں، تفریق جماعت کرتے ہیں، اس سب کا وبال ان کی گردنوں پر ہے۔ صلاة کہنے والوں پر الزام نہیں۔ ان سب پر توبہ لازم ہے۔ (القول العجیب فی جواز التثویب، ص ۲۲)

اس عبارت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صلاة کا ترک اولیٰ نہیں ہے۔ اب اگر کوئی لڑتایا جھگڑتا ہے۔ اس کا وبال ان پر ہے، وہ سزا پائیں گے، نہ کہ صلاة کہنے والے۔

یہ تھا مسئلہ تثویب کا ایک تجزیاتی مطالعہ جو سرکار مفتی اعظم کے فتاویٰ کے حوالہ سے پیش کیا گیا۔ حضرت والا کے مبارک فتاویٰ میں یہ خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں:

(۱) جواب سوال کے عین مطابق ہونا۔

(۲) ادلہ کثیرہ کا پایا جانا۔

(۳) حوالہ جات کی بہتات۔

(۴) جواب کا مختصر مگر جامع ہونا۔

(۵) متوازن اور موزوں الفاظ کا پایا جانا۔

(۶) اسلوب میں متانت و شائستگی اور تناسب کا ہونا۔

یہ وہ خصوصیات و امتیازات ہیں جو سرکار مفتی اعظم کی شخصیت اور علمیت کو آفاقی بناتی ہیں۔ انہیں خوبیوں کے سبب آپ کو صرف مفتی نہیں بل کہ مفتی اعظم علی الاطلاق کیا گیا، یہاں تک کہ یہ لقب آپ کے لیے علم (شخصی نام) کے درجے میں آ گیا۔



تعارف رسالہ

الحمد لله رب العالمين . والصلاة والسلام على سيد المرسلين . وعلى
اله وأصحابه وأولياء أمته وشهداء محبته و علماء ملته أجمعين .

اما بعد:

تثویب ایک اعلان کے بعد دوسرے اعلان کو کہتے ہیں۔ اس تثویب یعنی صلاۃ کے لیے الفاظ
مقرر نہیں، مسلمان جو چاہیں مقرر کر لیں، البتہ صحابہ کرام اور فقہائے امت کے جو پسندیدہ طریقے کتب
حدیث اور کتب فقہ میں ملتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) الصلاة خير من النوم.

(۲) قد قامت الصلاة.

(۳) حي على الصلاة حي على الفلاح.

(۴) قوموا للصلاة.

(۵) الصلاة الصلاة يا مصلين.

(۶) الصلاة والسلام عليك يا رسول الله.

بعض مقامات پر پانچواں طریقہ رائج ہے

اور اکثر مقامات پر بلاد اسلامیہ میں آخری طریقہ

یعنی:

الصلاة والسلام عليك يا رسول الله. اختیار کرتے ہوئے یوں صلاۃ پڑھتے ہیں:

الصلاة والسلام عليك يا نبی الله.

الصلاة والسلام عليك يا رسول الله.

الصلاة والسلام عليك يا حبيب الله

وعلى آلك وأصحابك يا شفيعنا عند الله .

اس طریقہ تہویب کو اختیار کرنے میں دو فائدے ہیں۔

ایک تو اعلان بعد اعلان ہی کا۔ دوسرے درود و سلام کے پڑھنے کا، پھر اس تہویب کی دو صورتیں ہیں: تہویب داخلی۔ اور تہویب خارجی۔

پہلی صورت:

تہویب داخلی کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کو اذان میں داخل کر کے پڑھا جائے، جیسے:

الصلاة خير من النوم، اذان: میں داخل کر کے پڑھتے ہیں، یہ الصلاة خير من النوم، کا اذان فجر میں داخل کر کے پڑھنا تہویب داخلی کہلاتا ہے، اور یہ صرف فجر میں جائز نہیں بلکہ سنت ہے، خود حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وقت فجر جب یہ الفاظ (الصلاة خير من النوم) سنے تو ارشاد فرمایا:

((ما أحسن هذا يا بلال اجعله في أذانك)) (۱)

یہ کیا ہی اچھا ہے اے بلال! تم اس کو اپنی اذان میں شامل کر لو۔
ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

((فأقرت في تاذين الفجر فثبت الأمر على ذلك)) (۲)

پس اذان فجر میں اس تہویب کو باقی رکھا گیا اور آج بھی اسی پر باقی ہے۔

مگر یہ تہویب داخلی اذان فجر کے علاوہ باقی تمام اوقات کی اذانوں میں ممنوع ہے، بلکہ بدعت

سیئہ ہے۔

دوسری صورت:

تہویب خارجی کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے نماز کے لیے دوبارہ اعلان کیا جائے تاکہ جو لوگ اذان سن کر نماز کے لیے نہیں آسکے ہیں انھیں یاد دہانی ہو جائے، اور نماز کے لیے آجائیں، تو یہ تہویب خارجی بھی جائز و مستحسن اور مستحب ہے۔

(۱) [نصب الرایة: کتاب الصلاة باب الأذان، ۱/۲۶۴]

(۲) [سنن ابن ماجہ: باب السنة في الأذان، ۱/۲۳۷]

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ”الصلاة خیر من النوم“ کو اذان فجر میں داخل فرما دیا تو اس کے بعد بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھویب فرمایا کرتے تھے اور وقت تھویب یعنی صلاة کے الفاظ کیا تھے، ملاحظہ فرمائیں:

((إن بلالاً كان يحضر باب الحجرة النبوية بعد الأذان ويقول: الصلاة الصلاة.))
واقعہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شانہ نبوت کے دروازے پر اذان کے بعد حاضر ہوتے اور کہتے: الصلاة الصلاة.

نیز حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع کے لیے مقرر فرمایا تھا۔
حاشیہ کنز الدقائق میں ہے:

”إن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصب زید بن ثابت لإعلامه بأوقات الصلاة وحضور الجماعة.“

بے شک سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع دینے کے لیے مقرر کیا تھا۔
اور یہ صرف حضرت بلال یا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل نہ تھا بلکہ امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر، امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی، امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا۔ ان حضرات نے بھی اپنے یہاں نمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع دینے کے لیے موزنین مقرر فرمائے تھے۔ جیسا کہ امامی الاحبار میں ہے:

”ثبت وقوف بلال علی بابہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکذا وقوف سعد القرظ علی باب ابی بکر وکذا وقوف المؤذن علی باب عمر وعثمان وعلی وثابت.“
یہ بات ثابت شدہ ہے کہ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑے ہوتے، اور اسی طرح سیدنا حضرت سعد القرظ کا کھڑا ہونا ثابت ہے امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر، دوسرے مؤذن کا حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی، امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ اور سیدنا حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دروازوں پر تھویب کے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے۔

پھر یہ بھی نہیں کہ زمانہ نبوی، عہد صحابہ اور دور تابعین کے بعد صلاۃ و سلام اور تہویب کا کرنا ختم ہو گیا ہے، بلکہ عہد صحابہ اور دور تابعین کے بعد بھی علمائے کوفہ نے لوگوں کے احوال متغیر ہو جانے کی وجہ سے اس تہویب کو باقی رکھا جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں خاتم المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

وبعد اذان علمائے کوفہ حی علی الفلاح، حی علی الفلاح احداث کردند در میان اذان و اقامت۔

اور اس دور صحابہ کے بعد علمائے کوفہ نے اذان و اقامت کے درمیان حی علی الفلاح، حی علی الفلاح کے ساتھ تہویب کی ایجاد کی۔

اور چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں یہ تہویب بے تکیر جاری و ساری ہے، جیسا کہ آپ آئندہ اسی رسالہ ”القول العجیب فی جواز التہویب“ میں علمائے مکہ و مدینہ منورہ کا نورانی فتویٰ تفصیلی طور پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

البتہ اس بات میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ تہویب یعنی صلاۃ جمع اوقات نماز میں جائز و مستحسن ہے، یا بعض مخصوص اوقات میں۔ نیز صرف خواص کے لیے ہے یا عوام کے لیے بھی، تو اس بارے میں فقہاء کے تین قول ہیں:

پہلا قول:

صرف فجر میں تہویب یعنی صلاۃ جائز ہے؛ کیوں کہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے۔

دوسرا قول:

تمام نمازوں میں تہویب جائز ہے، مگر صرف اہل ایمان کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو مسلمانوں کی فلاح و صلاح کے کاموں میں مشغول ہوں جیسے قاضی و مفتی۔

تیسرا قول:

لوگوں میں دینی امور خصوصاً نماز کے اندر سستی اور غفلت پیدا ہو جانے کی وجہ سے تمام نمازوں میں تمام مسلمانوں کے لیے تہویب یعنی صلاۃ جائز ہے بلکہ مستحسن و مستحب ہے، اور اسی پر علمائے عرب و عجم کا فتویٰ ہے۔

زیر نظر رسالہ تہویب کے جواز و استحسان پر تاجدار اہل سنت، شہزادہ اعلیٰ حضرت امام الفقہاء حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی ایک محققانہ تصنیف لطیف ہے، جس میں کل چھ (۶) فتاویٰ ہیں، پانچ حضرت مفتی

اعظم قدس سرہ کے اور ایک عالم جلیل، فاضل نبیل حضرت علامہ مولانا سید محمد اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم محترم علیہ الرحمۃ والرضوان کا۔ اب تک ”القول العجیب فی جواز التثویب“ کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے۔

یہ رسالہ حجم کے لحاظ سے تو چھوٹا ہے لیکن معانی و مفاہیم کے اعتبار سے نہایت جامع ہے، اس میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے اذان کے بعد تثویب پکارنے کو ثابت کیا اور اسے بدعت سیئہ کہنے والوں کا رد بلیغ فرمایا ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی بارگاہ میں پہلا استفتا ۲۸ رزی الحجہ ۱۳۴۲ھ کو، دوسرا ۱۶۱ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ کو اور تیسرا استفتا ۱ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ کو، چوتھا ۱۸ رزی قعدہ ۱۳۴۳ھ کو اور پانچواں ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ کو آیا تھا۔

آپ نے ہر استفتا کے جواب میں فقہ و فتاویٰ کی معتبر و مستند کتابوں سے تثویب کے جواز و استحسان پر دلائل و شواہد کا عظیم گلدستہ پیش فرما کر مسئلہ تثویب کو واضح فرما دیا۔

القول العجیب

فی

جواز التثویب

(۱۳۳۹ھ)

اذان کے بعد دوبارہ اعلان کرنے کا بیان

تثویب کا بیان

(۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
اذان کے بعد صلاۃ پکارنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اسے بدعت سیئہ کہتے ہیں۔
از شہر محلہ اعظم نگر۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

الجواب

اسے تثویب کہتے ہیں اور وہ اعلان بعد اعلام ہے، بلاشبہ یہ جائز و مندوب و مستحسن ہے۔ عامہ کتب معتبرہ میں اس کا جواز مزبور اور استحسان مسطور ہے۔ جو اسے بدعت سیئہ بتاتا ہے جھوٹا ہے۔ تمام علمائے متاخرین پر استحسان بدعت سیئہ کا جھوٹا الزام لگاتا ہے۔

ہم نے اپنے فتاویٰ میں انتیس کتابوں کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ یہ امر مستحسن ہے کیا وہ امر جسے فقہائے کرام متاخرین حسن جانیں اس کے جواز کی تحسین کے ساتھ تصریحیں فرمائیں وہ بدعت سیئہ ہو سکتا ہے؟۔ یہ وہابیہ کا سخت دھوکہ ہے کہ وہ ہر بات کو بدعت، بدعت کہہ کر بھولے بھالے سینوں کو اس کے بدعت سیئہ ہونے کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور نیک کاموں سے روکتے ہیں، کیا حدیث میں حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نہ سنا:

”نعمت البدعة هذه“ (۱)

یہ کیا اچھی بدعت ہے۔

”ملتی الا بحر“ اور اس کی شرح ”مجمع الانہر“ میں ہے:

واستحسن المتأخرون التثویب فی کل الصلوات هو الإعلام بعد الإعلام بحسب ما تعارفه أهل كل بلدة بین الأذنین۔ (۲)۔

اور متاخرین نے تثویب کو ہر نماز کے لیے مستحسن جانا ہے، تثویب اذان و اقامت کے درمیان ہر

(۱) [شعب الإيمان: تحسین الصلاة والإكثار منها، ۴/۵۴۹]

(۲) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر كتاب باب الأذان، ۱/۱۰۳)

شہر کے لوگوں کے عرف کے مطابق اعلان کے بعد اعلان کو کہتے ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

”والمتاخرون استحسوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية.“ (۱)
اور متاخرین نے تمام نمازوں میں تثنویب کو مستحسن قرار دیا ہے، کیوں کہ دینی امور میں سستی پیدا ہو چکی ہے۔

مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے:

”واستحسن المتأخرون التثويب في الصلوات كلها.“ (۲)
متاخرین نے تمام نمازوں میں تثنویب کو مستحسن بتایا ہے۔

”وما استحسنه المتأخرون هو التثويب في سائر الصلوات لزيادة غفلة الناس

وقل ما يقومون عند سماع الأذان فيستحبس التثويب للمبالغة في الإعلام۔ (۳)
اور جسے متاخرین نے مستحسن جانا ہے وہ تمام نمازوں میں تثنویب ہے، کیوں کہ لوگوں میں غفلت بڑھ چکی ہے اور بہت کم لوگ ہیں جو اذان سن کر نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، تو اعلان میں مبالغہ پیدا کرنے کی وجہ سے تثنویب مستحسن قرار دی گئی۔

اسی طرح بنایہ وکنز الدقائق و تبیین الحقائق و بحر الرائق و فتاویٰ عالمگیریہ و فتاویٰ قاضی خاں و کفایہ شرح النقایہ و فتاویٰ سراجیہ و جامع الرموز و ارکان اربعہ و اشعة اللمعات و مدارج النبوة و شرح سفر السعادة و فتاویٰ حجتہ و شرح باب العنایہ و نور الايضاح و مراقی الفلاح و نہایہ و مختصر و قایہ و غنیہ شرح منیہ و طحاوی و غیر ہا میں ہے۔ بلاد اسلامیہ خود مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں یہ تثنویب بے تکلیف جاری و ساری ہے، مناسب ہوگا کہ ہم یہاں عالم مکہ مکرمہ فاضل مکہ معظمہ کا فتویٰ بھی نقل کر دیں۔

حضرت عالم جلیل فاضل نبیل مولانا سید اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم محترم علیہ رحمۃ ربہ الاکرم سے یہ سوال ہوا تھا، جس کے جواب میں انہوں نے یہ فتویٰ دیا:

الحمد لله وحده. المناداة في جميع الصلوات جائزة، بل يتأكد فعلها في بعض

(۱) (هدایہ کتاب الصلاة باب الأذان، ۱/۷۲)

(۲) (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح باب الأذان، ۲/۵۵۱)

(۳) [المبسوط للسرخسی: الأذان والإقامة علی غیر وضوء، ۱/۱۳۱]

البلدان المتعارفة فيها على حسب ما تعارفوه ، بل يتأكد مطلقاً لرفع الغفلة عن الناس ، ويثاب فاعله إن شاء الله تعالى ، وعندنا بمكة ينادي عند حينونة الوقت ، ولجوازہ أصل ثابت في السنة ، فعليه لا كراهة ، ومن يقول بها: لا يعول على قوله ولا يلتفت إليه .

کتبہ : محافظ الحرم المکی اسماعیل بن خلیل .

السید اسماعیل بن خلیل ، ۱۸ / ذی الحجہ ۱۳۳۰ ھ

الجواب صحیح

خادم العلم بالمدينة المنورة ، أحقر الوری خلیل بن ابراهیم العجیمی

(خالی جگہ برائے مہر)

الجواب صحیح

مصطفیٰ بن عبد میرداد امام الحرم الشریف الحنفی عفا اللہ عنہ آمین ۔

ترجمہ : خدایہ کے لیے حمد ہے ۔ دوبارہ اعلان سب نمازوں میں جائز ہے بلکہ جن شہروں میں اس کا رواج ہو وہاں کے عرف کے موافق مؤکد ہے اور لوگوں سے غفلت دور کرنے کے لیے مطلقاً اس کی تاکید ہے ، اس کے کرنے والے کو ان شاء اللہ تعالیٰ ثواب ملے گا ۔ ہمارے یہاں مکہ معظمہ میں جماعت کا وقت آنے پر تشویب کہی جاتی ہے اور اس کے جواز کی اصل حدیث میں ثابت ہے تو اس بنا پر کوئی کراہت نہیں ، اور جو اس کی کراہت کا قائل ہے اس کے قول پر اعتماد اور اس کی جانب التفات نہ کیا جائے ۔

اسی طرح کفایہ و بنایہ شرح ہدایہ و مختصر وقایہ و نہایہ و نقایہ و شرح النقایہ و فتاویٰ سراجیہ و فتح باب العنایہ و غنیۃ شرح منیہ و فتاویٰ عالمگیریہ و فتاویٰ حجتہ و مدارج النبوة و شرح سفر السعادة و مرقاۃ شرح مشکاۃ ، و اشعة اللمعات و طحاوی و نور الايضاح و مراقی الفلاح و فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں و جامع الرموز و کنز الدقائق و تبیین الحقائق و بحر الرائق و ملتقى الابحار و مجمع الانهر و غیر ہا میں ہے ، ہمارے شہر میں تشویب ان الفاظ طیبہ سے جاری ہے :

الصلاة والسلام عليك يا رسول الله۔

اس سے وہابیہ بلا عنہ خذلہم اللہ تعالیٰ فی الدنیا و الآخرة ۔ چڑھتے ہیں تو جہاں فتنہ وہابیہ معاذ اللہ غالب ہو اور سنی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک کرتے اور حضور کا نام نامی لیتے اور حضور پر یوں درود بھیجتے ڈرتے ہوں تو اسے اس وقت ترک کی اجازت ہوگی اور اگر ترک نہ کرے گا تو

فتنہ کا الزام اس پر نہ ہوگا بلکہ بفضلہ تعالیٰ مزید ثواب کا مستحق ہوگا، الزام فتنہ ان مفتوں ہی کے سر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
تخویب یعنی صلاۃ و سلام کہنا ہر نماز کے واسطے جائز ہے یا نہیں، اور کس حدیث سے اس کا ثبوت ہے، اور جو اس کے مخالف ہیں وہ یہ حدیث پیش کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، اور اس کا کہنا منع ہے۔ اور یہ حدیث سنن ابوداؤد کے جزء رابع میں تخویب کے باب میں مرقوم ہے:

عن مجاهد قال كنت مع ابن عمر فتوب رجل الظهر والعصر، قال أخرج بناء، فان هذه بدعة. (۱)

اس کا کیا جواب ہے۔ بینوا تو جزوا

از شہر جسولی مسئولہ مولوی سید محمد عبدالحمید صاحب۔

الجواب

تخویب کو علمائے متاخرین نے تمام نمازوں کے لیے جائز و سنن فرمایا مگر مغرب کا بعض نے استثناء فرمایا کہ اس میں حاجت نہیں، تمام کتب فقہ معتمدہ معتبرہ میں اس کی تصریح ہے، حدیث میں ہے:
(مراہ المسلمون حسناً فهو عند الله حسن.)) (۲)
جس امر کو مسلمان حسن جانیں وہ عند اللہ بھی حسن ہے۔

سنت تو کوئی نہیں کہتا۔ ہر بدعت بدعت سیئہ نہیں ہوتی، بے شک یہ بدعت بدعت حسنہ ہے، جس کی تمام علمائے متاخرین نے تحسین فرمائی، ہم نے اپنے فتاویٰ میں انتیس (۲۹) کتابوں کے حوالہ سے یہ بتایا ہے کہ یہ امر مستحسن ہے۔ کیا وہ امر جسے تمام فقہائے کرام متاخرین حسن جانیں، اس کے جواز کی تحسین کے ساتھ تصریح فرمائیں، وہ بدعت سیئہ ہو سکتا ہے؟۔ یہ وہابیہ کا سخت دھوکا ہے کہ وہ ہر بات کو بدعت بدعت کہہ کر بھولے بھالے سینوں کو اس کے بدعت سیئہ ہونے کا یقین دلانا چاہتے ہیں، اور نیک کاموں سے روکتے ہیں، کیا حدیث میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نہ سنا

(۱) [سنن ابی داؤد کتاب الصلاة باب فی التثویب، ۱/۱۴۸]

(۲) [حلیۃ الأولیاء، ۱/۳۷۵]

کہ ”نعمت البدعة هذه.“ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔

بالفرض اگر تسلیم کر لیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی تثنویب کو بدعت سیئہ فرمایا تو اس وقت چوں کہ حاجت نہ تھی اس لیے وہ بے ضرورت کام تھا، اور لوگوں کو خواہ مخواہ اس کا عادی بنا دینا اور ایسے لوگوں کو جو غافل نہیں اذان کے بعد سے اس وقت تک غافل کر دینا اس کا انجام تھا، مگر اب جب کہ لوگوں پر غفلت طاری ہوئی اور اعلام بعد اعلام کی حاجت ہوئی وہ بدعت جو اس وقت اس لحاظ سے سیئہ تھی اب اس لحاظ سے کیوں حسن نہ ٹھہرے گی۔ ان فقہائے کرام نے یہی وجہ تحسین فرمائی، ہدایہ میں فرمایا:

”والمتاخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية. (۱)
اور متاخرین نے تثنویب کو تمام نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے، دینی امور میں سستی پیدا ہونے کی

وجہ سے۔

کفایہ میں ہے:

”وما استحسن المتأخرون وهو التثويب في سائر الصلوات لزيادة غفلة الناس،
وقل ما يقومون عند سماع الأذان فيستحسن التثويب للمبالغة في الأعلام.“ (۲)
اور جسے متاخرین نے مستحسن جانا وہ تمام نمازوں میں تثنویب ہے لوگوں کی غفلت بڑھ جانے کی وجہ سے، اور بہت کم لوگ اذان سنتے ہی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تو اعلان میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے تثنویب مستحسن قرار دی گئی۔

یہ حدیث ابوداؤد جو سائل نے پیش کی ہے اور جس کے بھروسہ اس نیک کام سے وہاں یہ روکتے ہیں کیا ان تمام فقہائے کرام، جہابذہ اعلام، علمائے فحام، ائمہ عظام کی نظر میں نہ تھی اور جب تھی اور ضرور تھی، پھر بھی انہوں نے اسے اچھا بتایا، تو ان سے دریافت کیا جائے کہ وہ ان ائمہ وعلما و فقہا پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں، مگر ان اعداء اللہ و اعداء الرسول سے اس کی کیا شکایت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اذان کے بعد ہر نماز کے لیے تثنویب کہنا ضروری ہے یا غیر ضروری، کسی معتبر اور مستند کتاب سے

(۱) [هدایہ کتاب الصلاة باب الأذان، ۱/۷۲]

(۲) [المبسوط للسرخسي: باب الأذان والاقامة على غير وضوء، ۱/۱۳۱]

بجوالہ عبارت تحریر فرمایا جائے۔

از شہر کہنہ محلہ کٹکویاں مسئولہ منشی عبدالعزیز خاں صاحب رضوی سلمہ:

الجواب

تثویب ضروری بمعنی واجب نہیں۔ مستحسن و مندوب و مستحب ضرور ہے کہ تعاون علی البر والتقویٰ ہے۔ کما صرح به علما ثنا رحمہم اللہ تعالیٰ فی کتبہم المعتمدة۔

اور خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((مارأه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن)) (۱)

جسے مسلمان حسن جانیں وہ عند اللہ بھی حسن ہے۔

بدائع میں فرمایا:

”إن مشائخنا قالوا: لا بأس بالتثويب المحدث في سائر الصلوات لفرط غلبة الغفلة على الناس في زماننا و شدة ركونهم إلى الدنيا و تهاونهم بأمور الدين ، فصار سائر الصلوات في زماننا مثل الفجر في زمانهم ، فكان زيادة الإعلام من باب التعاون على البر والتقوى فكان مستحسناً ، ولهذا قال أبو يوسف: لا أرى بأساً أن يقول المؤذن: السلام عليك أيها الأمير ورحمة الله وبركاته ، حي على الصلاة ، حي على الفلاح ، الصلاة يرحمك الله ، لا اختصاصهم بزيادة شغل بسبب النظر في أمور الرعية ، فاحتاجوا إلى زيادة إعلام نظراً لهم ، ثم التثويب في كل بلدة على ما يتعارفونه ، أما بالتنحج ، أو بقوله: الصلاة الصلاة ، أو قامت قامت ، أو ”بايك نماز بايك“ كما يفعل أهل بخارى ؛ لأنه الإعلام ، والإعلام إنما يحصل بما يتعارفونه . والله تعالى أعلم. (۲)

ہمارے مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ جو تثویب ہر نماز میں پیدا کی گئی ہے اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں کی غفلت بڑھ گئی ہے، دنیوی امور کی جانب میلان اور دینی امور میں سستی عام ہو گئی ہے، تو ہمارے زمانہ میں تمام نمازیں ان کے زمانہ کی فجر نماز کے مثل ہو گئی ہیں، کیوں کہ وہاں بھی علت جواز غفلت ہے، اور وہی یہاں پائی جا رہی ہے، یہاں اس اعلان کا اضافہ امور خیر اور

(۱) [حلیۃ الأولیاء، ۱/۳۷۵]

(۲) [بدائع الصنائع کتاب الصلاة الکلام فی التثویب، ۱/۳۶۸]

تقویٰ پر تعاون کے قبیل سے ہے، لہذا مستحسن ہوا، اسی وجہ سے امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کوئی حرج نہیں کہ مؤذن یہ کہے:

السلام عليك يا أيها الأمير ورحمة الله وبركاته، حي على الصلاة، حي على الفلاح، الصلاة يرحمك الله. (۱)

اللہ تجھ پر رحم فرمائے کیوں کہ انھیں خاص طور پر رعایا کے کاموں کی دیکھ بھال کی وجہ سے زیادہ انہماک ہوتا ہے، تو اس امر کی رعایت کرتے ہوئے انھیں دوبارہ اعلان کی ضرورت ہے۔ پھر ہر شہر کی تھویب وہاں کے عرف کے مطابق ہوتی ہے، جیسے کھانس کر، یا الصلاة الصلاة، یا قامت قامت، یا با یک نماز با یک نماز، کہہ کر ہوتی ہے جیسا کہ اہل بخارا کا معمول ہے۔ کیوں کہ یہ اہل علم ہے اور اعلام عرف ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

(۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ... ایک مسجد میں کثیر جماعت ہوتی تھی، کچھ لوگوں نے صلاة کہنے کا ورد کیا اور کچھ منع کرتے ہیں کہ صلاة نہ پکارو۔

مسجد میں جھگڑے کی وجہ سے جماعت منتشر ہوگئی۔ صلاة کہنا چاہیے یا نہیں؟۔ اور ایک مولانا کہتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک منع ہے، اس میں شریعت کا کیا حکم اور صلاة کہنے میں کیا ثواب ہے اور نہ کہنے میں کیا عذاب ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا کہنا واجب ہے۔

از شہر محلہ شاہ دانا صاحب قدس سرہ مسئولہ عبدالواحد صاحب: (۱۵/ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ)

الجواب

تھویب بے شک مندوب و مستحسن اور کہنے والے کے لیے اجر و ثواب ہے کما حققناه فی فتاوانا۔ جو لوگ منع کرتے ہیں وہ ذکر خیر و تذکیر حسن روکتے ہیں اور خواہ مخواہ ایک مندوب و مستحسن امر کو ناجائز کہہ کر سخت گنہگار ہوتے۔ اور:

((من أفتى بغير علم فليتبوء مقعده من النار.)) (۲)

(۱) [هدایہ کتاب الصلاة باب الأذان، ۱/۷۲]

(۲) [التیسیر بشرح الجامع الصغیر: حرف المیم، ۲/۴۰۲]

جو بے علم فتویٰ دے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنائے۔
 کے نیچے آتے ہیں۔ ہم نے اپنے فتاویٰ میں انتیس تیس کتب فقہ حنفی سے اس کے استحسان
 واستحباب کا ثبوت دیا ہے، متاخرین علمائے کرام قاطبہ اسی کی تصریحیں فرما رہے ہیں۔
 اور یہ ارشاد حدیث:

((مارأه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن)) (۱)

جسے مسلمان حسن جانیں وہ عند اللہ بھی حسن ہے۔
 جو لوگ صلاۃ کہنے سے روکتے، مسجد میں جھگڑتے اور اس لیے جماعت چھوڑتے تفریق جماعت
 کرتے ہیں، اس سب کا وبال ان کی گردنوں پر ہے، صلاۃ کہنے والوں پر الزام نہیں۔ ان سب پر توبہ
 لازم۔ واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ جل مجده أتم وأحکم۔

اذان کے بعد صلاۃ سے اعلان نماز کے ساتھ درود و سلام بھی مقصود ہے

(۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
 زید جو کہ صلاۃ کا منکر ہے، اور دو ایک اس کے ساتھی اور بھی ہیں جو کہ منکر صلاۃ ہیں، انہوں نے
 اس بات کی کوشش کی کہ صلاۃ نہ ہو، مگر اہل محلہ نے ان کے خلاف جس طرح سے روزمرہ صلاۃ وقت مقررہ
 پر ہوتی ہے قائم رہی، اور یہ طے کیا کہ صلاۃ بند نہ ہوگی، اور بدستور ہوتی رہے گی، اس فیصلہ میں دو چار
 آدمیوں نے یہ بھی کہا کہ صلاۃ ایک نیک کام ہے اگر بعد نماز ختم ہونے کے دس دس مرتبہ اور کہو اور ہم بھی
 شریک ہیں، یہ کلمات درود و سلام بھیجنے کے ہیں، اس پر تمام اہل محلہ نے کہا دس دس مرتبہ نہیں بلکہ جس قدر
 جس کو زیادہ درود و سلام بھیجنے کا موقع ہو پڑھے، اور یہ بات بعد نماز عشا کے طے ہوا تھا، آج زید مذکور نے
 یعنی منکر صلاۃ نے ظہر کی جماعت جب ختم ہو گئی، اور جو آدمی باقی رہ گئے تھے، نماز پڑھ رہے تھے، باواز بلند
 صلاۃ پکاری اس صورت سے اس منکر صلاۃ کا صلاۃ کہنا کہاں تک درست ہے۔ مفصل تحریر فرمادیجیے ورنہ
 یہاں پر خطرہ فساد کا ہے۔ فقط

از محلہ بان خانہ بریلی مسئولہ حمید اللہ خاں۔

الجواب

بے شک صلاۃ و سلام عرض کرنا نیک کام ہے، جب وہ نیک کام مانتے ہیں تو نیک کام سے کیوں روکتے ہیں، نماز سے پہلے بھی نیک کام ہے، نماز کے بعد بھی نیک کام ہے، جس وقت عرض کریں نیک کام ہے، نماز کے بعد اس سے جو دوسرا مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ نماز سے پہلے وہ مقصد بھی حاصل ہوگا، ایک بات کئی مقصد رکھ سکتی ہے، مثلاً اذان سے اعلام ہی مقصود نہیں، بلکہ اس سے جیسے اعلام مقصود ہے یوں ہی اعلام کلمۃ اللہ، اعلان ذکر اللہ، نشر ثناء الہی، رفعت ذکر رسالت پناہی۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ و تذکیر جن و انس۔ مقتدی کا نماز میں سبحان اللہ کہنا اس سے ذکر الہی و تسبیح بھی مقصود اور اصلاح نماز بھی، امام کو اس کی غلطی پر ضمناً تنبیہ ہوتی ہے۔

بحر الرائق میں فرمایا:

”المقصود من الأذان لم ينحصر في الإعلام بل كل منه والإعلان الذکرو نشر الذکر لله تعالیٰ و دینہ فی أرضہ و تذکیر العباد من الجن و الانس“ (۱)
اذان سے اعلام ہی مقصود نہیں بلکہ اعلام کے ساتھ اعلان ذکر اللہ، نشر ثناء الہی اور تذکیر جن و انس بھی ہے۔ (مترجم)

یوں ہی صلاۃ و سلام بعد اذان سرکار سرہر کار علیہ الصلاۃ و السلام پر درود بھی ہے، اور اس وقت اس سے تثنویب اعلام بعد اعلام بھی حاصل۔ ع۔ چہ خوش بود کہ برآید بہ یک کرشمہ دو کار۔
دیکھو ایک نماز نفل چار نیت سے ادا کی جاسکتی ہے، اگر کوئی وہ دو رکعت ان چار نیتوں سے پڑھے سب باتوں کا ثواب خدا چاہے حاصل ہوگا۔ اور چاروں باتوں کا ادا کرنے والا ٹھہرے گا۔ وضو کر کے دو رکعت بہ نیت تحیۃ الوضو و تحیۃ المسجد پڑھے دونوں باتیں ادا ہو جائیں گی۔ اور اگر وقت چاشت ہو اور اس وقت کسوف بھی ہو اور ان دونوں کی بھی نیت کر لے تو چاروں ادا ہو جائیں گی۔

طحاوی علی مراقی الفلاح میں فرمایا:

”یصح لو نوی نافلتین أو أكثر، کما لو نوی تحیۃ مسجد و سنة وضوء وضحیٰ و کسوف اہ.“ (۲)

(۱) [البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۶۱]

(۲) [حاشیۃ الطحاوی علی مراقی: ص ۱۱۷]

دو یا دو سے زائد نفلوں کی نیت درست ہے، مثلاً کوئی تحیت الوضو، تحیت المسجد، چاشت اور کسوف کی نیت کرے (تو درست ہے) (مترجم)

اور دیکھو اگر کوئی غسل کر رہا ہو غسل جنابت اور دن جمعہ کا ہو اور اس دن عید بھی اور وہ جنابت و عید و جمعہ سب کی نیت سے غسل کرے، سب ادا ہوں گے۔ اور سب کا ثواب پائے گا، یوں ہی اگر کوئی سوتے وقت اس نیت سے وضو کرے با وضو سوتے گا، اور ساتھ ہی اس کی نیت بھی کرے کہ غیبت کی ہے بعد غیبت وضو مستحب ہے۔ یوں ہی اونٹ کا گوشت کھایا ہے اور اس کے بعد وضو کرنا مستحب و مستحسن ہے۔ تو ایک ہی وضو سے جو سب کی نیت سے کرے گا سب باتوں کا ثواب پائے گا۔

حاشیہ علامہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

”إن جمع بین عبادات الوسائل فی النیة صح ، کما لو اغتسل لجنابة و عید و جمعة اجتمعت ثواب الكل ، و کما لو توضعاً لنوم و بعد غیبة و أكل لحم جزور.“ (۱)

اگر چند طرح کی عبادتیں ایک نیت سے ادا کرنا چاہے تو درست ہے، مثلاً جنابت عید اور جمعہ کا غسل ایک ہی نیت سے کرے تو سب کا ثواب ملے گا، اور اسی طرح با وضو سونے اور بعد ہیئت اور اونٹ کا گوشت کھانے سب کی نیت ایک ہی بار میں کرنا درست ہے۔ (مترجم)

تھویب اعلام بعد اعلام کو وہابی بھی جائز اور ثواب مانتا ہے۔ وہابی۔ الصلاة والسلام علیک یا رسول اللہ سے جلتا ہے۔ وہابی تھویب کا دراصل مخالف نہیں، بلکہ اس صلاة و سلام کا مخالف ہے۔ اسے شرک جانتا ہے۔ جب تھویب مستحسن اور سنی کے دل کی راحت دل کا چین، ایمان کی رونق۔ الصلاة والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہے تو اس کی مخالفت کے کیا معنی سوا اس کے کہ ایسے لوگ وہابیوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کا شکار ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ خدا انہیں ہدایت فرمائے، اور توفیق خیر دے، راہ ثواب پر چلائے، کار ثواب ان سے کرائے، ضد و عناد اور ہر فساد سے بچائے، انہیں وہابیہ کی چھاپی کتاب دربارہ تھویب کے ص ۲۳ پر ہے: بقیہ اوقات صلاة تھویب زمانہ تابعین سے مستحسن ہوئی ہے، اور اس میں وہ جملہ الفاظ درست ہیں جو دال علی الاعلام ہوں الخ، اسی میں اسی صفحہ پر کچھ سطر کے آگے ہے: متاخرین نے مغرب کے علاوہ جملہ نمازوں میں تھویب جائز قرار دی، اور علت اس کی صرف وقت نوم اور غفلت ہے، اور عوام کی سستی اور کابلی کا ظہور امور دینیہ میں، کما صرح فی العنایہ شرح الہدایہ اور یہ

جملہ امور صحیح ہیں۔ پس متاخرین نے بضرورت تہاوان ناٹمین، چوں کہ اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اھ۔
ص: ۲۴ پر ہے:

تثویب کا مقصد جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے صرف یہی ہے کہ مخاطب کو نماز کے لیے متنبہ کیا جائے۔ اور اس جملہ ”الصلاة والسلام علیک یا رسول اللہ“ کو نفل تثویب میں استعمال کرنا جہل مرکب اور ضلال مبین ہے، اور چوں کہ یہ لفظ تثویب پر دال نہیں اس لیے تثویب کے ثواب سے محروم رہیں گے۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے روز روشن کی طرح کہ تثویب کو وہابی بھی جائز نہ صرف جائز مستحسن مانتا ہے، ہاں اس میں درود شریف صلاة و سلام کا انکار کرتا ہے، اور اس کے انکار میں اپنی جہالت اپنی حماقت کا طرح طرح تماشہ دکھاتا ہے، جو لوگ ایسی جگہ جہاں اذان و اقامت کے درمیان صلاة و سلام عرض کیا جاتا، اور اس سے اعلام بعد اعلام کا فائدہ بھی لیا جاتا ہے۔ بعد نماز باواز بلند صلاة و سلام عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: صلاة و سلام نیک کام ہے، اگر بعد نماز ختم ہونے کے دس دس مرتبہ اور کہو ہم بھی شریک ہیں، وہ ازراہ چالاکی صلاة و سلام کو بند کرنا چاہتے ہیں کہ جب بعد نماز بھی صلاة ہوگی، تو قبل نماز اعلام بعد اعلام کا فائدہ نہ کرے گی۔ یوں لوگ درمیان اذان و اقامت باواز بلند نہ کیا کریں گے۔ کہ اس وقت آواز بلند صلاة و سلام عرض کرنے کا جو ضمنی فائدہ تھا، وہ اب نہ رہا، اس خیال کے لوگ اذان کے لیے بھی کبھی یہی کہیں گے کہ اذان نیک کام ہے، بعد نماز بھی ہوا کرے، دس دس مرتبہ یا سو سو مرتبہ ہم بھی شریک ہیں، جو صلاة ما بین اذان و اقامت جاری ہے، وہ جاری رہے، بعد نماز بھی اگر کچھ لوگ دس دس بار عرض کریں عرض کریں، وہاں کے لوگ سمجھ لیں کہ بعد نماز جو صلاة و سلام دس بار بیس بار ہے وہ بعد نماز ہے، نماز سے پہلے صلاة و سلام عرض کیا جاتا ہے، جس سے اعلام بعد اعلام کا بھی فائدہ ہے، وہ دس بیس سو پچاس بار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقط

فہرست عنوانات

جلد دوم

کتاب العقائد والكلام

- (۱) توحید..... ۶
- نظم کائنات ازلی وابدی ہے..... ۶
- اللہ تعالیٰ کو ”میاں“ نہیں کہنا چاہیے..... ۷
- اللہ تعالیٰ تک کسی عیب کی رسائی ماننا سے عیبی بتانا ہے..... ۸
- (۲) رسالت..... ۸
- غیر رسول کو رسول اللہ بمعنی قاصد کہنا بھی کفر ہے..... ۹
- (۳) قرآن..... ۱۱
- قرآن کی بے مثل فصاحت و بلاغت آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے..... ۱۱
- قرآن کو ناقص کہنے اور اسے تغیر و تبدیل ماننے والے پر توبہ فرض ہے..... ۱۲
- کسی جاہل نے اپنے آپ کو قرآن کہا تو یہ قول برا ہے..... ۱۵
- کسی مجلس میں قرآن پڑھا جائے تو سب پر سننا لازم..... ۱۷
- قرآن کریم سے طلب شفا حضور کے زمانہ سے رائج ہے..... ۱۸
- نماز کے وقت بلند آواز سے تلاوت درست نہیں..... ۲۰
- مسئلہ علم غیب پر فتویٰ کا خلاصہ..... ۲۲
- (۴) علم غیب..... ۳۱
- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا..... ۳۱

- ۵۴..... حضور کو غیوبِ خمسہ کا علم دیا گیا ہے
- ۷۰..... حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب عطائی ہے، ذاتی نہیں
- ۷۲..... حضور ہی حاضر و ناظر ہیں، یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں
- ۷۴..... حضور قیامت تک کے احوال اپنے دستِ پاک کی ہتھیلی کی طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں
- رسالہ ”تصحیح یقین بر ختم نبیین“.....
- ۸۰..... ختم نبوت
- ۸۹..... صحف ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام میں ارشاد ہوا:
- ۸۹..... حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام سے ارشاد ہوا:
- ۹۶..... مجہول صاحب کی خبر گیری
- ۱۰۲..... کفریات
- ۱۰۲..... مسلمان خدا کو سجدہ کرتا ہے اور کافر و مشرک بتوں کو
- ۱۰۳..... کفر کا عزم و ارادہ ظاہر کرنے پر فوراً کافر ہو جائے گا
- ۱۱۴..... مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر کہنا ضروری ہے
- ۱۳۴..... حضور ﷺ اور مشائخ دین کے لیے بے ادبی کے الفاظ بولنا کفر ہیں
- ۱۴۰..... بعض کفر بالکل ہی ظاہر ہوتے ہیں ان میں مفتی کے فتویٰ کی حاجت نہیں
- ۱۴۱..... مولوی اشرف علی تھانوی پر علمائے عرب و عجم کی طرف سے کفر کا فتویٰ
- ۱۴۴..... شراب، زنا اور جوئے کی حرمت قطعی ہے جس کا منکر کافر
- ۱۴۷..... نماز کی تحقیر کرنے والا کافر اور اس سے قطع تعلق فرض
- ۱۴۸..... کافر کو کافر نہ سمجھنے والے پر توبہ لازم ہے
- ۱۴۰..... گنگوہی کے کفریات پر اطلاع کے بعد اس کو کافر نہ سمجھنے والا بھی کافر
- ۱۳۴..... عبدالرحمن اور عبدالقیوم جیسے ناموں میں ”عبد“ کو حذف کر کے بولنا جائز نہیں بلکہ بعض میں کفر ہے
- ۱۳۷..... عنایت مشرقی بانی تحریک خاکسار کا اجمالی شرعی حکم
- ۱۳۸..... عنایت خاں مشرقی جس نے نماز، روزہ وغیرہ ضروریات دین کا انکار کیا وہ کافر و مرتد ہے
- ۱۴۱..... تحریک خاکسار کے بانی مشرقی کی کتاب ’تذکرہ‘ کے اقوال خبیث اور کفر ہیں

- کسی نے درخواست وغیرہ کسی تحریر میں اپنا کافر ہونا ظاہر کیا تو وہ کافر ہے..... ۱۴۴
- دہریوں کی مذہب سے آزادی کی تحریک میں شرکت کرنے والے مسلمان نہیں..... ۱۴۷
- ہنود کے مذہبی جلوس میں شرکت اشد حرام اور رشتہ اتحاد قائم کرنا کفر..... ۱۴۹
- کافر کو مرحوم کہنا سخت اجنبٹ کام، موجب تجدید ایمان و تجدید نکاح..... ۱۵۴
- کافر و مرتد کو کسی امر میں والی و سربراہ بنانا اشد حرام ہے..... ۱۵۷
- داڑھی شعار اسلام ہے اور پیغمبر کی حیثیت لیڈر کی بتانا کفر..... ۱۶۸
- حضور کا مرتبہ امام مسجد کے برابر یا اس سے بھی کم بتانے والا کافر ہے..... ۱۷۲
- صلاۃ کے بارے میں یہ کہنا کہ مردے کو پکارنا ہے، تو ایسا شخص دوبارہ کلمہ پڑھے..... ۱۷۴
- وہابیوں کا اولیائے کرام کی شان میں گستاخی کرنا کوئی ٹھیک بتائے تو اس پر توبہ لازم..... ۱۷۵
- شریعت کے لیے گستاخی کے الفاظ کہنے والا کافر و مرتد ہے..... ۱۷۷
- مسلمان نے کہا ”میرا کوئی مذہب نہیں“ اس سے مرتد ہو گیا..... ۱۷۸
- کفر کو کسی چیز پر معلق کر کے کہنا فی الحال کفر ہے..... ۱۷۹
- اعتقادات و معمولات..... ۱۸۰
- کسی مسلمان ہونے والے کو فوراً کلمہ کی تلقین کرنا فرض ہے..... ۱۸۰
- اہل سنت اعتقادات و معمولات میں افراط و تفریط سے پاک ہیں..... ۱۸۷
- مہتر قوم کے لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور وہ کفری عقیدہ نہیں رکھتے تو مسلمان ہیں..... ۱۹۴
- ہنود کے میلوں میں تماشائی بن کر جانا حرام..... ۱۹۶
- مفتی کو دھوکہ دے کر اس سے اپنے مطلب کا فتویٰ لینا حرام ہے..... ۱۹۹
- اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول چاہے تو ایسا ہو جائے، یہ کہنا قطعاً جائز ہے..... ۲۰۴

کتاب الطہارۃ

- پانی کا بیان..... ۲۰۹
- بغیر دھوئے قلیل پانی میں بے ضرورت ہاتھ ڈال دیا تو پانی مستعمل ہو گیا..... ۲۰۹
- گول کنویں کی گولائی ساڑھے پینتیس ہاتھ کے قریب ہو تو وہ درود ہے..... ۲۱۱

- ۲۱۲..... حوض کا اوپری حصہ درود ہونا ضروری ہے
- ۲۱۲..... درود حوض وہ ہے جس حوض کی مساحت ۱۰۰ ہاتھ یا ۲۵ گز، یا ۲۲۵ فٹ ہو
- ۲۱۳..... کنویں کا نجس پانی نکالنے پر ہی کنواں پاک ہوگا
- ۲۱۹..... کنویں کا بیان
- ۲۲۱..... ٹوٹی سے پانی بہہ جائے تو وہ بھی پاک ہو جائے گی
- ۲۲۱..... ناپاک رنگ کے کپڑے پاک کرنا لازم ہیں
- ۲۲۱..... وضو
- ۲۲۱..... باتیں کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا
- ۲۲۲..... سر کا مسح اس طرح اولیٰ ہے کہ سر کے آگے سے پیچھے کو ایک بار کرے
- ۲۲۲..... بے ستر وضو ہو جاتا ہے
- ۲۲۳..... غسل
- ۲۲۳..... غسل بغیر نیت بھی ہو جاتا ہے
- ۲۲۴..... حیض
- ۲۲۴..... حیض و نفاس کی حالت میں عورتوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے

کتاب الصلاة

- ۲۲۸..... اذان کا بیان
- ۲۲۸..... اذان مسجد کے اس کنارہ میں ہو جدھر آبادی زیادہ ہو
- ۲۲۸..... مسجد کے اندر اذان نہیں دے سکتے
- ۲۲۸..... فاسق کی اذان مکروہ مگر اذان ہو جائے گی
- ۲۳۰..... اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے
- ۲۳۱..... اذان خطبہ کے مباحث کا خلاصہ
- ۳۳۲..... احیائے سنت اور خانوادہ اعلیٰ حضرت
- ۲۳۲..... فیصلہ کن نکات

- ۲۴۲..... اعلیٰ حضرت اور احیائے سنت
- ۲۴۳..... حدیث ابوداؤد اور مفتی اعظم کی نکتہ آفرینی
- ۲۴۳..... مفتی اعظم کا ایک اہم فتویٰ
- آثار المبتدعین لإعدام حبل اللہ المتین
مصنفہ مولانا عبد الغفار خاں رام پوری کے رد میں
- ۲۴۸..... رسالہ مقتل کذب وکید
- ۲۵۱..... مولوی صاحب ایک کتاب سے بھی سند نہ دے سکے اور بنا لیں سو
- ۲۵۱..... قسم (۱) نری جھوٹی عبارت دل سے گڑھ لی (انعام پچاس روپے)
- ۲۵۱..... قسم (۲) عبارتوں میں خیانتیں، چوریاں، تخریفیں (انعام ۳۰ روپے)
- قسم (۳) سخت ستم، صحیح عبارت کونزی سینہ زوری سے غلط بتانا، اور اپنی طرف سے جھوٹی عبارت گڑھ
کر کا یا پلٹ کر دینا (انعام سو ۰۰ روپے)
- ۲۵۲.....
- قسم (۴) کتاب کا جھوٹا نام گنا دیا اور عبارت غائب (انعام ۵ روپے)
- ۲۵۲.....
- قسم (۵) بھرت پورا کرنے کو ایک ایک کتاب دو دو دفعہ گنائی (انعام ۴ روپے)
- ۲۵۵.....
- قسم (۶) عوام کے دھوکے کو گنتی بڑھانے کے لیے متعدد گن دیے (انعام ۴ روپے)
- ۲۵۸.....
- قسم (۷) نامعتبر و مجہولات سے بھرتی بھردی (انعام ۵ روپے)
- قسم (۸) کتاب بھر میں خصوصاً ۱۳۵ جگہ مہمل بعلاقہ عبارتیں بھر کر دھوکے دیے (انعام مالعہ ۴)
- ۲۵۸.....
- قسم (۹) مہمل در مہمل ذیل مہمل (انعام ۳۷ روپے)
- ۲۶۰.....
- قسم (۱۰) جھوٹے ترجمے دکھا کر دھوکے دینا (انعام ۸۷ روپے)
- ۲۶۲.....
- قسم (۱۱) کمال ہذیان اور ائمہ پر بہتان (انعام ۱۰ روپے)
- ۲۶۳.....
- قسم (۱۲) مولوی صاحب نے بت کے سامنے نماز پڑھنا حلال کر لیا (انعام ۱۰ روپے)
- ۲۶۸.....
- قسم (۱۳) عناد ہٹ دھرمی مکابرہ بے شرمی (انعام ۴ روپے)
- ۲۶۹.....
- قسم (۱۴) تناقض اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی (انعام ۳۲ روپے)
- ۲۷۳.....
- قسم (۱۵) ہتھ پر گئے سبقت لے جانا (انعام ۸ روپے)
- ۲۷۸.....
- قسم (۱۶) بد قسمتی کہ سند میں وہ لائیں جو ان کا ہی گھر ڈھائیں (انعام ۱۱ روپے)
- ۲۸۰.....

- ۲۸۳..... (قسم ۱۷) بے تمیزی (انعام ۸ روپے).....
- ۲۹۱..... قسم (۱۸) مسئلہ دل سے گڑھ لیا اور فقہا پر افترا (انعام ۱۰ روپے).....
- ۲۹۲..... قسم (۱۹) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر باسٹھ افترا (انعام نامیسور).....
- ۳۰۱..... قسم (۲۰) اللہ عزوجل پر سات افترا اور قرآن عظیم کے معنی طرح طرح معاذ اللہ مہمل کر دینا.....
- ۳۰۴..... قسم (۲۱) خود اپنے اوپر چوالیس افترا۔ بکف چراغی کی انتہا (انعام ۱۱ روپے).....
- ۳۰۵..... قسم (۲۲) خود اپنے خصم پر تینتالیس افترا (انعام ۱۲ روپے).....
- ۳۱۰..... قسم (۲۳) حضرت شیخ مجدد الف ثانی پر مولوی صاحب کی چوٹ (انعام ۳ روپے).....
- ۳۱۱..... قسم (۲۴) اپنے استاد و پیر حضرت مولانا محمد ارشاد حسین سے کٹی چھنی (انعام ۴ روپے).....
- ۳۱۶..... (قسم ۲۵) بد مذہبی کا لٹکا (انعام ۱۲).....
- ۳۲۱..... (قسم ۲۶) اللہ و رسول و شریعت و ائمہ کے ساتھ مولوی صاحب کی چوالیس گستاخیاں.....
- ۳۲۷..... قسم (۲۷) اپنے خصم کا کلام سمجھنے تک کی لیاقت نہیں اور اعتراض کو موجود (انعام).....
- ۳۳۴..... مسلمانوں کو نہایت ضروری اطلاع.....
- ”آثار المبتدعین لإعدام جبل اللہ المتین“ کا تیسرا رد
- ۳۳۶..... رسالہ ”نفي العار من معایب المولوي عبد الغفار (۱۳۳۲ھ).....
- ۳۳۷..... تمہید.....
- ۳۳۸..... الحمد للہ منکران مجددین کے منہ سے اہل حق کی ڈگری بحال.....
- ۳۶۳..... نفی عار و اظہار اعتزاز جانب جناب عبد الغفار.....

مسئلہ اذان میں تصدیق اعظم

- اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سلالہ دودمان غوثیت شاہزادہ سرکار بغداد اولاد امجاد حضور سید الاسیاد
حضرت سیدنا مولانا فخر الملتہ والدین حضرت پیر سید ابراہیم صاحب آفندی قادری جیلانی حموی
بغدادی دامت برکاتہم العالیہ.....
- ۳۶۴..... رسالہ ”مقتل اکذب واجہل“

مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری کی پانچویں تحریر کا رد

مولوی صاحب کی یہ تحریر پہلی تحریروں سے بھی اکذب واجہل ہے لہذا رد کا نام بھی یہی ہوا..... ۳۶۶

- ۳۶۸..... مولوی عبدالغفار خاں صاحب کافر اور ان پر ضربات کا شمار
- ۳۶۹..... اب پھر آپ کو از سر نو دس دن کی مہلت ہے:
- ۳۸۳..... مسئلہ تھویب کا خلاصہ
- ۳۸۳..... القول العجیب ایک عظیم تصنیف:
- ۳۸۵..... صلاة کا تعارف، طریقہ کار اور پس منظر
- ۳۸۶..... تھویب ضرور جائز و مندوب و مستحسن ہے ص ۱۴
- ۳۹۰..... تعارف رسالہ
- ۳۹۱..... پہلی صورت
- ۳۹۱..... دوسری صورت
- ۳۹۳..... پہلا قول
- ۳۹۳..... دوسرا قول
- ۳۹۳..... تیسرا قول
- رسالہ ”القول العجیب فی جواز التھویب“
- ۳۹۵..... اذان کے بعد دوبارہ اعلان کرنے کا بیان
- ۳۹۶..... تھویب کا بیان
- ۴۰۳..... اذان کے بعد صلاة سے اعلان نماز کے ساتھ درود سلام بھی مقصود ہے
- ۴۰۷..... مفتی اعظم مفتی اعظم کیوں؟

فہرست مسائل

کتاب العقائد والكلام

- ۶..... یہ کہنا کیسا ہے کہ نظم کائنات دائمی وابدی ہے؟
- ۷..... اللہ تعالیٰ کو ”خدا“ کہنا درست ہے.....
- ۷..... اللہ تعالیٰ کو ”میاں“ نہیں کہنا چاہیے.....
- ۸..... اللہ تعالیٰ کے لیے کذب پر قدرت ماننا سے عیب لگانا اور اس کی توہین ہے.....
- ۹..... اسماعیل دہلوی کے ایک گستاخانہ قول کا رد.....
- ۱۰..... غیر رسول کو ”رسول“ بمعنی قاصد کہنا کیسا ہے.....
- ۱۱..... قرآن حکیم کے کلام اللہ ہونے پر دلائل وبراہین.....
- ۱۵..... قرآن مجید کو ناقص کہنے والے پر توبہ و تجدید ایمان فرض ہے.....
- ۱۵..... کسی پیر کا اپنے مرید کے تعلق سے یہ کہنا ”اگر یہ سمجھے تو اس کا قرآن میں خود ہوں“ کیسا ہے.....
- ۱۷..... جو لوگ مجلس قراءت میں حاضر ہوں ان سب پر قرآن عظیم سننا فرض ہے.....
- ۱۹..... قرآن عظیم سے طلب شفا عہد رسالت سے جاری و ساری ہے.....
- ۲۱..... جس وقت لوگ نماز یا ذکر تلاوت میں مشغولی ہوں بلند آواز سے تلاوت یا وعظ و نعت خوانی منع ہے.....
- ۲۲..... مسئلہ علم غیب پر نتویٰ کا خلاصہ.....
- ۳۱..... علم غیب رسول کا مطلقاً انکار کفر ہے کہ یہ کثیر آیات قرآنیہ کا انکار ہے.....
- ۳۱..... علم غیب کے ثبوت میں آیات کریمہ.....
- ۳۲..... علم غیب کے ثبوت میں احادیث شریفہ.....
- ۳۵..... قرآن مجید نے ان منافقوں کو کافر فرمایا جنہوں نے کہا تھا ”محمد ﷺ غیب کیا جانیں.....
- ۳۶..... منکرین علم غیب کے چند اقوال خبیثہ.....
- ۳۸..... علم غیب کی نفی پر بحر الرائق کی عبارت سے استدلال کا جواب.....

- ۵۵..... غیبِ خمسہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کا کیا مطلب ہے؟
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیبِ خمسہ کا علم ہے، اس پر قرآن و احادیث اور علمائے اعلام و ائمہ کرام کے اقوال سے ثبوت..... ۵۵
- ۵۹..... حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند پیشین گوئیوں کا ذکر
- حدیث معراج میں حضور کے ارشاد ”فعلمت ما فی السموت والارض“ کے پیش نظر کیے گئے
- ایک اعتراض کا جواب..... ۶۹
- جو یہ کہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب بالذات ہے اس پر توبہ و تجدید ایمان فرض ہے..... ۷۰
- لفظ ”حاضر و ناظر“ دربار الوہیت کے لائق نہیں..... ۷۲
- وہابیوں کا ایک افترا اور اس کا جواب..... ۷۳
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ جہان کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے مثال
- کف دست مبارک ملاحظہ فرما رہے ہیں..... ۷۴
- اللہ کے نبی زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں..... ۷۶
- ختم نبوت پر دلائل قاہرہ اور ایک شخص مجہول کے ہدایات کے جواب..... ۸۰
- کوئی مسلمان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتا بلکہ کعبہ کی طرف رخ کر کے خدا کو سجدہ کرتا ہے اور کافرتوں کو سجدہ
- کرتا ہے..... ۱۰۲
- مسلمان رمی جمار محض امتثال امر کے لیے کرتے ہیں..... ۱۰۲
- ہندو پاک کا پتھر پر پھول پانی چڑھانا اور مسلمان کاری جمار کرنا، ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے..... ۱۰۳
- کفر کا عزم و ارادہ ظاہر کرنے پر آدمی فوراً کافر ہو جائے گا..... ۱۰۳
- کلمہ کفر بکنے کی وجہ سے جو نکاح ٹوٹ گیا وہ تجدید اسلام سے نہیں جڑے گا بلکہ اگر عورت راضی ہو تو مہر
- جدید کے ساتھ نکاح جدید کرنا ہوگا..... ۱۱۲
- مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر کہنا ضروری ہے..... ۱۱۳
- جو شخص حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں باعث سوء ادب الفاظ بولے اور کہے حقیقت محمدیہ
- بشریت ہے، صوفیہ کرام کو فرقہ عالیہ بتائے، ان کے کلمات نہ سمجھ کر انہیں اہل شرک سے سمجھے،
- اطاعت رسول کو اطاعت الہی نہ سمجھے اس کے لیے کیا حکم ہے..... ۱۱۵

- ۱۲۱..... کفر تو کفر ہی ہے اگرچہ عالم بھر میں کوئی فتویٰ اس کے متعلق نہ ہو.....
- ۱۲۱..... مولوی اشرف علی تھانوی کا قول کفر صریح ہے، اور اس پر علمائے عرب و عجم کی طرف سے کفر کا فتویٰ ہے.....
- ۱۲۱..... اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے کہا ”صرف قرآن و حدیث پر چلنے والا کامل مسلمان نہیں، اور اسلام کی ضروری باتیں قرآن و حدیث میں تفصیلاً نہیں پائی جاتیں ان میں اکثر بالتفصیل تو پائی جاتی ہیں مگر ہتمامہ نہیں.....
- ۱۲۳..... کیا شراب نوشی و قمار بازی کو ماں کے ساتھ زنا کے مثل بتانے والا خارج از اسلام ہے.....
- ۱۲۷..... نماز کی تحقیر کرنے والا کافر ہے، اس پر توبہ و تجدید ایمان لازم ہے ورنہ اس کا بایزکاٹ فرض ہے.....
- ۱۲۸..... اس خبیث قول کا جواب کہ نماز میں کچھ نہیں ملا.....
- ۱۲۹..... کیا کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے، وہ کون سے مشہور مذہب ہیں جن کے افراد کافر ہیں.....
- ۱۳۱..... گنگوہی کے کفریات پر اطلاع کے بعد اس کو کافر نہ سمجھنے والا کافر ہے.....
- ۱۳۲..... اپنے لیے نماز کو معاف بتانے والا فرضیت نماز کا منکر ہے.....
- ۱۳۵..... عبدالقادر، عبدالقدیر، عبدالرزاق جیسے ناموں کا لفظ ”عبد“ چھوڑ کر بولنا کیسا ہے.....
- ۱۳۷..... عنایت اللہ خاں مشرقی کی قائم کردہ خاکسار تحریک کا اجمالی شرعی حکم.....
- ۱۳۸..... مشرقی کے چند بے ہودہ و کفریہ اقوال اور اس کا حکم.....
- ۱۴۴..... مشرقی کے بارے میں ایک اور سوال و جواب.....
- ۱۴۷..... دہریوں کی مذہب آزادی کی تحریک میں شرکت کرنے والے محض نام کے مسلمان ہیں.....
- ۱۴۹..... ہنود کے مذہبی جلوس میں شرکت اشد حرام اور رشتہ اتحاد قائم کرنا کفر.....
- ۱۵۰..... کافر کو مرحوم کہنا سخت اجنبت کام، موجب تجدید ایمان و تجدید نکاح خاکسار تحریک کا بانی و سربراہ مشرقی کافر و مرتد ہے لہذا اس تحریک میں شامل ہونا ایک کافر و مرتد کو اپنا والی و سربراہ بنانا ہے اور یہ اشد حرام ہے.....
- ۱۵۷..... یہ کہنے والا کہ اس زمانے میں حضور بھی ہوتے تو ڈاڑھی منڈانے کا حکم دیتے اور یہ کہ پیغمبر کی حیثیت لیڈر کی ہوتی ہے کافر و مرتد ہے اور اس کو اپنے امور کا والی بتانا حرام.....
- ۱۶۸..... حضور کا مرتبہ امام مسجد کے کم یا برابر بتانے والا کافر ہے.....
- ۱۷۳.....

- ۱۷۴.....تجدید ایمان بھی کرے.....
- ۱۷۵.....اولیائے کرام کی شان میں وہابیوں کے گستاخانہ اقوال کو ٹھیک بتانے والے پر توبہ لازم ہے.....
- ۱۷۶.....شہنی دروازے پہ لٹکانا کیسا ہے.....
- ۱۷۷.....شریعت مطہرہ کی توہین کرنے والا کافر و مرتد ہے.....
- ۱۷۸.....مسلمان نے کہا ”میرا کوئی مذہب نہیں“ اس سے وہ مرتد ہو گیا.....
- ۱۸۰.....کفر کو کسی چیز پر معلق کر کے کہنا فی الحال کفر ہے.....
- ۱۸۸.....کافر نے مسلمان سے کہا کہ مجھ پر اسلام پیش کرو اس نے اسلام پیش کرنے میں تاخیر کی تو اس کے لیے کیا حکم ہے.....
- ۱۸۸.....اہل بیت و صحابہ کرام کے بارے میں ایک نام نہاد عالم اہل سنت کے رفض نما اقوال کے جوابات.....
- ۱۹۵.....مہتر قوم کے لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کفری عقیدہ نہیں رکھتے وہ مسلمان ہیں صاف سھرے ہو کر آئیں تو انہیں مسجد کی حاضری سے نہیں روکا جاسکتا.....
- ۱۹۷.....ہنود کے مشرکانہ میلوں میں بحیثیت تماشاخی جانا اشد حرام، کفر انجام ہے، جانے والے پر توبہ، تجدید ایمان اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح لازم.....
- ۱۹۸.....جو لوگ دشرہ منائیں ان پر تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم ہے اگر ایسا نہ کریں تو ان سے مقاطعہ کیا جائے.....
- ۲۰۲.....مفتی کو فریب دے کر اپنے حسب منشا جواب لینا سخت برا کام ہے.....
- ۲۰۲.....جو اپنی مطلقہ بطلاق مغلطہ کو بے حلالہ تصرف میں لائے زانی ہے اور عورت زانیہ، جب تک بازنہ آئیں اور توبہ نہ کریں ان کا بائیکاٹ کیا جائے.....
- ۲۰۳.....جو خلاف شرع امر کو خلاف شرع سمجھتے ہوئے اس کے کرنے کے لیے خدا کا واسطہ دے اس پر توبہ و تجدید ایمان و تجدید نکاح کا حکم ہوگا.....
- ۲۰۵.....”اللہ اور اس کے رسول نے چاہا تو فلاں کام ہو جائے گا“ یوں نہیں کہنا چاہیے بلکہ یوں کہا جائے اللہ پھر اس کے رسول نے چاہا کام ہو جائے گا.....

- بہار شریعت کے ایک مسئلہ کو فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت کے معارض بتانے والے کا رد..... ۲۰۹
- دہ دردہ پانی نجاست کرنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو اور یہ کہ کنواں کب دہ دردہ ہوتا ہے..... ۲۱۱
- دہ دردہ ہونے کے لیے حوض کا اوپری حصہ دہ دردہ ہونا ضروری ہے..... ۲۱۲
- دہ دردہ وہ حوض ہے جس کی مساحت ہاتھ سے سو ہاتھ، گز سے ۲۵ گز، فٹ سے سو اور سو فٹ ہو۔ مربع ہونا ضروری نہیں، گہرائی اتنی ہو کہ لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھلے..... ۲۱۳
- کنوئیں میں نجاست کرنے کی صورت میں پانی کس طرح پاک ہوگا..... ۲۱۵
- کنوئیں کے پاس چو بچہ ہے اگر اس کی نجاست کنوئیں تک سرایت کرے کہ کنوئیں میں اس کا رنگ یا بو یا مزہ ظاہر ہو تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ اگر کنوئیں تک نجاست پانی پہنچنے کا یقین ہو جائے تب بھی ناپاک ہو جائے گا اگرچہ رنگ و مزہ و بو نہ بدلے..... ۲۲۰
- ناپاک لوٹا ناپاک کر لیا گیا اور ٹوٹی سے پانی بہا دیا تو وہ بھی پاک ہوگئی..... ۲۲۱
- اگر کپڑا ناپاک رنگ میں رنگا گیا تو اس کا پاک کرنا ضروری ہے..... ۲۲۱
- باتیں کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر وضو کرنے میں اور بعد وضو نماز سے قبل دنیا کی باتیں نہیں کرنا چاہیے..... ۲۲۲
- مسح راس کے دو طریقوں اور ان میں اولی کا ذکر..... ۲۲۲
- ستر کھولے ہوئے وضو کرنے سے وضو ہو جاتا ہے..... ۲۲۳
- بغیر نیت بھی غسل ہو جاتا ہے۔ غسل خانہ میں جانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھ لیں، غسل خانہ میں کوئی دعا نہ پڑھیں..... ۲۲۳

حیض

- جو حیض و نفاس والی عورت کے پکائے ہوئے کھانے یا اس کے جو ٹھکے کھانے پانی سے پرہیز کرتے ہیں گنہ گار ہیں، یہ مشرکوں، یہودیوں اور مجوسیوں کا طریقہ ہے..... ۲۲۲

اذان کا بیان

- جدید مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو ادھر اذان بڑھی جائے..... ۲۲۸

- اندرون مسجد اذان مکروہ ہے۔ بارش کی صورت میں چھتری لگا کر خارج مسجد اذان دی جائے... ۲۲۸
- فاسق کی اذان مکروہ ہے مگر اذان ہو جائے گی۔ اور اس کی اذان سے جو نماز پڑھی جائے گی وہ بھی ہو جائے گی..... ۲۲۹
- اذان جمعہ ہو یا اور کوئی اذان مسجد کے اندر مکروہ و خلاف سنت ہے جو جمعہ کی اذان ثانی بے مصلحت شرعی باہر نہ کرائے اس کا فعل برا ہے۔ لیکن اس بنا پر اس سے مقاطعہ جائز نہیں..... ۲۳۰
- اذان خطبہ کے مباحث کا خلاصہ..... ۲۳۱
- رسالہ ”مقتل کذب و کید آثار المبتدعین لاعدام جبل اللہ المتین“ مصنفہ مولانا عبدالغفار رضاں رامپوری کے رد میں..... ۲۳۸
- رسالہ ”نفسی العار من معایب المولوی عبد الغفار“ آثار المبتدعین لاعدام جبل اللہ المتین کا تیسرا رد..... ۳۳۶
- رسالہ ”مقتل اکذب واجہل“ مولوی عبدالغفار صاحب رامپوری کی پانچویں تحریر کا رد..... ۳۶۶
- مسئلہ تمویب کا خلاصہ..... ۳۸۳
- تعارف رسالہ..... ۳۹۰
- القول العجیب فی جواز التثویب..... ۳۹۵

اسادیت نمبر ۱۲ صحابہ اقوال تابعین اور آراء امام مالک

کا قدیم اور مستند مجموعہ

الموطأ

امام مالک

تالیف امام دارالہجرتہ

ترجمہ

المحدث الكبير المحقق الشيرازي
ابو العلاء محمد بن عبد الله بن يحيى
بارك الله له في العلوم والأعمال

امام ابو عبد الله مالك
بن انس بن مالك الديلمي

المتوفى 179 هـ



زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-7246006

شبیر برادرز

فتاویٰ حامدیه

مفتی محمد حامد رضا خان

فتاویٰ فقیہ ملت

علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ

2 جلدیں

فتاویٰ اجملیہ

مفتی شاہ محمد اجمل قادری رضوی

مکمل 4 جلدیں

فتاویٰ فیض الرسول

حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ

3 جلدیں مکمل

فتاویٰ مصطفویہ

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ بریلی شریف

محمد عبدالرحیم نثر فاروقی امجدی یونس رضا ویسی

فتاویٰ افریقہ

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ

فتاویٰ صدر الافاضل

مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ رضویہ

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

33 جلدیں

فتاویٰ ملک العلماء

مولانا شاہ محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ

حبیب الفتاویٰ

مفتی محمد حبیب اللہ اشرفی نعیمی

فتاویٰ یورپ

مفتی عبدالواحد قادری

فتاویٰ شرعیہ

استاذ العلماء مفتی محمد فضل کریم رضوی حامدی

3 جلدیں مکمل

فتاویٰ بحر العلوم

حضرت مولانا عبدالملک اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

6 جلدیں

فتاویٰ شارح بخاری

حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ

3 جلدیں مکمل

زبیہ سنٹر ۴۰، اربو بازار لاہور

فون: 042-37246006

Shabbirbrother786@gmail.com

شبیر برادرز